روح حیات بعد الممات اور حیات الانبیاءؑ پر ایک مستند اور مفصل کتاب

حیاتِ جاوداں

ڈاکٹر پیر محمد حسن

اسلامک بک فاؤنڈیشن

جس میں روح، حیات بعد الممات اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے زندہ ہونے پر مفصل بحث کی گئی ہے اور ضمنی طور پر بہت سی دلچسپ بحثیں آگئی ہیں، کتاب کے آخر میں انبیاء کے زندہ ہونے کے متعلق تین رسالے مع اردو ترجمہ دیے گئے ہیں، پہلا شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا دوسرا بیہقی کا اور تیسرا سیوطی کا

تصنیفِ لطیف

ڈاکٹر پیر محمد حسن ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی، پرنسپل (ریٹائرڈ)

سابق پروفیسر و صدر شعبۂ عربی ادب جامعہ اسلامیہ۔ بہاولپور

اسلامک بُک فاؤنڈیشن

پوسٹ بکس نمبر ۱۴۵۳۔ اسلام آباد ○ پوسٹ بکس نمبر ۲۳۰۹۔ لاہور

کتاب : ________ حیاتِ جاوداں

مصنف : ________ ڈاکٹر پیر محمد حسن

پیش لفظ : ________ ڈاکٹر نوید احمد قریشی

ناشر : ________ حاجی محمد ارشد قریشی

________ چیئرمین اسلامک بک فاؤنڈیشن

________ ۲۴۹ - این سمن آباد، لاہور

طابع : ________ سدیدی پرنٹرز بنک روڈ صدر، راولپنڈی

تقسیم کار : ________ المعارف گنج بخش روڈ، لاہور

ضخامت : ۳۰ × ۲۰ / ۸ ۳۲۰ صفحات

اشاعت : ۱۹۸۹ء / ۱۴۰۹ھ ایک ہزار

قیمت : ________ ۱۵۰ روپے

آئی ایس بی نمبر : ۹۶۹ — ۴۲۴ — ۱۲۰ — ۰

مزید تفصیلات کے لیے رابطہ کیجیے

اسلامک بک فاؤنڈیشن پوسٹ بکس نمبر ۱۴۵۳ جی پی او، اسلام آباد (پاکستان)

اسلامک بک فاؤنڈیشن پوسٹ بکس نمبر ۲۳۰۹ جی پی او، لاہور (پاکستان)

نجیب ارشد کے نام جنھوں نے حیاتِ جاوداں پائی

پیش لفظ

تمام حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو رحمۃ للعالمین ہیں اور جن کے وسیلے سے ہمیں اسرار و علوم ملے۔ بہت علم و حکمت والی ہے وہ ذات جس نے انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا[1] اور روح امر ربی ہے اس کا بہت قلیل علم دیا گیا ہے۔[2] اس وقت روح کی ماہیت و حقیقت اور حیات بعد الممات کی نوعیت و کیفیت سے بحث نہیں کر"حیات جاوداں"[3] اس موضوع پر بڑی مستند اور مبسوط کتاب ہے جو کسی بھی زبان میں لکھی گئی ہے کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ محدثین، مفسرین اور سلف صالحین کے بیانات پر مشتمل ہے، شہادت کے طور پر مزید واقعات و مشاہدات بھی بکثرت پیش کیے جا سکتے ہیں مصنف[4] نے سلف صالحین کی آراء پیش کی ہیں اور انہوں نے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ والد محترم حاجی محمد ارشد

۱۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ترجمہ:۔ انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہ تھا (القرآن ۹۶ : ۵)

۲۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ترجمہ:۔ فرما دیجئے (اے محمدؐ) روح امر ربی ہے اور اس کا علم تمہیں کم دیا گیا ہے۔ (القرآن ۱۷ : ۸۵)

۳۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۵۹ء میں پانچ سو کی تعداد میں چھپا تھا اور عرصے سے نایاب تھا۔ یہ دوسرا ایڈیشن مزید ضروری تصحیح، اضافے اور اشاریے کیساتھ شائع ہو رہا ہے۔

۴۔ ڈاکٹر پیر محمد حسن ۸ مارچ ۱۹۰۴ء کو امرتسر (ہندوستان) میں پیدا ہوئے، پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۳۰ء میں ایم اے اور طلائی تمغہ حاصل کیا۔ اور ۱۹۳۸ء میں پی ایچ ڈی کی۔ انہیں پنجاب یونیورسٹی سے مشرقی زبانوں (عربی) میں اولین پی ایچ ڈی حاصل کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ مارچ ۱۹۵۹ء میں محکمہ تعلیم سے بطور پرنسپل ریٹائر ہوئے لیکن اب تک درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری ہے علم و فضل اور درویشی و بے نیازی میں سلف صالحین کا نمونہ ہیں کتاب کی اشاعت کے وقت ان کی عمر ۸۵ سال ہے لیکن معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ راولپنڈی میں قیام ہے۔

قریشی، چیئرمین اسلامک بک فاؤنڈیشن کا اصرار تھا کہ میں "حیاتِ جاوداں" کے لئے پیش لفظ لکھوں، جس میں اپنے مرحوم بھائی نجیب احمد قریشی[1] کے حوالے سے اپنے واقعات و مشاہدات قلمبند کروں اس لئے کہ کتاب کے نفسِ مضمون سے ان کا گہرا تعلق ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ ان واقعات و مشاہدات کا ظہور قصۂ پارینہ ہی نہیں ہے اب بھی ایسا ممکن ہے اور اب بھی ایسا ہو رہا ہے چنانچہ ہم یہاں کچھ مشاہدات پیش کر رہے ہیں جن سے مادی دور میں روح کی طاقت اور اس کے مجیّر العقول افعال کی شہادت ملتی ہے

روح کے مظاہر اور روحانی واردات کو نہ تو زبان سے بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی یہ کیفیت ضبطِ تحریر میں لائی جا سکتی ہے البتہ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ یہ سب کچھ موجود ہے اور اس اقلیم روحانی تک رسائی یا اس کی ایک جھلک اس کے وجود کی سب سے بڑی دلیل ہے جس پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے۔ وہ نہ تو اس حقیقت کو جھٹلا سکتا ہے اور نہ ہی بیان کرنے کی جسارت کر سکتا ہے سوائے تفکر اور خاموشی کے اس کے اختیار میں کچھ نہیں ہوتا یا فقط یہ کہہ سکتا ہے کہ چشمِ بینا پیدا کرو اور مشاہدہ کرو کیونکہ اس کا تعلق انسان کی باطنی آنکھ سے ہے کوئی بھی تعلق یا رابطہ قائم کرنے کے لئے محبت پہلی چیز ہے۔ خواہ خود بخود پیدا ہو یا پیدا کر لی جائے، کیونکہ روح کا تعلق محبت سے اور محبت کا پاکیزگی سے ہے۔ اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگانِ دین کی محبت ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے لئے حقیقت و آگہی کی نئی راہیں کھول دیتی ہے، وہ انسان جو اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں، ایک نئی دنیا برزخ[2] میں ہیں۔ ہم نہ تو انہیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ہم سب کے لئے ممکن ہے کہ ان سے تعلق قائم کر سکیں، لیکن روح اپنے جسدِ خاکی کو چھوڑ کر جب آزاد ہو جاتی ہے تو اس کا دائرہ تسخیر اور دائرہ علم لامحدود ہو جاتا ہے اور آنے والے واقعات کو دیکھنا یا اس سے باخبر کرنا روح کے دائرہ اختیار میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں راہِ سلوک میں اکثر تمام رہنمائی ان بزرگوں سے ملتی ہے۔ جو ہم میں ظاہری طور پر موجود نہیں ہوتے لیکن روحانی طور پر موجود ہیں۔

نجیب کی شہادت کے بعد میرا اس سے جو بھی رابطہ خواب میں یا اس کی قبر پر مراقبے میں ہوا میں نے کبھی اسے ارادی طور پر بیان نہیں کیا، نہ ہی اس کی کوئی توجیہ کی۔ مگر بعد میں بعینہٖ وہی ہوا جو نجیب نے ملاقات میں بتایا یا اس سے ملاقات کے بعد ذہن میں جیسا تاثر باقی رہا لیکن اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ اُس دنیا میں ہمارا ایسا نمائندہ ہے۔ جو ہمیں معلومات بہم پہنچا سکتا ہے اور رہنمائی کر سکتا ہے۔ میں یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ بہت اچھی حالت میں ہے اور ہمیشہ کی طرح انتہائی خوش و خرم ہے

---

[1] نجیب احمد قریشی (۱۹۶۲-۸۶ء)، ۱۲/ نومبر ۱۹۶۲ء کو لاہور میں پیدا ہوئے، گورنمنٹ کالج لاہور و پنجاب یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ ۲۹/ ستمبر ۱۹۸۶ء کو لاہور سے اسلام آباد آتے ہوئے سوہاوہ کے قریب ایک حادثہ میں زخمی ہوئے اور ۷/ اکتوبر ۱۹۸۶ء کی صبح میو ہسپتال لاہور میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ باغ گل بیگم (قبرستان میانی صاحب) لاہور میں آسودۂ لحد ہیں "نجیب بندہ غفار" ۱۴۰۷ھ تاریخ وصال ہے انتہائی راست گو، پاکباز اور صالح نوجوان تھے، بے شمار خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک اسلامک بک فاؤنڈیشن کے سیکرٹری اور رُوحِ رواں تھے اپنے خون پسینہ سے اس دینی اور علمی ادارے کی آبیاری کی اور اس جدوجہد میں جان کی قربانی دیدی

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

[2] وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ترجمہ: ان کے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس دن تک (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے رہیں گے۔
(القرآن ۲۳: ۱۰۰)

اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں اور بلند درجات سے نوازیں۔

نجیب کی تدفین کے بعد، ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو جب ہم گھر واپس آئے اسی روز میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک خوبصورت اور سرسبز باغ ہے جس میں فوارے چل رہے اور نہریں بہہ رہی ہیں نجیب میرے پاس بیٹھا باتیں کر رہا ہے پاس ہی پندرہ، بیس فٹ اونچی سیڑھیاں ہیں اور کچھ لوگ جو کہ نہایت ہی پاکیزہ اور نورانی صورت دکھائی دے رہے تھے۔ سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہیں ہم کھیل رہے ہوتے ہیں جب میں نجیب کو پکڑنے لگتا ہوں تو وہ اڑ کر ان بزرگوں کے پاس چلا جاتا ہے اور وہ اسے اس طرح گود میں اٹھا لیتے ہیں جس طرح کوئی بچے کو اٹھاتا اور پیار کرتا ہے اس خواب کے بعد یہ خیال یقین میں بدل گیا کہ نجیب بہت خوش نصیب ہے اللہ نے اسے بڑی عزت دی ہے۔ بے شک موت ایک تکلیف دہ حقیقت ہے لیکن دائمی اور پرسکون زندگی کا آغاز موت کے بعد ہی ہوتا ہے جب روح کا دائرہ عمل وسیع اور لامحدود ہو جاتا ہے اور زمان و مکاں کی پابندیاں اس سے ختم ہو جاتی ہیں۔

نجیب کی شہادت کے چند دن بعد غالباً اکتوبر ۱۹۸۶ء کے آخر کی بات ہے کہ میری اور نجیب کی ملاقات قبرستان میانی صاحب میں ہوئی۔ ہم دونوں قبرستان میں چلتے جا رہے ہیں اور مجھے بالکل احساس نہیں ہوتا کہ وہ اب ہم میں نہیں ہے۔ نجیب بڑے اچھے موڈ میں ہے ایک دوست کا نام لے کر مجھے کہتا ہے کہ وہ کار کے نیچے آکر مر گیا ہے۔ اس کے بعد میں نے وہ کار دیکھی بلکہ اس کا رنگ میک ماڈل اور نمبر تک دیکھا پھر یہ بات میرے ذہن سے محو ہو گئی اور میں نے کسی سے اس کا ذکر نہ کیا۔ پانچ سات روز بعد میں نے گھر میں ذکر کیا کہ میں نے ایسا دیکھا ہے۔ اگلی ہی صبح مجھے پتہ چلا کہ وہ دوست کار کے حادثے میں شدید زخمی ہو گیا ہے اور ہسپتال میں بے ہوش ہے اسی حالت میں چند دن بعد دماغ کی شریان پھٹ جانے سے اُس کا انتقال ہو گیا میں اس سانحے پر خاصا متعجب ہوا کیونکہ سارا معاملہ کچھ دن پہلے نجیب مجھے بتا چکا تھا اور بالکل ویسا ہی ہوا تھا۔

یہ نومبر ۱۹۸۶ء کا واقعہ ہے کہ ہم نجیب کی قبر کی بنیادیں از سر نو کھود رہے تھے تاکہ قبر کی پختہ تعمیر کی جائے۔ یہ بنیادیں لحد سے گہری اور نیچے تک تھی۔ اس لئے کھدائی کے دوران لحد کی سل اٹھا کر دیکھا تو نجیب کا جسم اگرچہ کفن میں لپٹا ہوا تھا۔ مگر ہمیں صاف نظر آرہا تھا کہ وہ بالکل تر و تازہ ہے اور تمام قبر خوشبو سے مہک رہی تھی۔ اس موقع پر میرے علاوہ میرا بھائی ڈاکٹر ندیم، کزن انجینئر توقیر اور چچا ظفر اقبال قریشی بھی موجود تھے۔ معمار نے خاص طور سے کہا کہ اس نے سینکڑوں قبریں تعمیر کی ہیں ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا چند دن بعد ہی قبر میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے لیکن ڈیڑھ ماہ گزرنے کے بعد بھی یہاں جسد بالکل ٹھیک ہے اور لحد میں سے خوشبو آرہی ہے میرا ذہن قرآن مجید کی اس آیت کی طرف چلا گیا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالح لوگوں کا ذکر کیا ہے[۲]۔ انبیاء و شہداء کے بارے میں تو مجھے یقین تھا کہ وہ مرنے کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں اور زمین ان کے جسموں کو نہیں کھا سکتی۔ آج صدیق اور صالح لوگوں کے بارے میں بھی مشاہدہ ہو گیا۔ نجیب میرا چھوٹا بھائی تھا۔ پیدائش سے وصال تک اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ میرے سامنے ہے ہم

۲: فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ج

ترجمہ: پس یہ لوگ ساتھ ان لوگوں کے ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا جو نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالح لوگوں میں سے ہیں (القرآن ۴: ۶۹)

نے تمام عمر ایک ہی گھر بلکہ ایک ہی کمرہ میں گزاری تھی اور میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہمیشہ سچ بولنے والا صدیق، اور ہمیشہ گناہوں سے بچنے والا صالح تھا۔ اس کی پوری زندگی جھوٹ اور گناہ کی آلودگی سے پاک تھی۔ قبر میں اس کا حال دیکھ کر یہ مجھے پہلے ہی یقین ہو چکا تھا کہ وہ شہید ہے اسطرح نبی کے بعد صدیق شہید اور صالح ہونے کے تینوں مقام اسے مل چکے تھے یہی معراجِ انسانیت ہے

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں لندن میں تھا جہاں والد محترم کے دل کا اپریشن ہونا تھا۔ یہ ایک انتہائی پیچیدہ بائی پاس سرجری کا کیس تھا۔ ڈاکٹروں کی رائے میرے لئے خاصی پریشان کن تھی اور یہ خطرہ صرف اس لئے مول لیا تھا کہ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ یہاں یہ انکشاف ہوا کہ نجیب کی شہادت دراصل قربانی تھی۔ جب کہ میں یہ عمل پہلے ہی کر چکا تھا۔ یعنی میں نے دل کے اس موذی مرض کو اپنے لئے مانگ لیا تھا: تاکہ میرے والد کو نئی زندگی ملے اور میری والدہ اور بہن بھائیوں کو کوئی مزید دکھ نہ پہنچے، لیکن نجیب نے شاید مجھ سے بڑھ کر مانگا تھا یعنی اے مولا! میری زندگی لے لے اور میرے والد کو زندگی عطا کر دے۔ وہ یقیناً اس مقام پر تھا جہاں خدا بندے سے خود پوچھتا ہے کہ بتا تیری رضا کیا ہے اور بندے کی رضا کے سامنے تقدیر کے فیصلے بدل جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں نجیب سے میری ملاقات ۹ر جولائی ۱۹۸۷ء کو صبح آٹھ بجے ریجنٹ پارک لندن میں ہوئی، جبکہ ہم ڈیڈی جان کو اپریشن تھیٹر میں خدا کے سپرد کر کے آرہے تھے۔ میں بارلے اور بکیر سٹریٹ سے ہوتا ہوا ہسپتال سے ریجنٹ پارک پہنچا، میرے سامنے پارک کی جھیل تھی اور آس پاس پھولوں کی کیاریاں، ماحول کی یہی پاکیزگی مجھے یہاں لے آئی تھی۔ میں کئی راتوں سے ٹھیک طرح سویا نہیں تھا۔ یہ مراقبہ اور غنودگی کی حالت تھی۔ میں خدشات میں گرا ہوا، بیم ورجا کی کیفیت میں سر جھکائے بیٹھا تھا، تصور میں درِ مصطفےٰ تھا کہ ہمیشہ وہیں سے سب کچھ مانگا اور ملا ہے۔ ایسے میں نجیب میرے پاس آتا ہے۔ سفید رنگ کا لباس پہنے ہوئے مسکراتے ہوئے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے اب ڈیڈی جان کو کچھ نہیں ہوگا، جو ہونا تھا میں نے اپنے ذمے لے لیا۔ میں یہاں بہت خوش ہوں! بالکل یہی الفاظ تھے! میں ایک دم چونک پڑا۔ میرا وجود بہت بھاری تھا، ٹانگیں بالکل شل تھیں۔ میں ایک دم کھڑا ہوگیا۔ تھوڑا سا چلا ہوں گا۔ مجھے لگا جیسے نجیب چلتا ہوا جھیل کے اس پار پھولوں میں اوجھل ہو گیا ہے، میرے دل کو اطمینان ہو چکا تھا۔ کہ ڈیڈی جان کو کچھ نہیں ہوگا، مجھے اللہ تعالیٰ نے نجیب کے ذریعے مطلع کر دیا تھا۔ اس واقعے سے پہلے میری جو اضطرابی حالت تھی۔ وہ بالکل تبدیل ہو چکی تھی۔ مجھے عجیب سی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ جس کی مشیت کو سمجھنے سے ہم قاصر ہیں۔ اس کے بعد نو بجے واپس ہسپتال آگیا، ایک بجے اپریشن مکمل ہوا۔ ڈاکٹر ولیمز نے مجھے بتایا کہ اپریشن بہت کامیاب رہا ہے لیکن ساتھ ہی اس نے بتایا کہ کس قدر پیچیدہ تھا اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ زندگی کو کہاں سے کھینچ کر لائے ہیں جب موت اور زندگی کا فاصلہ سامنے ہو تو خدا کی ذات ہی تمام امور پر حاوی ہے، وہی قادرِ مطلق ہے۔

یہ ۲۷ر مارچ ۱۹۸۸ء کا واقعہ ہے کہ نجیب مجھے واشنگٹن میں اچانک ملتا ہے۔ مجھے بالکل احساس نہیں ہوتا کہ وہ ہم میں نہیں ہے میں پوچھتا ہوں۔ نجیب کب آئے؟ اس نے جواب دیا دو مہینے سے یہاں ہوں، پاکستان میں دل نہیں لگا! پھر خوش ہو کر مجھے بتایا کہ مجھے ڈرائیونگ لائسنس بھی مل گیا ہے۔ میں نے پوچھا کیسے؟ وہ بولا بس لے لیا ہے! میں نے کہا یہاں اگر

عزت سے رہنا ہے کوئی غیر قانونی کام نہ کرنا۔ اس کے بعد ہم نے اپنے آپ کو ایک کمرے میں پایا اور دونوں سرخ رنگ کی چادر لے کر لیٹ گئے اور سو گئے لیکن حقیقت میں میں جاگ گیا، صبح کے پانچ بجے تھے۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ مجھے بھی واشنگٹن آئے دو ماہ کا عرصہ ہوا تھا، میں نے نظر اور ڈرائیونگ کے ٹیسٹ پاس کر لئے تھے اور چند دن بعد مجھے ڈرائیونگ لائسنس مل گیا۔ میں نے یہ بھی تہیہ کیا ہوا تھا کہ کبھی کوئی غیر قانونی کام نہیں کروں گا۔ میرا ابھی پاکستان میں دل نہیں لگا تھا اور میں امریکہ چلا آیا تھا۔

نجیب کا انتقال ۷ راکتوبر ۱۹۸۶ء کو ہوا تھا۔ یہ قیامت کے دن تھے، والد محترم شدید بیمار تھے۔ ان کے دل کی دونوں شریانیں بند تھیں شہ رگ بھی تین چوتھائی بند تھی۔ ڈاکٹروں نے فوری بیرون ملک بائی پاس سرجری کا مشورہ دیا تھا۔ ان کے لئے معمولی صدمہ جان لیوا ثابت ہو سکتا تھا اور یہاں قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ وہ خود پہلے زخمی لخت جگر کو ایمبولینس میں جہلم سے لاہور لائے پھر جوان میت کو ہسپتال سے گھر لائے۔ یہ بڑی سخت آزمائش تھی۔ ہم سب بہن بھائی اور والدہ محترمہ ان کی وجہ سے ہر وقت پریشان رہتے تھے۔ اسی دوران والدہ محترمہ نے خواب میں دیکھا رات کا وقت ہے وہ سونے کے کمرے سے باورچی خانے میں جا رہی ہیں۔ برآمدے میں اندھیرا تھا۔ وہ بجلی جلانے کے لئے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھیں تو گرنے لگیں۔ نجیب حسب معمول برآمدے میں کھانے کی میز پر بیٹھا تھا جلدی سے اٹھا اور مسکراتے ہوئے انہیں بازوؤں میں تھام لیا۔ والدہ بیان کرتی ہیں کہ میں اس کے بعد بیدار ہو گئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ نجیب کے سہارے کے بعد نجیب کے والد کو کچھ نہیں ہوگا۔ وہ سلامت رہیں گے۔ والدہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ اب بھی جب مجھے اس خواب کا خیال آتا ہے میں نجیب کے ہاتھوں کا لمس اپنی کلائیوں پر محسوس کرتی ہوں۔

جن دنوں نجیب کا انتقال ہوا، میرا چھوٹا بھائی نعیم گورنمنٹ کالج لاہور میں ایف ایس سی کا طالب علم تھا۔ اس نے ایک روز گھر آ کر بتایا کہ اس کے این سی سی کے لیکچر پورے نہیں تھے اس لئے نہ تو وہ پاسنگ آؤٹ پریڈ میں شامل ہو سکے گا اور نہ ہی اسے این سی سی کا سرٹیفکیٹ ملے گا۔ یہ بات نعیم کے میڈیکل کالج میں داخلے پر اثر انداز ہوتی تھی۔ اس لئے سب پریشان ہو گئے میری بہن عائشہ بتاتی ہے کہ اسی رات کا واقعہ ہے کہ ہم سارے بہن بھائی بیٹھے نعیم کے اس مسئلے پر بات چیت کر رہے ہیں نجیب بھائی بھی ہم میں بیٹھے ہیں اس نے ہنستے ہوئے کہا یہ کام اس طرح نہیں ہوگا۔ اس کے لئے تمہیں یہ کرنا پڑے گا۔ عائشہ کہتی ہے کہ میں نے کہا نجیب بھائی! ہمیں تمہاری بات کی سمجھ نہیں آئی جس پر نجیب نے کاغذ لیا اور درخواست لکھنی شروع کر دی۔ میں نے جیسے ہی درخواست پڑھنے کے لئے کاغذ پر نظر ڈالی آنکھ کھل گئی اور میرے ذہن میں یہ بات رہ گئی کہ نجیب بھائی نے جی ایچ کیو کو درخواست لکھی ہے، چنانچہ ہم نے اس کے مطابق عمل کیا تو جی ایچ کیو سے اس بات کی اجازت مل گئی کہ نعیم کے لیکچر پورے کر کے این سی سی کا سرٹیفکیٹ دے دیا جائے اور بعد میں نعیم کو کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں داخلہ بھی مل گیا۔

خواب کی حقیقت اور تعبیر کی گہرائی میں جانے اور یہ کہ خواب کیوں آتے ہیں اور ان کا ہماری زندگی سے کیا تعلق ہے یا خواب میں جو معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں، ان میں کس حد تک صداقت ہوتی ہے میں صرف یہی کہوں گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔ گویا ان کی ضرور کوئی حقیقت ہے خواب سے بحث کرنے کا مقصد یہ ہے کہ روح اور

جسم کے تعلق کو واضح کروں جب ہم سو رہے ہوتے ہیں تو ہمارے حواس کا تعلق ظاہری دنیا سے کٹ جاتا ہے لیکن ہم نیند کی حالت میں سب کچھ کرتے ہیں یعنی ملنا جلنا بات چیت کرنا یا کچھ لینا دینا وغیرہ۔ نیند موت کی بہن ہے جس طرح موت کے بعد روح آزاد ہو جاتی ہے اسی طرح نیند اور مراقبے کی حالت میں بھی روح آزاد ہو کر سیر کے لئے چلی جاتی ہے اور اس سفر میں ان ارواح سے ملتی ہے۔ جن سے تعلق ہوتا ہے یا پھر وہ ارواح جن کا ہم سے تعلق ہوتا ہے وہ ہمارے لطیف وجود سے ملتی ہیں یہی وجہ ہے کہ میں اس وقت پاکستان سے بیس ہزار کلو میٹر دور ہوں لیکن جب چاہوں یا اکثر نجیب مجھے ملتا ہے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ ہماری ملاقات ضرور ہوتی ہے نجیب مجھے لندن، گلاسکو، قاہرہ، نیویارک اور واشنگٹن ہر جگہ ملا ہے میں جب بھی پارک میں دریا پر یا سمندر کے کنارے جاتا ہوں نجیب مجھے ملتا، باتیں کرتا اور معلومات دیتا ہے یہ وہ روحانی تجربات ہیں جو نجیب کی شہادت کے بعد مجھ پر منکشف ہوئے یا میں نے دریافت کئے۔

واللہ اعلم بالصواب

(ڈاکٹر) نوید احمد

۱۳۔ جون ۱۹۸۸ء

۱۳۰۷ آر کے سٹریٹ این ڈبلیو ۱۳۲

واشنگٹن ڈی سی (امریکہ)

۱: اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

ترجمہ: اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور ان کی بھی جو مرے نہیں (ان کی روحیں) سوتے میں قبض کر لیتا ہے (پھر جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے۔ ان کو روک رکھتا ہے۔ اور باقی روحوں کو ایک معینہ وقت تک چھوڑ دیتا ہے (القرآن ۳۹، ۴۲)

مقدّمہ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَحدَہٗ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَن لَا نَبِیَّ بَعدَہٗ - انبیا علیہم الصّلوات والتسلیمات کے زندہ ہونے کا مسئلہ کوئی اختلافی نہیں ہے، امتِ محمدیہ میں اس پر آج تک اتفاق چلا آیا ہے اہلسنت کے دونوں معتقد گروہ بریلوی اور دیوبندی اس پر متفق ہیں، مگر اب چند لوگوں کی کم علمی اور جہالت کیوجہ سے اس متفق علیہ مسئلہ میں بھی اختلاف پیدا ہونے کا خدشہ ہو رہا ہے۔ اس خدشہ کو محسوس کر کے تعجب ہوا کہ امت کدھر کو جا رہی ہے اور اس کا شیرازہ کس طرح بکھیرا جا رہا ہے۔ اگر ایسا ہونا شروع ہو گیا تو پھر شریعتِ اسلامیہ کے ہر مسئلہ میں اختلاف ہونا شروع ہو جائے گا۔ لہٰذا میں نے چاہا کہ اس اہم مسئلہ کی وضاحت کر دی جائے، تاکہ عامۃ المومنین کو معلوم ہو جائے کہ اس مسئلہ میں اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں اور انہیں واضح ہو جائے کہ جمیع محدثین اور علماءِ امت کا کس طرح اس مسئلہ پر اتفاق رہا ہے۔

اس کتاب میں کسی خاص فرقہ کے ذکر کرنے کی ضرورت تو نہ تھی، مگر میں نے اکابر علماء دیوبند کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا ہے، تاکہ قارئین کو پتہ چل جائے کہ انہیں اس مسئلہ میں کلیۃً اتفاق ہے مجھے اُمید ہے، کہ اس کتاب کے مطالعے سے شکوک وشبہات رفع ہو جائیں گے اور جس اختلاف کے پیدا ہونے کا خطرہ لاحق ہو رہا تھا۔ وہ اُٹھ جائے گا۔

مَیں نے اس کتاب میں اصطلاحات اور فنی بحثوں سے پرہیز کرتے ہوئے اصل موضوع کو صاف اور واضح عبارت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی رائے زنی سے حتی المقدور پرہیز کیا ہے۔ کتاب میں جو کچھ دیا گیا ہے وہ محدثین، مفسرین اور جلیل القدر علماءِ امت کے بیانات ہیں، مزید براں کتاب کو دلچسپ بنانے کے لیے تقریباً ہر بات میں استشہاد کے طور پر واقعات پیش کر دیے ہیں اس خیال سے کہ اس کتاب سے عوام بھی آسانی سے مستفید ہو سکیں میں نے علمی بحثوں سے گریز کیا ہے۔

آخر کتاب میں ان کتابوں کی فہرست بترتیب حروفِ تہجی دی گئی ہے۔ جن سے مَیں نے اس کتاب کی تالیف میں مدد لی ہے اور کتاب کے دوران میں جا بجا مکمل حوالے مع جلد وصفحہ حاشیہ زیریں میں دیے گئے ہیں۔

آخر میں مجھے اپنے مکرم ومحترم دوست میجر عبد العزیز اے ایم سی۔ اوسی سٹیشن ہیلتھ آرگنائزیشن کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ انہوں نے باوجود انتہائی مصروفیت کے وقت نکال کر میرے لیے اپنے کتب خانہ میں سے کتابیں نکالیں اور مجھے اس کتاب کے تالیف کرنے کے قابل بنایا، مَیں مولوی ولی اللہ صاحب کا بھی شکر گذار ہوں کہ وہ بھی میری مدد کتابوں کے ساتھ کرتے رہے۔

(ڈاکٹر) پیر محمد حسن

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رُوح

انسان کی زندگی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے، ایک رُوح دوسرے بدن۔ بدن ایک خانہ ہے، جس میں رُوح سکونت پذیر ہے۔ مگر یہ سکونت کنندہ اس خانہ کے اندر دیگر سکونت کنندگاں کی طرح نہیں۔ کہ حال اور محل دونوں کی طرف الگ الگ اشارہ کیا جاسکے یا ان میں امتیاز ہو سکے، رُوح بدن کے اندر کامل طور پر سرائیت کئے ہوتی ہے، اور یہ سرائیت کن بھی عجیب قسم کا ہے، خون بھی ہمارے جسم میں سرایت کیے ہوئے ہے مگر رُوح کی کچھ اور ہی کیفیت ہے، اس کی وضاحت کیلئے آسان مثال یہ ہے، کہ رُوح بدن میں اسطرح سرائیت کئے ہوئے ہوتی ہے جس طرح درخت کی شاخوں پتوں اور تنے میں پانی سرایت کئے ہوتا ہے، بظاہر پانی دکھائی نہیں دیتا محض پتہ اور لکڑی ہی دکھائی دیتی ہے، حالانکہ پانی بھی ان کے اندر موجود ہوتا ہے، اور وہی درخت کی حیات کا سبب ہے، جب تک پانی درخت کے اندر رہا درخت ہرا بھرا رہا، اور جونہی خشک ہوا۔ درخت بھی خشک اور مردہ ہوگیا، اس پانی کو درخت کی رُوح سمجھو، جب تک یہ رُوح اس میں موجود ہے، درخت کی تسبیح بھی جاری ہے[1]، جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:۔

وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰـكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ ؕ (بنی اسرائیل)

اور ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

مگر جب درخت خشک اور مردہ ہوجاتا ہے۔ تو یہ تسبیح بھی منقطع ہو جاتی ہے۔

رُوح کے وجود کو تمام مذاہب میں تسلیم کیا گیا ہے، چنانچہ ہندی میں اسے "آتما" کہا جاتا ہے، اور "رُوح کُل" یا اللہ تعالیٰ کو "پرماتما" (پرم آتما) کہتے ہیں، دنیا کے تمام مذاہب رُوح کو غیر فانی تسلیم کرتے ہیں، ہندو تو اسے غیر فانی ہی نہیں بلکہ ازلی اور ابدی بھی

---

[1] بغوی سورہ بنی اسرائیل زیر آیت مذکورہ۔

ع ابن مندہ نے کتاب الرُّوح میں محمد بن نصر مروزی سے (مروزیؒ) جو اپنے وقت کے امام ہیں اور جنہیں عہد صحابہؓ سے لیکر فقہا کے عہد تک کے تمام اختلافی احکام کا علم ہے، نقل کیا ہے۔ کہ اس پر تمام امت کا اجماع ہے، کہ روح مخلوق اور حادث ہے۔ صرف بعض غالی رافضی اور جعلی صوفی روح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ (فتح الباری: ۸: ۳۲۵) نیز کتاب الروح: ۱۷۹) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب الرُّوح۔

سمجھتے ہیں، لہٰذا ان کے ہاں جب ازلی اور ابدی ٹھہری تو مخلوق نہ ہوئی، مگر اسلام روح کو مخلوق بتاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوق اشیاء کی طرح یہ بھی ایک مخلوق ہے، اور بدن سے جدا ہونے کے بعد باقی رہتی ہے[۵۱]،

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ یہ روح کیا چیز ہے؟ فلاسفہ اس کی تشریح سے عاجز اور تورات اور انجیل اس کے بارے میں خاموش، یہی وجہ تھی کہ یہود نے (یا یہود کے کہنے پر اہل مکہ نے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امتحاناً روح کے متعلق سوال کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (سورہ بنی اسرائیل آیت)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کر رہے ہیں، آپ فرما دیں، کہ روح تو میرے رب کے حکم سے پیدا ہوئی (یا میرے رب کے امر سے ہے) اور تمہیں تو صرف تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

کیا قرآن نے یہود کے سوال کا جواب دیا یا نہیں

اسماعیلی کہتے ہیں[۵۲]، کہ ہو سکتا ہے کہ یہ جواب ہی ہو، اس میں اللہ نے بتلا دیا ہے، کہ روح منجملہ ان امور کے ہے جن کا تعلق خدا سے ہے، بالفاظ دیگر اس کا علم اللہ کے ساتھ مخصوص ہے، اور کسی کو اس کے سوال کرنے کا حق نہیں۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں[۵۳]، یہاں "امر" سے مراد حکم نہیں ہے، اور اس پر سب کا اتفاق ہے، یہاں پر مراد ماموز سے ہے۔ "امر" کا لفظ "ماموز" کے لئے اسی طرح استعمال ہوتا ہے، جس طرح "خلق" کا لفظ مخلوق کے لئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، لَمَّا جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ،

ابن بطال کہتے ہیں[۵۴]: قرآن کے اس فرمان کے مطابق روح کی حقیقت کا علم اللہ نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے، اس میں حکمت یہ ہے، کہ انسان کا عجز ظاہر کیا جائے کیونکہ جب انسان اس چیز کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ٹھہرا جو اس کے وجود میں موجود ہے، تو پھر وہ حق تعالیٰ کی حقیقت کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔

ابن قیم[۵۵] نے کتاب الروح میں اسی بات کو ترجیح دی ہے، کہ جس روح کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تھا، اس سے مراد وہی روح ہے، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے،

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا ۝

پھر فرماتے ہیں، کہ قرآن مجید میں روح انسانی کے لئے "نفس" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، ابن حجر فرماتے ہیں، کہ ابن قیم کے اس قول کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ مرجح امر یہی ہے، کہ یہاں روح سے مراد روح انسانی ہی ہے، چنانچہ طبری نے عوفی کے طریق سے اسی قصہ کے متعلق ابن عباس سے روایت کی ہے، کہ یہود نے روح کے متعلق کہا تھا۔ کہ روح تو اللہ کی طرف سے ہے، پھر اس روح کو جو ہمارے جسموں میں ہے

---

۵۱ حافظ ابن حجر (فتح الباری: ۴: ۶۸۰) فرماتے ہیں۔ واستدل بهذا على ان الارواح باقية بعد فراق الاجساد وهو قول اهل السنة

۵۲ فتح الباری: ۸: ۳۲۵

۵۳ فتح الباری: ۸: ۳۲۵

کیونکر عذاب دیا جائیگا۔ اس پر یہ آیت اتری تھی۔

[۱] یہاں سے قدما میں دو گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ نے تو اس پر بحث کرنا مناسب ہی نہ سمجھا۔ اور کہا روح اسرار الٰہیہ میں سے ہے، جس کا علم نہ انسانوں کو دیا گیا ہے، اور نہ وہ اس کی کُنہ تک پہنچ سکتے ہیں، جمہور علماء کا یہی طریقہ رہا ہے، چنانچہ جنیدؒ فرماتے ہیں۔ رُوح ایک ایسی چیز ہے، جس کا علم اللہ نے اپنے لئے رکھا ہے، اور مخلوق کو اس کا علم عطا نہیں کیا، لہٰذا مخلوق کو بھی اس پر اس سے زیادہ بحث نہیں کرنی چاہیئے، کہ یہ ایک چیز ہے، جس کا وجود ہے، یہی وجہ ہے، کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ رُوح کی تفسیر نہیں کیا کرتے تھے

ابن [۱] حاتم نے عکرمہ سے روایت کی ہے، کہ کسی نے ابن عباسؓ سے رُوح کے متعلق سوال کیا تو فرمایا، رُوح امر رب سے ہے، لہٰذا اس مسئلہ پر بحث مت کیا کرو، اور جس قدر اللہ نے فرما دیا ہے، اس پر اضافہ بھی نہ کیا کرو، صرف اسی قدر کہو، جس قدر اللہ نے فرمایا ہے، اور اپنے نبیؐ کو سکھایا ہے، کہ تم لوگوں کو تو صرف تھوڑا سا علم دیا گیا ہے،

حافظ [۲] جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں، کہ جس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن اور تورات میں مبہم رکھا ہو اور جس کا علم مخلوق سے مخفی رکھا گیا ہو، اس کی حقیقت کا علم ان لوگوں کو کیسے ہو سکتا ہے، جو علم کی گہرائیوں تک پہنچنا چاہتے ہیں۔

ابوالقاسم سعدی نے ایضاح میں نقل کیا ہے، کہ بڑے بڑے فلاسفہ نے بھی رُوح پر بحث کرنے میں توقف کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ ایک غیر محسوس چیز ہے، جس کے سمجھنے سے عقل قاصر ہے، چنانچہ جس طرح ہم تقدیر کا راز سمجھنے سے قاصر ہیں، اسی طرح رُوح کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہیں؛

اسی [۳] طرح استاذ الطائفہ ابوالقاسم نے بھی رُوح پر بحث کرنے سے گریز کیا ہے، چنانچہ عوارف المعارف میں رُوح کے متعلق لوگوں کے اقوال نقل کرنے کے بعد ابوالقاسم کا قول نقل کیا ہے، کہ بہتر یہی ہے، کہ اس پر بحث کرنے سے گریز کیا جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کی پیروی کی جائے،

ابوالحسن [۳] علی بن خلف المعروف بابن بطال کہتے ہیں کہ اس راز کو پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہ ہے، کہ مخلوق کو بتا دیا جائے، کہ وہ ان امور کا علم حاصل کرنے سے قاصر ہیں، جن کا وہ ادراک نہیں کر سکتے،

ایک دوسرا گروہ ہے، جس نے رُوح پر بحث کی ہے، اور اس کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی ہے، نوویؒ کہتے ہیں، کہ رُوح کے متعلق بہترین قول امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ الجوینی متوفی ۴۷۸ھ کا قول ہے، کہ یہ ایک لطیف جسم ہے، جو اجسام کثیفہ میں اسی طرح حلول کئے ہوتا ہے۔ جس طرح پانی سبز لکڑی میں

رُوح [۳] پر بحث کرنے والوں نے اس آیت کے متعلق یہ جواب دیا ہے، کہ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال ان کو عاجز کر دینے کی غرض سے کیا تھا، اس لئے کہ رُوح کا لفظ کئی چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے دل میں یہ ٹھان رکھا تھا، کہ آپ جونسا بھی جواب دینگے تو ہم کہدیں گے کہ یہ تو مراد نہیں ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی چال چلنے نہ دی، اور انہیں ایسا مجمل جواب دیا، جو ان کے مجمل سوال کے۔

---

[۱] شرح الصدور: ۲۱۴ - ۲ نیز ملاحظہ ہو فتح الباری: ۸ : ۲۳۵

[۲] شرح الصدور: ۲۱۵۔

[۳] فتح الباری: ۸: ۲۲۵،

عین مطابق تھا ۔

سہروردی[لف] عوارف المعارف میں فرماتے ہیں : جن لوگوں نے رُوح پر بحث کی ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے تفسیر کا طرز اختیار نہ کیا ہو ، بلکہ تاویل کا طرز اختیار کیا ہو ۔ اس لئے کہ تفسیر میں تمام دارو مدار روایت پر ہوتا ہے نہ کہ عقل پر اور تاویل میں عقلیں لمبے لمبے ہاتھ کر کے لگ جاتی ہیں ۔ تاویل میں ان امور کا ذکر ہوتا ہے جن کا احتمال آیت میں نہیں ہوتا ۔ مگر قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاتا کہ آیت کا مفہوم یہی ہے ۔ اسی لئے تاویل میں کسی کا قول نقل کیا جاتا ہے ۔ اب چونکہ آخری الفاظ یہ ہیں ۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

جس کا مطلب یہ ہے ۔ کہ رُوح اسی کثیر میں سے ہے جس کا علم تمہیں نہیں ہے ۔ لہٰذا اس کے متعلق سوال مت کرو ۔ کیونکہ وہ امر الٰہی سے ہے ۔ لہٰذا آیت کے ظاہری الفاظ تو رُوح پر بحث کرنے سے روکتے ہیں ۔

بعض کہتے ہیں ۔ کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ سے مراد یہ ہے کہ رُوح عالم امر یعنی عالم ملکوت سے تعلق رکھتی ہے ۔ نہ عالمِ خلق سے ۔ جسے عالمِ غیب و شہادت کہا جاتا ہے ۔

متاخرین[لہ] صوفیہ میں سے ایک جماعت نے جنید اور اس کے متبعین کی مخالفت کرتے ہوئے رُوح پر خوب بحث کی ہے ۔ اور بعض نے تو واضح طور پر کہا ہے ۔ کہ ہمیں اس کی حقیقت معلوم ہے ۔ انہوں نے ان لوگوں پر نکتہ چینی کی ہے جنہوں نے رُوح پر بحث کرنے سے گریز کیا ہے ۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں[۲]

اصحاب بصیرت نے رُوح کی حقیقت کو پا لیا ہے ۔ اور ان پر یہ بات واضح ہو گئی ہے ۔ کہ ہر انسان میں پانچ علوی روحیں ہوتی ہیں ۔ اور چھٹی رُوح سفلی ہوتی ہے ۔ جسے نفس کہا جاتا ہے ۔ پانچ علوی روحیں یہ ہیں : قلب ، رُوح ، سِر ، خفی اور اخفیٰ ۔ ان میں ہر ایک ایک دوسرے سے اپنی ذات اور صفات میں ممتاز ہوتی ہے ۔ اور اصحاب بصیرت کو ان کا اسی طرح یقینی علم ہوتا ہے جس طرح اپنی اولاد کے متعلق ہوتا ہے ۔ کبھی بعض لوگوں پر بعض ارواح مشتبہ ہو جاتی ہیں ۔ بلکہ خود رُوح اپنی لطافت کی وجہ سے اس طرح پوشیدہ ہو جاتی ہے کہ مرتبہ وجوب تک پہنچ جاتی ہے ۔ یہاں تک کہ کسی صوفی کا قول ہے ۔ کہ

میں نے تیس سال رُوح کی عبادت کی ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کی حقیقت واضح کر دی اور اس کا ممکن اور حادث ہونا ظاہر ہو گیا تو میں نے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ کہا ۔

سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں[۵]

"یاد رکھیں کہ کبھی رُوح سے مراد جبریل لی جاتی ہے ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ ،
(جبرئیل اور فرشتے اترتے ہیں)

[لہ] فتح الباری : ۸ : ۳۲۵ ، [۲] تفسیر مظہری سورہ بنی اسرائیل صفحہ ۸۹ ،
[۵] فیض الباری : ۱ : ۲۲۲ ۔

اور کبھی اس سے مراد وہ رُوح لیجاتی ہے۔ جو بدن کی تدبیر کرتی ہے یعنی وہ رُوح جو بدن میں پھونکی جاتی ہے۔ حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ رُوح کے متعلق سوال والی آیت میں روح سے مراد جبریل ہی ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ دوسرے معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ قرآن میں اس کیلئے "نفس" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لہذا ان کا سوال جبریل کے متعلق تھا۔ میں کہتا ہوں وہی دوسرے معنی مراد ہیں یعنی روح مدبر بدن۔ اس لئے کہ اسی کے متعلق بالعموم لوگوں میں سوال کیا جاتا ہے، جبریل کے معنوں میں رُوح کے لفظ کا علم علماء کے سوا اوروں کو نہیں ہے۔ لہذا یہی مناسب ہے، کہ آیت کو متعارف معنوں پر محمول کیا جائے۔ مدبر بدن کے لئے لفظ روح کا استعمال احادیث میں ثابت ہے۔ حافظ ابن حجر نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رُوح اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ الخ سہیلی[51] نے بھی اس اثر کو الروض الانف میں نقل کیا ہے۔ اور اس اثر کو ابن عباس پر موقوف رکھا ہے۔ جبتک میں نے اس کے کلام کا مطالعہ نہیں کیا تھا مجھے اس کا مطلب سمجھ نہیں آرہا تھا۔ سہیلی کہتے ہیں۔ فرشتہ کو رُوح سے وہی نسبت ہے۔ جو انسان کو فرشتوں سے ہے۔ چنانچہ جسطرح فرشتے ہمیں دیکھ سکتے ہیں، اور ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ یہی حال رُوح کا ہے، کہ یہ فرشتوں کو دیکھ سکتی ہے اور وہ اسے نہیں دیکھ سکتے۔ یہاں سے واضح ہو گیا، کہ مخلوق کثیر سے انکی مراد صرف یہی نہیں، کہ وہ مخلوق اور حادث ہے۔ کیونکہ یہ تو ایک واضح بات ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ فرشتوں اور انسانوں کیطرح ایک مستقل مخلوق ہے۔ روح اور نفس کے درمیان جو لطیف فرق ہے، وہ سہیلی کے ان الفاظ سے زیادہ واضح اور عمدہ طور پر کہیں نہ ملے گا جو ہم نے دیکھے ہیں۔ اور جو کچھ ابن قیم نے کہا ہے۔ وہ ان کا تشوقات صوفیہ پر مبنی ہے،

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رُوح کی حقیقت کا علم تھا یا نہیں۔

ابو محمد[52] عبد الرحمن بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں۔ حدثنا ابو سعید الاشج ثنا ابو اسامۃ عن صالح بن حیان حدثنا عبد اللہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات تک بھی رُوح کے متعلق علم نہ تھا۔

مگر دوسرا گروہ کہتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم دیا تھا۔ مگر امت کو بتلانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ رُوح کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے بارے میں یہ اختلاف بعینہٖ اسی طرح کا ہے جس طرح قیامت کے علم کے متعلق ہے، چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ نہ تھا۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں[53]۔ کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ رُوح کے متعلق سوال والی آیت میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رُوح کی حقیقت کا علم نہیں دیا گیا بلکہ اس بات کا احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رُوح کی حقیقت کا علم دیا گیا ہو۔ مگر آپ کو لوگوں کو بتانے کا حکم نہیں دیا۔ قیامت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی علماء یہی کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

جب یہ بات معلوم ہو گئی۔ کہ رُوح کا وجود ہے۔ تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ رُوح جسم ہے۔ یا عرض۔ جمہور اہل اسلام کا یہی عقیدہ ہے۔ کہ رُوح ایک جسم ہے۔ کتاب وسنت اور اجماع صحابہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے[54]۔

---

۵۱ ملاحظہ ہو الروض الانف: ۱: ۱۹۷ تا ۱۹۹۔ ۵۲ شرح الصدور: ۲۱۵۔
۵۳ فتح الباری: ۸: ۳۲۵۔

ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ کہتے ہیں۔ کہ روح صورت کے اعتبار سے اسی طرح لطیف جسم ہے جس طرح ملائکہ اور شیاطین کا۔[۵۱]

کیا موت صرف بدن کیلئے ہے۔ یا روح بھی بدن کے ساتھ مرجاتی ہے۔

ابن قیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ نے کتاب الروح میں اس مسئلہ پر ایک مستقل باب باندھا ہے۔[۵۲] اور بتایا ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ کہ آیا روح بھی بدن کے ساتھ مرجاتی ہے یا باقی رہتی ہے۔ چنانچہ ایک گروہ کہتا ہے کہ روح بھی مرجاتی ہے۔ اس لئے کہ روح بھی ایک نفس ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ لہٰذا روح بھی مرے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

اور ارشاد ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

ان لوگوں کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔ کہ جب فرشتوں کے لئے موت ہے، تو نفوس بشریہ کیلئے تو بدرجہ اولیٰ ہونی چاہئے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے، کہ روح کیلئے موت نہیں یہ بقاء کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ موت صرف بدن کیلئے ہے، حدیث میں صراحۃً بیان کیا گیا ہے۔ کہ مرنے کے بعد جب روح بدن سے جدا ہو چکی ہوتی ہے تو اسے نعمتیں بھی ملتی ہیں، اور عذاب بھی ہوتا ہے۔ درست بات بھی یہی ہے۔ کہ روح کو موت نہیں آتی۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ روح کا بدن سے جدا ہونا ہی روح کی موت ہے۔ تو یہ درست ہے، اس صورت میں روح کیلئے بھی موت ہوگی۔ مگر اگر روح کی موت سے یہ مراد لی جائے۔ کہ یہ بالکل معدوم اور نیست ہو جاتی ہے۔ تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ روح کیلئے اس طرح کی موت نہیں۔[۵۳]

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اپنی اسناد سے جس کے آخر میں مالکیہ کے امام محمد بن وضاح آتے ہیں۔ ذکر کیا ہے کہ میری موجودگی میں کسی شخص نے سحنون بن سعید کے پاس ایک شخص کا ذکر کیا۔ جو یہ کہتا تھا۔ کہ روح بدن کے ساتھ مرجاتی ہے، اس پر سحنون نے کہا۔

---

[۵۱] شرح الصدور: ۲۱۸ [۵۲] ملاحظہ ہو کتاب الروح: ۴۰ تا ۴۵۔

[۵۳] کتاب الروح: ۴۳ – ۴۴ اور شرح الصدور: ۲۱۸ - اس کتاب میں کتاب الروح مؤلفہ ابن قیم کے بہت سے حوالے آئیں گے بعض لوگ اپنے آپ کو علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کے بہت دلدادہ ظاہر کرتے ہیں۔ مگر جب انہیں ان کی کتابوں سے ان لوگوں کے عقیدہ کے خلاف کوئی بات پیش کی جائے۔ تو اس بات سے ہی انکار کر دیتے ہیں۔ کہ یہ کتاب ان کی لکھی ہوئی نہیں چنانچہ ایک صاحب نے مجھے صاف کہہ دیا۔ کہ کتاب الروح ابن قیم کی نہیں ہے۔ ایسے لوگوں پر تعجب ہوتا ہے۔ ان کی تسلی کیلئے میں کہتا ہوں۔ کہ یہ کتاب انہی کی لکھی ہوئی ہے۔ اور علماء نے اپنی تصانیف میں ان کے حوالے دئے ہیں۔ کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے کتاب الروح کو ابن قیم کی تصنیف بتایا ہے جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں بارہا اس کے حوالے دئے ہیں۔ اسی طرح علامہ سید انور شاہ نے فیض الباری میں کئی ایک مقام پر اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی متعدد مقامات پر اس کتاب کا ذکر کیا ہے چنانچہ فتح الباری: ۶ : ۳۴۵ پر ہے۔ فیما نقلہ ابن قیم فی کتاب الروح فتح الباری: ۸ : ۳۲۵ پر ہے۔ ذکرہا ابن القیم فی کتاب الروح اسی طرح غیر مقلدوں کے امام صنعانی نے سبل السلام میں اس کتاب کے متعدد حوالے دئے ہیں۔ چنانچہ ج ۲ صفحہ ۱۵۶ پر کہتے ہیں۔ ذھب ابن القیم الی عموم المسئلۃ وبسط المسئلۃ فی کتاب الروح (بقیہ ۹ پر)

معاذ اللہ یہ عقیدہ تو اہل بدعت کا ہے[1]

ابن قیم کہتے ہیں کہ جب تک روح بدن میں ہوتی ہے تو بدن کی وجہ سے ایک روح کی دوسری روح سے شناخت ہو جاتی ہے۔ مگر جب روح بدن سے جدا ہو جاتی ہے۔ تو پھر ایک روح کا دوسری روح سے کس طرح امتیاز ہو سکتا ہے۔ اور وہ ایک دوسرے کو کیسے پہچانتی ہے؟ اس کے بعد خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں۔ کہ اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق روح عرض نہیں ہے۔ بلکہ قائم بالذات ہے۔ اوپر بھی چڑھتی ہے اور نیچے بھی اترتی ہے۔ ساتھ بھی ملتی ہے اور جدا بھی ہوتی ہے آتی جاتی بھی ہے۔ اور متحرک و ساکن بھی ہوتی ہے۔ اور اس پر سو سے زائد دلائل دئے جا سکتے ہیں۔ میں نے ان دلائل کو اپنی کتاب کبیر میں جو معرفت روح اور نفس کے متعلق لکھی گئی ہے۔ جمع کیا ہے۔ ان میں سے ایک دلیل یہ ہے۔ کہ اللہ تعالے نے روح کیلئے بھی وہی الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جو بدن کیلئے کئے ہیں۔ چنانچہ روح کے متعلق فرمایا:۔

وَنَفْسٍ وَمَا سَوّٰىهَا

اور بدن کے متعلق فرمایا

خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ

لہٰذا معلوم ہو گیا کہ بدن روح کیلئے ایک ڈھانچہ ہے یہی وجہ ہے کہ بدن کی بناوٹ نفس کی بناوٹ کے تابع ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ روح بدن سے صورت حاصل کرتی ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ روح بدن سے اسی طرح تاثر حاصل کرتی ہے۔ اور اس سے جدا ہوتی ہے جس طرح بدن روح سے[2]

مرنیکے بعد روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے،

ابن قیم[3] فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کے بارے میں ہمیں بہت کچھ بتلا دیا ہے۔ اور ہمیں لوگوں کے قیل و قال سے مستغنی کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتہً بیان فرمایا ہے۔ کہ انسان کی روح سوال و جواب کے وقت اسے لوٹا دی جاتی ہے۔ چنانچہ براء بن عازب فرماتے ہیں۔ ہم ایک جنازہ کے ساتھ بقیع الغرقد میں گئے ہوئے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آکر بیٹھ گئے۔ ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے۔ ابھی قبر کھودی جا رہی تھی اور ہم سب خاموش بیٹھے تھے۔ کہ آپ نے فرمایا

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

میں اللہ سے عذاب قبر سے پناہ چاہتا ہوں۔

آپ نے یہ الفاظ تین بار دوہرائے۔ اور فرمایا کہ جب انسان کا آخری وقت آجاتا ہے۔ تو ایسے فرشتے اترتے ہیں جن کے چہرے سورج کی طرح چمکتے ہوتے ہیں۔ اور مرنے والے انسان سے اتنی دور ہو کر بیٹھ جاتے ہیں جتنی دور اس کی نگاہ پہنچ سکے۔ اس کے بعد ملک الموت آتا ہے

(بقیہ حاشیہ ص۸) پھر ج ۲ صفحہ ۱۵۷ پر کہتے ہیں۔ وابن القیم جزم فی الهدی بمثل کلام المنار واما فی کتاب الروح۔ اسی طرح ہم بہت سے اور حوالے پیش کر سکتے ہیں جہاں کتاب الروح کو ابن قیم کی تصنیف بتایا گیا۔ مگر یہاں اسی پر اکتفا کی جاتی ہے۔

[1] شرح الصدور: ۲۱۸۔ (۲) کتاب الروح: ۴۶ [3] شرح الصدور ۲۱۸ - ۲۱۹ -

[3] کتاب الروح: ۴۹ بعد -

اور سر کی طرف ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور کہتا ہے اے پاک نفس اللہ کی مغفرت اور رضامندی کیطرف نکل آ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر نفس اس طرح بہتی ہوئی نکلتی ہے جس طرح مشکیزہ کے منہ سے قطرہ۔ ملک الموت اس رُوح کو قبض کر لیتا ہے۔ دوسرے فرشتے اس رُوح کو ایک لمحہ بھر بھی اس کے پاس نہیں رہنے دیتے اور پکڑ کر اسے کفن میں رکھتے اور خوشبو لگاتے ہیں۔ یہ خوشبو اس قدر عمدہ ہوتی ہے جس قدر کہ دنیا کی بہترین خوشبو ہو سکے۔ پھر فرمایا:- فرشتے اسے لیکر آسمان پر جاتے ہیں۔ اور وہ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گذرتے ہیں۔ وہ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اور دریافت کرتے ہیں کہ یہ پاکیزہ رُوح کس کی رُوح ہے فرشتے جواب دیتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں کی رُوح ہے۔ اور اسے ان بہترین ناموں سے پکارتے ہیں جن سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا۔ تا آنکہ وہ دنیا کے آسمان پر پہنچتے ہیں۔ فرشتے اس کیلئے دروازے کھلواتے ہیں۔ اور وہ کھول دئے جاتے ہیں۔ ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس رُوح کو دوسرے آسمان تک چھوڑنے آتے ہیں حتیٰ کہ اسے بارگاہ رب العزت میں پیش کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:- میرے بندے کے اعمال کو علیین میں لکھدو۔ اور اسے دنیا کیطرف لوٹا دو۔ کیونکہ میں نے انہیں مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اسی میں لوٹاؤں گا۔ اور اسی سے انہیں دوبارہ نکالوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ اس پر اس کی رُوح جسم میں لوٹا دی جاتی ہے پھر میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ اسے بٹھاتے ہیں۔ اور اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے، کہ میرا رب اللہ ہے۔

اس کے بعد وہ پوچھتے ہیں:- تمہارا دین کیا ہے؟

وہ جواب دیتا ہے:- میرا دین اسلام ہے۔

اس کے بعد فرشتے پوچھتے ہیں:- کہ یہ شخص جسے تم میں بھیجا گیا کون ہے؟

میت جواب دیگی:- یہ اللہ کا رسول ہے۔

فرشتے پوچھتے ہیں:- تجھے یہ کیسے معلوم ہوا؟

میت جواب دے گی:- میں نے قرآن مجید پڑھا۔ آپ پر ایمان لایا۔ اور آپ کی تصدیق کی۔ اس پر آسمان سے ندا آئیگی کہ میرے بندے نے سچ کہا۔ لہٰذا اس کے لئے جنت کے بچھونے بچھا دو۔ اور جنت کے دروازے کھول دو۔ فرمایا:- اس پر اسے جنت کی ہوا اور خوشبوئیں آنے لگ جائیگی۔ اور اس کیلئے قبر اسقدر وسیع کر دی جائیگی جس قدر کہ اس کی نگاہ کام کر سکتی ہے۔ اسکے بعد اسکے پاس ایک خوبصورت شخص آئیگا جس کا لباس عمدہ ہو گا۔ اور وہ خوشبو سے مہک رہا ہو گا۔ وہ میت سے کہیگا تجھے ایسی اشیاء کی بشارت ہو جن سے تو خوش ہو۔ یہی وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ میت کہیگی تو کون ہے؟ تیرا چہرا بتاتا ہے کہ تو نیک خبر لانیوالا ہے، وہ جواب دیگا میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ اس پر میت یہ خواہش ظاہر کریگی کہ اُسے تھوڑی دیر کے لئے گھر جانے دیا جائے۔

کافر کی حالت پھر فرمایا:- جب کافر کا دنیا سے قطع تعلق کر کے آخرت کی طرف جانے کا وقت آتا ہے۔ تو اس کے پاس آسمان سے سیاہ رنگ کے فرشتے ٹاٹ لئے ہوئے آتے ہیں۔ اور اس سے اتنی دور بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک کہ اس کی نگاہ پہنچ سکتی ہے

اس کے بعد ملک الموت آکر اس کے سر کی طرف بیٹھ جاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ اے نفس اللہ کی ناراضگی اور غضب کی طرف نکل آ۔ اس پر اسکی رُوح اُسکے جسم میں پھیل جاتی ہے۔ اور ملک الموت اسے اس طرح کھینچ کرلاتا ہے جس طرح ایک سیخ کو گیلی صوف میں سے کھینچ کر نکالا جائے پھر ملک الموت اس رُوح کو قبض کرلیتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ فرشتے اسے لیکر ٹاٹ میں رکھ دیتے ہیں۔ اور اس میں سے اس طرح کی بو نکلتی ہے جس طرح ایک مردار سے نکلا کرتی ہے۔ فرشتے اس کو لیکر اوپر کو چڑھتے ہیں۔ اور فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گذرتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں۔ کہ یہ خبیث رُوح کس کی رُوح۔ یہ جواب دیتے ہیں۔ فلاں بن فلاں کی۔ اور اس کا ذکر بدترین ناموں کیساتھ کرتے ہیں جن سے اس کو دنیا میں پکارا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اسے لیکر دنیا کے آسمان پر پہنچتے ہیں۔ اور دروازہ کھولنے کو کہتے ہیں۔ مگر دروازہ کھولا نہیں جاتا۔ یہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ

(ان کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائینگے۔ اور نہ وہ کبھی بھی جنت میں داخل ہوسکیں گے۔)

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ ان کا اعمال نامہ سجین میں لکھ دو۔ اس پر اس کی رُوح کو پھینک دیا جائے گا۔ یہاں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی :۔

وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۚ

(جو شخص اللہ کیساتھ کسی کو شریک بناتا ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی آسمان سے گرے اور پرندے اسے اُچک لیں یا ہوا اسے دور دراز مقام میں پھینک دے)

اس کے بعد اس کی رُوح اس کے بدن میں لوٹادی جاتی ہے۔ اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ اور یوں سوال کرتے ہیں :۔

تیرا رب کون ہے ؟

وہ جواب دیتا ہے :۔ افسوس مجھے معلوم نہیں۔

پھر پوچھتے ہیں :۔ یہ شخص جو تم میں رسول بناکر بھیجا گیا کون ہے ؟

وہ جواب دیتا ہے :۔ افسوس مجھے معلوم نہیں۔

اس پر ندا آتی ہے۔ کہ میرے بندے نے جھوٹ کہا۔ لہٰذا اس کے لئے دوزخ کا فرش بچھادو۔ اور دوزخ کیطرف اس کا دروازہ کھولدو دوزخ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اور دوزخ کی گرمی اور لو اسے آنے لگ جاتی ہے۔ اور اسکی قبر اسقدر تنگ ہوجاتی ہے۔ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے کے اندر گھس جاتی ہیں۔ اور اس کے پاس ایک نہایت کریہہ منظر اور بدبوناک انسان آکر کہتا ہے تمہیں ان اشیاء کی بشارت ہو۔ جو تجھے غمناک کریں۔ تجھ سے اسی دن کا وعدہ کیا گیا تھا۔ میت پوچھے گی تو کون ہے ؟ تیرا چہرہ تو ایسے انسان کا چہرہ ہے جو شر لیکر آئے۔ وہ جواب دے گا میں تمہارے بداعمال ہوں۔ اس پر میت کہے گی :۔ خدایا قیامت بپا نہ ہو۔

مذکورہ بالا حدیث کو امام احمد۔ ابوداؤد۔ نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ (صرف ابتدائی حصہ) ابو عوانہ اسفرائنی متوفی ۳۱۶ھ نے بھی اپنی صحیح میں اس کی روایت کی ہے۔ (اس حدیث کے مطابق اہلسنت والجماعت محدثین کا یہی عقیدہ ہے۔ کہ قبر میں روح لوٹادیجاتی ہے[1])

ابن حزم کا اہل سنت کے عقیدہ پر اعتراض :۔ ابو محمد بن حزم اپنی کتاب الملل والنحل میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ خیال کرنا کہ میت قبر میں

([1] کتاب الروح : ۵۱)

قیامت سے پہلے زندہ ہو جاتی ہے۔ غلط خیال ہے۔ اس لئے کہ جن آیات کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کی رو سے وہ زندہ نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ ط

اے ہمارے پروردگار تو نے دوبار ہمیں مارا اور دوبارہ ہمیں زندہ کیا۔

پھر فرمایا:۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ

تم اللہ کا کیسے انکار کر سکتے ہو۔ حالانکہ تم مردہ تھے۔ اور اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں ماریگا پھر دوبارہ تمہیں زندہ کرے گا۔

اعتراض | ابن حزم کہتے ہیں کہ اگر میت قبر میں زندہ ہو اس صورت میں اللہ نے یوں کہا ہوتا۔ کہ اس نے تمہیں تین بار مارا اور تین بار زندہ کیا۔ مگر اللہ نے تو دوبار مارنے اور زندہ کرنے کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا تیسری بار کا زندہ ہونا باطل اور قرآن کے خلاف ٹھہرا۔ اس سے صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہیں۔ جنہیں اللہ تعالےٰ نے کسی نبی کیلئے معجزہ کے طور پر زندہ کیا ہو:۔

كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ

ان لوگوں کی طرح جو اپنے ملک سے موت کے ڈر سے ہزاروں کی تعداد میں نکلے۔ تو اللہ نے انہیں مرنے کا حکم دیا اور پھر زندہ کیا۔

اور مثلاً:۔ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ؕ

اس شخص کی طرح جو ایک بستی کے پاس سے گذرا جبکہ وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی۔

یہاں پر بھی وہی لوگ مستثنیٰ ہیں جنہیں نص صریح نے مخصوص کر دیا ہے۔ اسی طرح اللہ کا یہ فرمان بھی مستثنےٰ ہے۔ کہ:۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ

الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ط

اللہ تعالیٰ موت کے وقت روح قبض کر لیتا ہے۔ نیز ان روحوں کو قبض کر لیتا ہے۔ جو خواب میں ہوتی ہیں۔ اور مری نہیں ہوتی۔ لہٰذا جن کے مرنے کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ انہیں تو اللہ اپنے پاس روک لیتا ہے۔ اور دوسری روحوں کو ایک مدت تک چھوڑ دیتا ہے۔

لہٰذا نص قرآنی سے ثابت ہو گیا۔ کہ ان تمام باقی لوگوں کی روحیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ وقت مقررہ یعنی قیامت سے پہلے جسم میں لوٹائی نہیں جائیں گی۔

ابن حزم کی دوسری دلیل | اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔ کہ معراج کی رات انہوں نے ارواح کو پہلے آسمان پر دیکھا۔ کہ اہل سعادت کی روحیں حضرت آدمؑ کے دائیں جانب تھیں۔ اور شقی لوگوں کی روحیں بائیں جانب۔

تیسری دلیل | جنگ بدر میں کفار قریش کے جو لوگ قتل ہوئے تھے۔ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کیا۔ اور فرمایا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو سنا۔ حالانکہ وہ ابھی دفن بھی نہ کئے گئے تھے۔ اور جب صحابہ نے کہا کہ یہ تو مردار ہو چکے ہیں۔ تو آپ نے ان کی بات کا انکار بھی نہیں کیا۔ اور فرمایا کہ باوجود مردار ہونے کے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سن رہے ہیں۔ یہاں سے ثابت ہو گیا کہ یہ خطاب اور سماع بلا شک وشبہ ان کی ارواح کے لئے ہے۔ جسم کے لئے نہیں۔ کیونکہ اس میں حس ہی نہیں۔

چوتھی دلیل اللہ فرماتے ہیں:- مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ

(آپ مدفون لوگوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے)

اس آیت میں سماع کی نفی کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ مردے آپ کی بات نہیں سن سکتے اور قبروں میں اجسام ہی مدفون ہوتے ہیں۔ اور کسی مسلمان کو اس میں شک و شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے سماع کی نفی کی ہے۔ وہ اور چیز ہے۔ اور جس چیز کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سماع ثابت کیا ہے۔ وہ کچھ اور ہے[۵۱]

ابن حزم کی مراد یہ ہے۔ کہ سماع کی نفی کا تعلق اجسام کے ساتھ ہے۔ اور سماع کا ثبوت ارواح کے لئے ہے۔

پانچویں دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحیح حدیث میں منقول نہیں۔ کہ مردوں کی روحیں سوال کے وقت ان کے جسموں میں لوٹا دی جاتی ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہو جائے تو ہم مان جائیں گے۔ کہ سوال قبر کے وقت ارواح بدن میں لوٹا دی جاتی ہیں۔ قبروں کے اندر جسم میں روح کے لوٹائے جانے کے الفاظ کا اضافہ **منہال بن عمرو** کی روایت میں ہے۔ اور منہال قوی راوی نہیں ہے۔ **شعبہ** اور دیگر رواۃ نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ **مغیرہ بن مقسم الضبی**[۵۲] جو ایک بڑے امام ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ **منہال بن عمرو** کی گواہی مقبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ بیان ہو چکا۔ تمام صحیح احادیث منہال کے اس قول کے خلاف ہیں۔

چھٹی دلیل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی یہی ثابت ہے۔ کہ قبر میں ارواح جسموں میں لوٹائی نہیں جاتیں۔

ساتویں دلیل ابن عیینہ منصور بن صفیہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور منصور اپنی والدہ صفیہ بنت شیبہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ صفیہ نے بیان کیا کہ ابن عمر مسجد میں داخل ہوئے اور وہاں ابن زبیر کی نعش کو پڑا ہوا پایا۔ اسے ابھی دفن نہیں کیا گیا تھا کسی نے ابن عمر کو بتلایا۔ کہ یہ ابن زبیر کی والدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق ہیں۔ ابن عمر نے ان کے پاس جا کر تعزیت کی اور کہا:-

"اجسام تو کوئی چیز نہیں ہیں۔ اور روحیں تو اللہ کے پاس ہوتی ہیں۔"

اس پر اسماء نے جواب دیا۔ مجھے کونسی بات مانع ہے۔ جبکہ یحییٰ بن زکریا کا سر مبارک بنی اسرائیل کی ایک طائفہ کو بطور تحفہ پیش کیا گیا تھا[۵۳]

ابن حزم کے قول پر ابن قیم کی جرح ابن قیم فرماتے ہیں۔ ابن حزم نے جو کچھ کہا ہے۔ اس میں کچھ ٹھیک ہے اور کچھ غلط۔ ابن حزم کا یہ کہنا کہ جو شخص یہ خیال کرے کہ قبر میں مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔ وہ غلطی پر ہے" واضح نہیں ہے۔ اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے۔ کہ مردہ اسی طرح زندہ ہو جاتا ہے جس طرح دنیا میں تھا یعنی یہ کہ روح بدن کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ تو یہ خیال جیسا کہ ابن حزم نے کہا ہے۔ واقعی غلط خیال ہے۔ اور جیسا کہ نص صریح سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اسی طرح حس و عقل بھی اس کی تردید کرتے ہیں۔ مگر اگر ابن حزم کی مراد دنیاوی زندگی کے علاوہ کوئی اور زندگی ہو۔ اس طرح کہ روح بدن میں کسی اور طریقہ سے لوٹائی جاتی ہو۔ تاکہ میت کا قبر میں سوال و امتحان ہو سکے تو یہ خیال صحیح ہے اور اس کا انکار کرنے والا غلطی پر ہے۔ اس لئے یہ تو نص صریح سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فَتُعَادُ الرُّوْحُ فِیْ جَسَدِہٖ (روح اس کے بدن میں لوٹا دی جاتی ہے) اب رہی یہ بات کہ ابن حزم نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کا جواب

---

[۵۱] کتاب الروح: ۵۱ [۵۲] یہ کوفہ کے رہنے والے اور فقیہ تھے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ یہ پیدائشی نابینا تھے۔ انہوں نے ابراہیم نخعی اور عامر شعبی سے حدیث روایت کی۔ ۱۳۲ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۱۰: ۲۶۹ — ۲۷۰)

[۵۳] کتاب الروح: ۵۲ [۵۴] کتاب الروح: ۵۲ — ۵۳۔

آگے آئے گا۔

ابن حزم کے پہلے استدلال کا جواب

ابن قیم فرماتے ہیں۔کہ ابن حزم نے رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ (اے ہمارے پروردگار تو نے دو بار ہمیں مارا اور دو بار ہمیں زندہ کیا) سے استدلال کیا ہے۔مگر یہ آیت عارضی طور پر روح کے بدن میں لوٹائے جانے کے منافی نہیں۔جیسے کہ بنی اسرائیل کا وہ مقتول جسے اللہ نے قتل ہونے کے بعد زندہ کیا اور مار ڈالا۔اس لئے کہ صرف سوال کے لئے اس عارضی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ تو ایک لمحہ کے لئے زندہ ہوا اور اس نے صرف اتنا کہا کہ مجھے فلاں شخص نے قتل کیا ہے۔اس کے بعد پھر مر گیا۔مزید برآں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے مستقل زندگی پر دلالت نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے۔کہ بدن کے ساتھ روح کا تعلق ہے۔خواہ بدن بوسیدہ کیوں نہ ہو جائے۔تب بھی بدن کے ساتھ روح کا تعلق باقی رہتا ہے۔[1]

اس استدلال کا ابن حجر کی طرف سے جواب

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:۔سوال کے لئے قبر میں زندہ کئے جانے سے اس طرح کی زندگی مراد نہیں جیسے کہ ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں۔کہ روح بدن کو قائم کئے ہوئے ہے۔اس کی تدبیر کرتی ہے۔اور تصرف کرتی ہے اور اسے ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کی زندوں کو ہوتی ہے۔بلکہ یہ تو محض ایکبار لوٹنا ہوتا ہے۔تاکہ اس کی آزمائش ہو سکے جیسا کہ صحیح احادیث میں آیا ہے۔لہٰذا یہ صرف عارضی طور پر لوٹانا ہے جیسا کہ کئی ایک انبیاء کے لئے بہت سی مخلوق کو اس لئے زندہ کیا گیا تاکہ ان سے کچھ امور کے متعلق سوال کیا جائے۔(مثلاً قتیل بنی اسرائیل، اصحاب کہف، کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ وغیرہ) اور وہ پھر دوبارہ مر گئے۔لہٰذا جب ان کے متعلق یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ وہ تین بار زندہ ہوئے اور تین بار مرے۔اسی طرح یہاں بھی یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔[2]

بدن کے ساتھ روح کا تعلق پانچ قسم کا ہوتا ہے۔

ابن قیم فرماتے ہیں[3]۔کہ بدن کے ساتھ روح کا تعلق پانچ طرح ہوتا ہے۔

(۱) ماں کے پیٹ میں بچہ ہونے کی حالت میں روح اور بدن کا تعلق

(۲) پیدا ہونے کے بعد روح اور بدن کا تعلق۔

(۳) نیند کی حالت میں روح کا بدن سے تعلق۔اس وقت ایک لحاظ سے تو روح کا بدن سے تعلق ہوتا ہے۔اور ایک لحاظ سے نہیں ہوتا لیکن روح بدن سے جدا ہوتی ہے۔

(۴) برزخ میں روح کا بدن سے تعلق کیونکہ روح اگرچہ بدن سے جدا اور الگ ہو چکی ہوتی ہے۔مگر کلی طور پر منقطع نہیں ہوتا اس طرح کہ روح بدن کی طرف قطعاً توجہ ہی نہ کرے۔ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔کہ جب کوئی شخص میت کو سلام کرتا ہے۔تو اسکی روح اسکے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے مگر یہ لوٹایا جانا ایک خاص قسم کا ہے جس سے قیامت سے پہلے بدن کا زندہ ہونا لازم نہیں آتا۔

(۵) قیامت کے دن روح کا جسم سے تعلق۔بدن کے ساتھ روح کا یہ تعلق کامل ترین تعلق ہوگا۔پہلی چار قسموں کو اس تعلق کیساتھ کوئی نسبت ہی نہیں۔اس لئے کہ یہ ایسا تعلق ہوگا جس کے ہوتے ہوئے بدن کو نہ موت آئیگی۔نہ نیند اور نہ بدن خراب ہوگا۔

---

[1] کتاب الروح: ۵۲-۵۳ - [2] فتح الباری: ۳: ۱۸۷ [3] کتاب الروح - ۵۳

اب رہی یہ آیت :-

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۝

جس سے ابن حزم نے استدلال کیا ہے کہ روح دوبارہ بدن میں لوٹائی جائے گی غلط استدلال ہے اس لئے کہ یہ آیت روح کے بدن میں لوٹائے جانے کے منافی نہیں ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سوئے ہوئے انسان کی روح اس کے بدن میں ہوتی ہے۔ اور وہ زندہ بھی ہوتا ہے۔ مگر اس کی حیات بیدار آدمی کی حیات کی طرح نہیں ہوتی کیونکہ نیند اور موت دونوں بھائی بھائی ہیں یعنی ایک ہی قسم کے ہیں۔ لہٰذا جب میت کی روح بدن میں لوٹائی جائیگی۔ تو اس کی حالت بھی کچھ اس قسم کی ہوگی کہ نہ پوری طرح زندہ ہوگی اور نہ اس مردے کی طرح جس کی روح اسے لوٹائی نہ گئی ہو بعینہٖ اسی طرح سویا ہوا انسان زندہ اور مردہ کے بین بین ہوتا ہے ابن قیم فرماتے ہیں اس پر غور کرنے سے بہت سے اشکالات رفع ہو جائیں گے۔

ابن حزم کی دوسری دلیل کا جواب ابن حزم نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء کو دیکھنے کا ذکر ہے۔ حالانکہ یہ استدلال بھی درست نہیں۔ اسلئے کہ بعض محدثین کا خیال ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات انبیاء کی ارواح اور اجساد دونوں کو دیکھا تھا۔ کیونکہ انبیاء تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں چنانچہ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ کہ آپ بیت المعمور سے پیٹھ لگائے کھڑے ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کو دیکھ کر ان کا حلیہ اس طرح بیان فرمایا جس طرح اجسام کا بیان کیا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ آپ گندمی رنگ، چھریرے بدن اور لمبے قد کے ہیں۔ جس طرح (ازد) شنوءہ قوم کے لوگ ہیں۔ حضرت عیسیٰ کا حلیہ یوں بیان فرمایا :-

آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ حمام سے نکل کر آئے ہیں :

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھ کر فرمایا :-

ان کے اور میرے حلیے میں مشابہت پائی جاتی ہے۔

لیکن دوسرے محدثین نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان کی ارواح کو دیکھا تھا جسموں کو نہ دیکھا تھا۔ ان کے اجسام یقینی طور پر زمین کے اندر ہیں۔ قیامت کے دن اور جسموں کے ساتھ اٹھیں گے۔ اس سے پہلے نہ اٹھیں گے کیونکہ اگر پہلے اٹھیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی قبریں قیامت سے پہلے ہی شق ہو گئیں۔ اور یہ صور پھونکنے کے وقت پھر مریں گے۔ اس طرح تو تین موتیں ہو گئیں۔ حالانکہ یہ باطل ہے۔ اور اگر کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں کو اٹھا لیا ہے۔ اور یہ دوبارہ قبروں میں لوٹائے نہیں جائیںگے۔ اور وہ جنت میں ہیں۔ تو یہ بھی درست نہیں۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :-

جب تک میں جنت میں نہ جاؤں گا۔ کوئی نبی بھی جنت میں نہ جا سکیگا۔ سب سے پہلے میں ہی جنت میں جاؤں گا۔ اور سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی۔ اور میں ہی پہلے جنت کا دروازہ کھلواؤں گا ؎

یہ بھی یقینی طور پر معلوم ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک قبر میں تروتازہ ہے۔ اور جب صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کہ جب آپ کا جسد مبارک بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔ تو ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائیگا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:۔

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ

(اللہ تعالیٰ نے زمین کیلئے انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے)

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک قبر شریف میں نہ ہوتا۔ بلکہ جنت میں ہوتا۔ تو یہ الفاظ نہ فرماتے۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قبر پر فرشتے مقرر کر رکھے ہیں۔ جو آپؐ کو آپ کی امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں۔

یہ بھی حدیث میں آیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ آپؐ ابوبکر اور عمر کے درمیان چل رہے تھے تو فرمایا:۔

ہم قیامت کے دن اسی طرح اٹھیں گے۔

یہ سب کچھ جسم کے متعلق ہے۔ حالانکہ یہ قطعی طور پر معلوم ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ارواح انبیاء کے ساتھ اعلیٰ علیین میں رفیق اعلیٰ میں ہے۔

رفع اشکال | ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ روح کا معاملہ بدن کا سا نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دو متناسب اور ایک جیسی روحیں باوجود اس کے کہ ان میں ایک دوسرے سے بعد ہوتا ہے۔ پھر بھی آپس میں بہت قریب اور پاس ہوتی ہیں۔ اس کے برخلاف دو متنافر اور ایک دوسرے سے بغض رکھنے والی روحیں باوجود قریب ہونے کے ایک دوسرے سے دور ہوتی ہیں۔

نیز روح کا نیچے اترنا اور اوپر چڑھنا دیگر اشیاء کے قرب و بعد کی مانند نہیں ہے۔ اس لئے کہ روح ساتوں آسمانوں پر چڑھ بھی جاتی ہے۔ اور پھر اتنی قلیل مدت کے اندر کہ وہ کو قبر میں رکھا جائے پھر نیچے اتر آتی ہے۔ اور بدن اتنی قلیل مدت کے اندر یہ کام نہیں کر سکتا۔ یہی حال سوجانے اور بیدار ہونے کا ہے۔ کہ اس تھوڑے سے عرصہ میں روح اوپر بھی چڑھ جاتی ہے۔ اور نیچے بھی اتر آتی ہے[1]۔

روح کے اوپر چڑھنے اور نیچے اترنے کی مثال سورج کی کرنوں سے دی گئی ہے۔ کہ سورج تو آسمان میں ہوتا ہے۔ مگر اس کی کرنیں زمین پر ہوتی ہیں۔ مگر ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ روح کے نیچے اترنے اور اوپر چڑھنے کی مثال سورج اور اس کی کرنوں سے۔ دینا درست نہیں۔ اس لئے کہ سورج تو خود آسمان سے نیچے نہیں آتا۔ اور جو کرنیں زمین پر ہوتی ہیں۔ وہ سورج نہیں کہلاتیں۔ اور نہ ہی وہ سورج کی صفات میں سے ہیں۔ کرنیں تو ایک عرض ہیں۔ جو سورج اور اس کے بالمقابل جسم کیوجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے روح خود چڑھتی اور اترتی ہے[2]۔

ابن حزم کی تیسری دلیل کا جواب | ابن حزم نے مقتولین بدر کے متعلق صحابہؓ کے اس قول سے استدلال کیا ہے:۔

كَيْفَ تُخَاطِبُ أَقْوَامًا قَدْ جُيِّفُوْا۔ (آپ مردہ لوگوں سے کیسے خطاب فرما رہے ہیں)

ع حجاج بن یوسف ثقفی نے لوگوں کو روضۂ اطہر کا طواف کرتے دیکھا تو کہا:۔ إِنَّمَا يَطُوْفُوْنَ بِأَعْوَادٍ وَرِمَّةٍ۔ یہ لوگ لکڑیوں اور بوسیدہ ہڈیوں کا طواف کر رہے ہیں۔ اس سے اس کی مراد یہ تھی۔ کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک بوسیدہ ہو چکا ہے حجاج کے اسی الفاظ پر علماء وقت نے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ (۱ے کتاب الروح: ۵۴ ۲ے کتاب الروح: ۵۵)

حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ ہی یہ فرما دیا تھا۔ کہ وہ آپؐ کا کلام سنتے ہیں۔

اس سے بھی تو اس بات کی نفی نہیں ہوتی۔ کہ اس وقت ان کی روحیں ان کے جسموں میں اس طرح لوٹا دی گئی ہوں۔ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سن سکیں۔ حالانکہ جسم مُردار ہو چکے ہیں کیونکہ یہاں خطاب ان روحوں کو کیا گیا تھا جن کا تعلق ان مردار بدنوں کے ساتھ قائم تھا۔

چوتھی دلیل کا جواب | ابن حزم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان :-

وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (آپ قبر میں دفن شدہ لوگوں کو نہیں سنا سکتے۔)

سے استدلال کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ آیت کا سیاق و سباق یہ بتاتا ہے۔ کہ یہاں مراد اس مردہ دل کافر سے ہے۔ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کلام اس طرح نہ سنا سکتے تھے۔ کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے جس طرح اہلِ قبور کو کوئی بھی اس طرح بات سنا نہیں سکتا۔ کہ مردہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ اللہ تعالیٰ کی اس سے یہ مراد نہیں۔ کہ مُردے قطعی طور پر کچھ سنتے ہی نہیں ہیں۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتلایا ہے۔ کہ مُردہ جنازہ کے ساتھ آنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اور یہ بتلایا ہے۔ کہ مقتولین بدر نے آپؐ کا یہ کلام سُنا۔ مزید برآں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مردوں کو بعینہٖ اسی طرح سلام کہنے کا حکم دیا ہے۔ جس طرح حاضر اور زندہ انسان کو کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ جب کوئی تم میں سے اپنے مومن مردہ بھائی کو سلام کہتا ہے۔ تو وہ اس کا جواب دیتا ہے[1]۔

اس آیت کا وہی مفہوم ہے۔ جو

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ۝

کا ہے۔ البتہ یوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ بہرے کو کوئی بات نہ سنا سکنا۔ اور ساتھ ہی اس بات کی بھی نفی کرنا۔ کہ ہم مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ یہ امر اس بات پر دال ہے۔ کہ ان دونوں میں سننے کی اہلیت نہیں پائی جاتی۔ نیز یہ کہ چونکہ ان کے دل مردہ اور بہرے ہیں۔ لہٰذا ان کو کوئی بات سنانا اسی طرح ہے جس طرح کسی مردہ یا بہرے کو سنانا اور یہ کہنا درست ہے مگر اس سے موت کے بعد انہیں توبیخ و تقریع کے طور پر کسی بات کے سنانے کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ بدن کے ساتھ روح کا تعلق کسی نہ کسی وقت ضرور رہتا ہے۔ لہٰذا یہ اور صورت ہے۔ اور جس کی نفی کی گئی ہے۔ اور صورت ہے۔ اس آیت کے اصل معنی یہ ہیں۔ کہ جنہیں اللہ تعالیٰ سنانا نہیں چاہتا آپؐ انہیں نہیں سنا سکتے۔ آپؐ تو صرف نذیر ہیں۔ اللہ نے آپ کو انذار (ڈرانے) کی قدرت دی ہے۔ اور اسی کے آپ مکلف بھی ہیں۔ نہ کہ ان لوگوں کو سنا لینے کے جنہیں اللہ تعالیٰ سنانا نہیں چاہتا[2]۔

پانچویں دلیل | ابن حزم کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اسے اکیلے منہال بن عمرو نے روایت کیا ہے۔ لہٰذا یہ خبرِ واحد بھی

[1] کتاب الروح : ۵۵، ۲۵۵ کت لب الروح :- ۵۵ — ۵۶ - آگے چل کر سماعِ موتیٰ کے باب میں اس آیت پر پھر بحث ہوگی ۔

مزید یہ کہ منہال قوی نہیں۔

ابن قیم فرماتے ہیں۔ کہ یہ محض قیاس آرائی ہے۔ اس حدیث کی صحت میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ زاذان[1] کے علاوہ اوروں نے بھی اس حدیث کو براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔ مثلاً عدی بن زید، محمد بن عقبہ اور مجاہد نے

چنانچہ حافظ عبداللہ بن مندہ (ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ بن مندہ م ۳۰۱ھ) نے کتاب الرُّوح والنفس" میں اس حدیث کی اس سند سے روایت کی ہے۔

محمد بن یعقوب بن یوسف ثنا محمد بن اسحٰق الصفار انا ابو النضر بن ہاشم القاسم حدثنا عیسٰی بن المسیب عن عدی بن ثابت عن براء بن عازب

کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں نکلے۔ مگر چونکہ ابھی قبر کھدی نہ تھی۔ اس لئے آپ بیٹھ گئے۔ ہم پہ کامل خاموشی طاری تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا:۔

"جب مومن کا دنیا میں آخری وقت آجاتا ہے۔ اور ملک الموت اس کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ تو فرشتے جنت سے کفن اور کستوری لیکر آتے ہیں۔ اور اس سے اتنی دور بیٹھ جاتے ہیں۔ جہاں سے ان پر اس کی نظر پڑ سکے۔ ملک الموت آکر مرنے والے کے سر کی طرف بیٹھ جاتا ہے۔ اور کہتا ہے:۔ اے نفس مطمئنہ نکل اور اللہ کی رحمت اور رضامندی کی طرف چلی آ۔ اس پر اس کی رُوح اس طرح آسانی سے نکل آتی ہے۔ جس طرح مشکیزہ سے قطرہ ٹپکتا ہے۔ جب رُوح نکل جاتی ہے تو جن وانس کے سوا تمام مخلوق اس پر رحمت بھیجتی ہے۔ اس کے بعد فرشتے اس کو لیکر آسمان کی طرف بڑھ جاتے ہیں۔ آسمان کے دروازے اس کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور وہاں کے مقرب فرشتے اسے دوسرے آسمان تک چھوڑنے جاتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے آسمان پر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ عرش تک پہنچ جاتی ہے۔ یہاں اس کا نام علیین میں لکھا جاتا ہے۔ اور بارگاہِ ربّ العزت سے حکم ہوتا ہے کہ میرے بندے کو اسکی لبستر گاہ کی طرف لوٹا دو کیونکہ میرا ان سے وعدہ ہے۔ کہ میں نے انہیں مٹی سے پیدا کیا مٹی میں انہیں لوٹاؤں گا۔ اور اسی میں سے دوبارہ نکالوں گا۔ اس پر اسے قبر میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ اور منکر اور نکیر اس کے پاس اپنے دانتوں سے زمین کو چیرتے ہوئے اور ناخنوں سے کریدتے ہوئے آتے ہیں۔ پھر میت کو بٹھا دیتے ہیں۔ اور یوں سوال وجواب ہوتا ہے۔

نکیرین:۔ تمہارا رب کون ہے؟

میّت:۔ میرا رب اللہ ہے

فرشتے اس کی تائید میں کہتے ہیں کہ تو صحیح کہتا ہے۔

نکیرین:۔ تمہارا دین کونسا ہے؟

---

[1] تابعی ہیں۔ وفات ۸۳ھ [2] اسی طرح کی ایک روایت سیوطی (شرح الصدور : ۸۰) نے دی ہے۔ اخرج جویبر فی تفسیرہ عن الضحاک عن ابن عباس الخ۔ [3] کتاب الروح میں اصل عبارت یوں دی ہے۔ یفحصان الارض باشعارھما معلوم ہوتا ہے۔ اشعادھما کا لفظ طباعت کی اغلاط میں سے ہے میں نے اسکا بلظفارھما پڑھکر ترجمہ کیا ہے [4] کتاب الرّوح : ۵۶ – ۵۷،

میت:- میرا دین اسلام ہے،

فرشتے پھر اس کی تائید کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے،

نکیرین:- تمہارا نبی کون ہے؟

میت:- میرا نبی محمد رسول اللہ ہیں۔

فرشتے پھر کہتے ہیں۔ کہ تو نے سچ کہا۔

اس کے بعد اس کی قبر کو اسقدر فراخ کر دیا جاتا ہے، جسقدر کہ نظر کی حد ہے، اور اس کے پاس خوبصورت، خوشبو میں مہکتا ہوا اور عمدہ لباس پہنے ایک شخص آتا ہے، اور کہتا ہے، خدا تجھے نیک جزا دے، خدا کی قسم مجھے علم ہے۔ کہ تو عبادت گذاری میں چست اور معصیت کاری میں سست تھا، میت کہتی ہے۔ خدا تجھے بھی جزائے خیر دے۔ تو کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے، کہ میں تیرا نیک عمل[عہ] ہوں، اسکے بعد میت کے لئے ...... جنت کیطرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اور وہاں سے وہ اپنی منزل اور مقام کو قیامت تک دیکھتا رہتا ہے[لہ]،

اور جب کافر کا مرنے کا وقت آتا ہے، تو ملک الموت اس کے پاس آتا ہے، اور فرشتے دوزخ سے کفن اور دوزخ کی بو لیکر آتے ہیں۔ اور وہ اس سے اتنی دور بیٹھ جاتے ہیں جتنی دور اس کی نگاہ پہنچ سکتی ہے، ملک الموت اس کے سر کے پاس بیٹھتا ہے، اور کہتا ہے، اے خبیث روح نکل اور اللہ کے غضب اور ناراضگی کیطرف چلی آ۔ مگر روح نکلنا نہیں چاہتی، اور بدن میں پھیل جاتی ہے، کیونکہ اُسے خوفناک مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ فرشتے اسکی روح کو اس کے بدن سے اس طرح جبراً نکالتے ہیں جس طرح بھیگی ہوئی صوف میں سے سیخ نکالی جاتی ہے، جب بدن سے روح نکل آتی ہے، تو جن و انس کے سوا آسمان و زمین کو تمام مخلوقات اس پر لعنت بھیجتی ہے، اور فرشتے اُسے لیکر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ مگر وہ آسمان کے دروازوں کو بند پاتے ہیں بارگاہ ربّ العزت سے حکم ہوتا ہے، کہ میرے بندے کو اس کے لیٹنے کی جگہ کی طرف لوٹا دو، کیونکہ میرا ان سے وعدہ ہے، کہ میں نے مٹی سے انہیں پیدا کیا، مٹی ہی میں انہیں لوٹاؤں گا، اور اسی میں سے پھر نکالوں گا۔ تب اس کی روح کو اس کے لیٹنے کی جگہ کیطرف لوٹا دیا جاتا ہے، اس کے بعد منکر و نکیر اس کے پاس زمین کو دانتوں سے چیرتے اور ناخنوں[عہ] سے کریدتے ہوئے آتے ہیں۔ ان کی آواز کڑک کی طرح، اور ان کی آنکھیں اچک لینے والی بجلی کی طرح ہوتی ہیں، نکیرین اسے اٹھاتے ہیں، اور سوال کرتے ہیں،

نکیرین:- تمہارا رب کون ہے،

میت:- مجھے معلوم نہیں۔

اس پر ایک طرف سے آواز آتی ہے، ہاں تجھے معلوم نہ تھا، اور فرشتے اسے لوہے کے گرز مارتے ہیں، یہ گرز اس قدر بڑے ہوتے ہیں، کہ اگر مشرق اور مغرب کے لوگ جمع ہو جائیں، تو بھی نہ اٹھا سکیں، اور اس کی قبر اسقدر تنگ ہو جاتی ہے، کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے کے اندر دھنس جاتی ہیں، اس کے پاس ایک قبیح منظر قبیح کپڑے پہنے ایک نہایت بدبودار انسان

عہ علماء کی اصطلاح میں اسے تجسّدِ اعمال کہتے ہیں۔ عہ یہاں بھی اصل کتاب میں یخصمان الارض باشعارھما کی بجائے باظفارھما پڑھ کر ترجمہ کیا ہے۔ لہ کتاب الروح: ۵۷

آتا ہے اور کہتا ہے: - خدا تجھے بُری جزا دے، اللہ کی قسم میں نے تجھے نیکی میں سست اور بدی میں چُست ہی دیکھا ہے، میّت اسے پوچھتی ہے، تو کون ہے، اور وہ جواب دیتا ہے، کہ میں تیرا عمل بد ہوں، اس کے بعد اس کے لئے دوزخ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، جہاں سے وہ اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے، اور قیامت تک دیکھتا رہتا ہے[1]،

اس حدیث کو امام احمد، محمود بن غیلان، وغیرہ نے ابوالنضر سے روایت کیا ہے، آپ نے دیکھ لیا ہوگا، کہ اس حدیث میں واضح طور پر دیا ہے، کہ ارواح قبروں میں لوٹائی جاتی ہیں، اور فرشتے میت کو اٹھاتے ہیں، اور اس سے باتیں کرتے ہیں[1]

اس حدیث کی ایک اور طریق سے روایت | اس کے بعد ابن مندہ نے اسے محمد بن مسلمہ عن خصیف الجرزی عن مجاہد عن البراء بن عازب کی سند سے روایت کیا ہے، کہ ہم ایک انصاری کے جنازہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، جب قبرستان پہنچے تو قبر ابھی کھُدی ہوئی نہ تھی، لہذا جنازہ کو رکھ دیا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے، اور فرمایا جب مومن کی وفات کا وقت آتا ہے، تو ملک الموت اسکے پاس نہایت عمدہ صورت میں خوشبو میں مہکتا ہوا آتا ہے، اور اسکی روح قبض کرنے کے لئے بیٹھ جاتا ہے، اس کے پاس دو فرشتے جنت کی خوشبو اور کفن لے کر آتے ہیں، اور اس سے دور ہو کر بیٹھ جاتے ہیں، ملک الموت اس کی روح کو آرام سے نکال لیتا ہے، اور جونہی کہ وہ روح ملک الموت کے پاس آتی ہے، یہ دو فرشتے اسے لیکر خوشبو لگاتے ہیں، اور جنت کے کفن میں کفنا کر جنت کو لیجاتے ہیں، اسکے لئے آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، اور اس کے آنے سے فرشتوں کو خوشی ہوتی ہے، اور وہ دریافت کرتے ہیں کہ یہ پاک روح جس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے ہیں، کس کی روح ہے، فرشتے ان بہترین ناموں سے اس کا نام لیتے ہیں، جن سے دنیا میں اسے پکارا جاتا تھا، اور کہتے ہیں کہ یہ فلاں کی روح ہے، جب یہ روح آسمان پر پہنچتی ہے، تو ہر آسمان کے مقرب فرشتے اسے دوسرے آسمان تک چھوڑتے جاتے ہیں، تا آنکہ اسے عرش کے پاس اللہ کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے، اس کا اعمالنامہ علیین سے نکالا جاتا ہے، اور اللہ اپنے مقرب فرشتوں کو کہتا ہے، تم گواہ رہنا میں نے اس عمل والے کو معاف کر دیا اس کے اعمالنامے پر مہر ثبت کر کے اسے علیین میں لوٹا دیا جاتا ہے، اور اللہ تعالے فرماتا ہے، میرے بندے کی روح کو زمین کی طرف لوٹا دو، اس لئے کہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے، کہ میں انہیں اسی زمین میں لوٹا دوں گا۔ یہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ

ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور ایک بار پھر اسی سے تمہیں نکالیں گے۔

جب مومن کو قبر میں رکھا جاتا ہے، تو پاؤں کی جانب جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اور اسے کہا جاتا ہے، دیکھ لو یہ نوید ہے، جو اللہ نے تمہارے لئے تیار کر رکھا ہے، اور سر کی طرف سے دوزخ کا دروازہ کھولا جاتا ہے، اور اسے کہا جاتا ہے، کہ جو عذاب اللہ نے تجھ سے دور کیا ہے، اسے بھی دیکھ لو، اس کے بعد اسے کہا جاتا ہے، کہ بڑے مزے سے سو جا۔ اس وقت اسکی صرف یہی خواہش ہوتی ہے کہ قیامت قائم ہو جائے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن کو زمین پر رکھا جاتا ہے، تو زمین کہتی ہے، جب تو میری پشت پر چلا

---

[1] کتاب الروح : ۵۷،

کرتا تھا مجھے محبوب تھا۔ اور اب تو میرے پیٹ میں آگیا ہے۔ اب کیوں نہ تجھ سے محبت کروں۔ میں ابھی بتاتی ہوں کہ تجھ سے کیا برتاؤ کروں گی، اس پر اس کی قبر اسقدر وسیع ہوجاتی ہے جس قدر کہ نظر کی حد۔

آنحضرت صلی اللہ نے فرمایا:- جب کافر کو قبر میں ڈال دیا جاتا ہے، تو منکر و نکیر آکر اسے بٹھاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں:- تمہارا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے:- میں نہیں جانتا۔ فرشتے کہتے ہیں۔ تو نہ جانتا تھا؟ اور ایسی چوٹ لگاتے ہیں، کہ وہ ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد اسے پھر اپنی حالت میں لوٹایا جاتا ہے، اور بٹھا کر پوچھا جاتا ہے، کہ اس آدمی کے متعلق تو کیا کہتا ہے، وہ جواب میں کہتا ہے:- کونسا آدمی؟ فرشتے کہتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم، بہت کہتی ہے۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد فرشتے اسے اتنا مارتے ہیں۔ کہ وہ راکھ ہوجاتا ہے[1]۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد ابن قیم کہتے ہیں۔ کہ یہ ایک مشہور اور عام حدیث ہے، جسے حفاظ کی ایک جماعت نے صحیح قرار دیا ہے، اور ہمیں معلوم نہیں کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس پر جرح کی ہو۔ بلکہ ائمہ حدیث نے اس کی روایت اپنی کتابوں میں کی ہے، اور اسے مقبول قرار دیا ہے، اور عذاب قبر، قبر کی نعمتوں، نکیرین کے سوال و جواب، روحوں کے قبض ہونے، ان کے اللہ کے پاس چڑھ جانے اور پھر قبر میں لوٹائے جانے کے بارے میں اس حدیث کو اصل اصول قرار دیا گیا ہے[2]،

ابو محمد بن حزم کا یہ کہنا کہ اس حدیث کی روایت صرف زاذان نے کی ہے، اس کا وہم ہے، حالانکہ زاذان کے علاوہ اوروں نے بھی اس حدیث کی روایت براء بن عازب سے کی ہے۔ چنانچہ براء بن عازب سے اس کی روایت، عدی ابن ثابت، مجاہد بن جبیر اور محمد بن عقبہ وغیرہ نے کی ہے،

دارقطنی نے تو اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس میں اس نے اس حدیث کے تمام طریقے جمع کردئے ہیں۔ مزید برآں زاذان ثقہ ہے، اس نے اکابر صحابہ مثلاً حضرت عمر وغیرہ سے روایت کی ہے، مسلم نے اپنی صحیح میں اس کی روایات دی ہیں، یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہے، ابن عدی کہتے ہیں کہ جب یہ ثقہ سے روایت کرے تو اس کی احادیث کی روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں[3]۔

منہال کی تعدیل | ابن حزم کا یہ کہنا کہ اکیلے منہال نے ان زائد الفاظ یعنی نتعاد روحہ فی جسدہ کا اضافہ کیا ہے، نیز یہ کہ منہال ضعیف ہے، اس کا جواب یہ ہے، کہ منہال ثقہ اور عادل ہے، چنانچہ ابن معین کہتے ہیں کہ منہال ثقہ ہے۔

---

[1] کتاب الروح، ۵۷-۵۸ سیوطی نے اس کی روایت متعدد طریقوں سے کی ہے چنانچہ کہتے ہیں:- اخرج الشیخان عن انس (شرح الصدور: ۷۰) واخرج احمد وابوداؤد فی سننہ والبیہقی فی عذاب القبر وابن مردویہ عن انس (شرح الصدور ۷۷) اخرج احمد والطبرانی فی الاوسط والبیہقی وابن ابی الدنیا من طریق ابی الزبیر انہ سأل جابر بن عبد اللہ (شرح الصدور ۷۷) [2] کتاب الروح :- ۵۹ [3] کتاب الروح: ۵۹- ابن حجر تہذیب التہذیب میں کہتے ہیں ابو عبد اللہ زاذان کوفی ہیں، کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت عمر نے جابیہ میں ۱۶ھ میں جب خطبہ دیا۔ تو یہ وہاں موجود تھے، انہوں نے حضرت علی، ابن مسعود، سلمان، حذیفہ اور ابوہریرہ وغیرہم سے روایت کی اور ان سے منہال بن عمرو، ابو الیقظان عثمان بن عمیر وغیرہ نے ان کی وفات ۸۲ھ میں ہوئی، (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲ پر)

عجلی کہتے ہیں کہ منہال کوفی ہے اور ثقہ ہے،

زیادہ سے زیادہ جو بات اس کے خلاف کہی گئی ہے، یہ ہے، کہ اس کے گھر سے گانے کی آواز سنائی دی گئی۔ مگر اتنی بات سے تو اس کی روایت میں کوئی برائی لازم نہیں آتی۔ اور نہ ہی اس وجہ سے اس کی حدیث کو ترک کیا جاسکتا ہے، ابن حزم کا اسے ضعیف قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ اس نے اسے ضعیف قرار دینے کی صرف یہ وجہ بتائی ہے۔ کہ منہال اکیلا شخص ہے جس نے فَتُعَادُ رُوْحُہٗ فِیْ جَسَدِہٖ کے الفاظ کی روایت کی ہے، حالانکہ ہم بیان کر چکے ہیں، کہ منہال ان الفاظ کی روایت کرنے میں اکیلا شخص نہیں ہے، اوروں نے بھی ان الفاظ کی روایت کی ہے، بلکہ اوروں نے تو اس سے بھی زیادہ واضح یا کم از کم اس جیسے الفاظ کی روایت کی ہے، مثلاً یہ کہ فَتُرَدُّ اِلَیْہِ رُوْحُہٗ یا یہ روایت کہ فَتُصِیْرُ اِلٰی قَبْرِہٖ فَیَسْتَوِیْ جَالِسًا یا یہ کہ فَیُجْلِسَانِہٖ۔ یا یہ کہ فَیَجْلِسُ فِیْ قَبْرِہٖ اور یہ تمام احادیث صحیح ہیں، ان میں کوئی عیب نہیں پایا جاتا۔

زاذان پر ایک اور اعتراض اور اس کا جواب | زاذان کی حدیث کو قبول نہ کرنے اور اسے معلول سمجھنے کی ایک اور وجہ بیان کی جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ زاذان نے حضرت براء بن عازب سے حدیث نہیں سنی۔ حالانکہ یہ اعتراض بھی غلط ہے، کیونکہ ابو عوانہ اسفرائنی اپنی صحیح میں اپنی سند سے اس حدیث کی روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں، عن ابی عمر زاذان الکندی قال سمعت البراء ابن عازب، مزید برآں حافظ ابو عبداللہ بن مندہ کہتے ہیں، کہ یہ اسناد متصل اور مشہور ہے، کثیر التعداد لوگوں نے اسے براء سے روایت کیا ہے،

دیگر روایات سے منہال کی تائید | اگر بالفرض ہم براء کی حدیث کو چھوڑ بھی دیں، تب بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی صحیح احادیث میں بدن میں روح کے لوٹائے جانے کا صراحۃً ذکر موجود ہے، مثلاً اس حدیث میں:-

(بقیہ حاشیہ ص۷۱)، شعبہ کہتے ہیں، میں نے حکم سے کہا کیا بات ہے، کہ تو نے زاذان سے حدیث نہیں سنا، اس نے جواب دیا:- یہ بہت باتیں کرتے ہیں، ابن حبیبہ نے ابن معین سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ثقہ ہیں، ایسے آدمی کے متعلق بھلا کیا پوچھنا! ابن حبان کہتے ہیں، کہ اکثر غلطی کھا جاتے تھے (تہذیب التہذیب ۳: ۳۰۲-۳۰۳)

[1] منہال بن عمرو اسدی۔ یہ بنی اسد کے آزاد کردہ غلام تھے۔ شعبہ نے انہیں عمداً ترک کر دیا تھا۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں۔ کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے منہال کے گھر سے گانے کے طرز میں قرآن کی قرأت کی آواز سنی تھی، ابن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ وہب بن جریر شعبہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں منہال کے گھر گیا۔ تو مجھے طنبور کی آواز سنائی دی۔ لہٰذا میں واپس چلا آیا۔ مگر ان سے اس کی وجہ نہ پوچھی، میں نے کہا آپ نے پوچھ لیا ہوتا۔ ہو سکتا ہے، کہ انہیں اس کا علم نہ ہو، دارقطنی اسے صَدُوق کہتے ہیں، اب رہا یہ اعتراض کہ منہال کی گواہی مقبول نہ تھی، تو اس کے متعلق فرماتے ہیں، کہ اس قول کا راوی محمد بن عمر حنفی خود ایسا انسان ہے جس میں غور کرنے کی ضرورت ہے، مزید تحقیق کیلئے دیکھیں تہذیب التہذیب: ۱۰: ۳۱۹ تا ۳۲۱،

ابن ابی ذئب عن محمد بن عمرو بن عطاء عن سعید بن یسار عن ابی ھریرۃ

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا، کہ میت کے پاس فرشتے آتے ہیں، اگر نیک ہوتی ہے، تو فرشتے کہتے ہیں، اے پاک جسم میں پاک روح تو قابل تعریف ہے، نکل آ، تمہیں بشارت ہو کہ تمہارا رب تم سے ناراض نہیں ہے، اور تمہیں آرام و راحت نصیب ہوگی، فرشتے ان الفاظ کو دہراتے رہتے ہیں، تا آنکہ اس کی روح نکل آتی ہے، اس کے بعد اسے آسمان پہ لے جاتے ہیں ملائکہ دریافت کرتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ جواب میں کہا جاتا ہے، کہ فلاں، اس پر آسمان کے فرشتے کہتے ہیں، مرحبا، اے پاک جسم میں پاک روح آجا۔ تمہیں آرام و راحت کی بشارت ہو، اور اس بات کی بشارت ہو، کہ تمہارا رب تم پہ ناراض نہیں ہے، اسے ہر آسمان پر یہی الفاظ کہے جاتے ہیں، تا آنکہ اس کی روح کو اللہ کے سامنے لے جایا جاتا ہے،

اور اگر مرنے والا شخص برا یا کافر ہوتا ہے، تو فرشتے کہتے ہیں۔ اے خبیث جسم میں خبیث روح نکل آ، تجھے گرم پانی پیپ اور اسی قسم کی اور چیزوں کی خوشخبری دی جاتی ہے، فرشتے یہی الفاظ دہراتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی روح نکل آتی ہے پھر فرشتے اس روح کو لے کر آسمان پر جاتے ہیں، اور آسمان کے دروازے کھلواتے ہیں، فرشتے دریافت کرتے ہیں کہ یہ کون ہے، جواب ملتا ہے کہ فلاں ہے، اس پر فرشتے کہتے ہیں، تف ہے تم پر اے بری روح جو برے جسم میں تھی، واپس جاؤ، تمہارے لئے آسمان کے دروازے ہرگز کھولے نہ جائیں گے۔ پھر اسے واپس کر دیا جاتا ہے، اور وہ قبر میں چلی جاتی ہے،

اب نیک آدمی تو بغیر گھبراہٹ اور بغیر رکاوٹ کے قبر میں بیٹھ جاتا ہے، اور اس سے سوال ہوتا ہے، کہ تیری اسلام کے بارے میں کیا رائے ہے، اور یہ کون شخص ہے؟ نیک آدمی کہتا ہے، کہ یہ محمد رسول اللہ ہیں۔ جو ہمارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلائل لے کر آئے، ہم آپ پر ایمان لے آئے، اور آپ کی تصدیق کی، اس کے بعد باقی تمام حدیث بیان کی ہے[1]،

حافظ ابونعیم فرماتے ہیں، کہ اس حدیث کے ناقلین کے عادل ہونے پر سب کا اتفاق ہے چنانچہ امام محمد بن اسماعیل بخاری اور امام مسلم بن حجاج دونوں کا علی بن ابی ذئب، محمد بن عمرو بن عطاء اور سعید بن یسار پر اتفاق ہے، اور یہ لوگ شیخین کی شرط پر پورے اترتے ہیں، مزید براں متقدمین کبار مثلاً ابن ابی فدیک اور عبدالرحیم بن ابراہیم نے اس حدیث کو ابن ابی ذئب سے روایت کیا ہے، انتہی، نیز یہ کہ ایک سے زائد لوگوں نے اس حدیث کی روایت ابن ابی ذئب سے کی ہے[2]،

ایک اور حدیث | حافظ ابوعبداللہ بن مندہ نے روح کے بدن میں لوٹائے جانے کے استدلال میں ایک اور حدیث پیش کی ہے، حدیث کی سند یوں ہے:۔

حدثنا محمد بن الحسین بن الحسن ثنا محمد بن یزید النیشاپوری ثنا حماد بن قیراط ثنا محمد بن الفضل عن یزید بن عبد الرحمٰن الصائغ البلخی عن الضحاک بن مزاحم عن ابن عباس

کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ نے یہ آیت پڑھی[3]

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ الآیۃ۔

---

[1] کتاب الروح : ۵۹ - ۶۰ [2] کتاب الروح : ۶۰

[3] کتاب الروح : ۶۰، بخاری مع فتح الباری : ۳ : ۱۴۹ - ۱۸۰ : یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے،

(جب کفار کا جان کندن کا وقت آجائے اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں، تو اگر تو انہیں اس حالت میں دیکھ لے (تو تمہاری کیا حالت ہوگی)

اور فرمایا:- قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے، جو نفس بھی ہے، وہ دنیا سے چلے جانے سے پہلے اپنی جگہ دیکھ لیتا ہے، خواہ جنت میں ہو خواہ دوزخ میں، پھر فرمایا:- جب یہ وقت آجاتا ہے، تو ملائکہ کی دو صفیں لگ جاتی ہیں جو مشرق و مغرب کے درمیان منظم ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کے چہرے سورج کی طرح چمکتے ہیں، مرنے والا ان کی طرف دیکھتا ہے، وہ ان کے سوا کسی اور کو نہیں دیکھ سکتا۔ حالانکہ تمہیں یوں دکھائی دیتا ہے، کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہا ہے[۱] ان میں سے ہر ایک کے پاس کفن اور خوشبو ہوتی ہے، اگر مرنے والا مومن ہو تو وہ اسے جنت کی بشارت دیتے ہیں، اور کہتے ہیں، اے پاک روح اللہ کی رضامندی اور جنت کی طرف نکل آ، اللہ نے تمہارے لئے اسقدر انعامات تیار کر رکھے ہیں، جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں، یہ فرشتے اسی طرح بشارت دیتے جاتے ہیں، اور اسے اپنے گھیرے میں لئے رکھتے ہیں، اور وہ اس پر والدہ سے بھی زیادہ مہربان ہوتے ہیں، اس کے بعد وہ اس کی روح کو ہر عضو اور ہر ناخن کے نیچے سے کھینچ کر نکال لیتے ہیں، اعضاء ایک ایک کر کے مردہ ہوتے جاتے ہیں، موت اس کے لئے آسان ہوتی ہے، حالانکہ تمہیں یہ سخت دکھائی دیتی ہے، یہاں تک کہ روح ٹھوڑی تک پہنچ جاتی ہے، فرمایا:- اس وقت روح جسم سے نکلنے کو اس سے بھی زیادہ ناپسند کرتی ہے جس طرح کہ ایک بچہ رحم سے نکلنے کو ناپسند کرتا ہے، ہر فرشتہ کی یہی خواہش ہوتی ہے، کہ وہ اسے لپک کر لے، مگر ملک الموت روح کو قبض کرتا ہے، یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:-

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ○

اے نبی! آپ انہیں بتا دیں کہ موت کا جو فرشتہ تم پر مقرر کیا گیا ہے، وہی تمہاری جان قبض کرتا ہے، پھر تمہیں اللہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے،

ملک الموت اسے سفید کفن میں لے لیتا ہے، اور اسے اپنی گود میں لیکر اس طرح اپنے ساتھ لگاتا ہے، کہ والدہ بھی اپنے نوزائیدہ بچے کو نہیں لگاتی، پھر اس میں سے کستوری سے بھی زیادہ عمدہ خوشبو مہکتی ہے، فرشتے اسے سونگھتے اور اپنا جسم اس کے ساتھ لگاتے ہیں، اور اس روح طیب اور جسم طیب کو مرحبا کہتے ہیں، اور خدا سے دعا کرتے ہیں، کہ اس روح اور جسم پر رحمت بھیج جس سے یہ نکلی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ پھر فرشتے اسے لیکر اوپر چڑھ جاتے ہیں، جو اللہ کی لاتعداد مخلوق ہوتی ہے، وہ اس خوشبو کو سونگھ کر اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں، اپنا جسم اس کے ساتھ لگاتے ہیں۔ اور آسمان کے دروازے ان کے لئے کھول دئے جاتے ہیں، ہر آسمان کے فرشتے اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں یہاں تک کہ اسے رب العزت کے سامنے لے جایا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پاک روح اور اس پاک جسم کو جس میں سے یہ نکلی ہوتی ہے، مرحبا کہتے ہیں، اور

---

[۱] کتاب الروح: ۶۱ پر یہ عبارت یوں دی ہے، وَاِنْ کُنْتُمْ تَرَوْنَ اَنَّهُمْ مُنْتَظِرٌ وَّلٰکِنْ اِلَیْکُمْ اور یہ طباعت کی غلطی ہے صحیح یوں ہے، وَاِنْ کُنْتُمْ تَرَوْنَ اَنَّمَا یَنْظُرُ اِلَیْکُمْ اور میں نے اسی طرح ترجمہ کیا ہے،

جب خود اللہ تعالیٰ کسی کو مرحبا کہیں تو ہر چیز اسے مرحبا کہتی ہے، اور ہر طرح کی تنگی اس سے دور ہو جاتی ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ پاک روح کو جنت میں لے جاؤ، اور وہاں اسے اس کی جگہ دکھا دو، اور جو عزت و انعامات میں نے اس کے لئے تیار کر رکھے ہیں، اسے دکھا دو، اسکے بعد اسے زمین کی طرف لے جاؤ۔ کیونکہ میں نے فیصلہ کر رکھا ہے، کہ میں نے انہیں اسی میں پیدا کیا ہے اسی میں انہیں لوٹاؤں گا۔ اور اسی میں سے دوبارہ نکالوں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، کہ یہ جنت میں سے نکلنے کو اسقدر برا مناتی ہے۔ کہ اس نے بدن سے نکلتے وقت اسقدر برا نہ منایا تھا۔ اور کہتی ہے مجھے کہاں لے جا رہے ہو کیا اسی جسم کیطرف لیجا رہے ہو جس میں میں تھی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ہم اس بات پر مامور ہیں، اس لئے اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں، اور وہ اتنی مدت کے اندر کہ لوگ جسم کو غسل دیکر کفن پہنا سکیں، روح کو لیکر نیچے اترتے ہیں، اور روح کو جسم اور کفن کے درمیان رکھ دیتے ہیں[۱]۔

ابن قیم[۲] فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہو گیا۔ کہ روح کو جسم اور کفن کے درمیان لوٹا دیا جاتا ہے، روح کا یہ لوٹنا اس تعلق سے مختلف ہے، جو روح کو دنیا میں بدن کے ساتھ تھا، کیونکہ وہ تعلق کچھ اور قسم کا تھا، تو یہ تعلق کچھ اور قسم کا ہے، یہ تعلق اس قسم کا بھی نہیں جو نیند کی حالت میں روح اور جسم کا ہوتا ہے، اور نہ ہی ایسا تعلق ہوتا ہے، جیسا کہ اس وقت ہوگا، جبکہ یہ اپنی قرارگاہ میں ہوگی، بلکہ یہ ایسا لوٹنا ہے، جو خاص نکیرین کے سوال کے لئے ہے،

ابن قیم فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام[۳] ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ صحیح اور متواتر احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں، کہ سوال قبر کے وقت روح بدن میں لوٹا دی جاتی ہے۔ البتہ ایک جماعت اس کی قائل ہے، کہ سوال بدن سے بغیر روح کے ہی ہوتا ہے۔ مگر جمہور نے اس کا انکار کیا ہے، اس کے برخلاف ایک گروہ یہ کہتا ہے، کہ سوال روح کو بدن کے بغیر ہوگا۔ یہ قول ابن مرہ اور ابن حزم کا ہے، مگر یہ دونوں قول غلط ہیں۔ صحیح احادیث اس کی تردید کرتی ہیں، کیونکہ اگر سوال روح سے ہوتا۔ تو قبر کو روح کیساتھ کوئی خصوصیت نہ ہوتی (اور سوال ہر جگہ اور ہر طرح ہو سکتا تھا)

مزید وضاحت مزید وضاحت کے لئے ہم یہاں سوال کرتے ہیں، کہ آیا عذاب قبر

(۱) روح اور بدن دونوں کو ہوگا   یا

(۲) محض روح کو   یا

(۳) محض بدن کو   اور

(۴) کیا بدن نعمتوں سے حظ اٹھانے اور عذاب سے تکلیف محسوس کرنے میں روح کا برابر کا شریک ہے؟

ان سوالات کا شیخ الاسلام ابن تیمیہ کیطرف سے جواب یہ سوالات شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے کئے گئے تھے، انہوں نے یوں جواب[۴] دیا، اہل سنت والجماعۃ اس بات پر متفق ہیں، کہ عذاب اور نعمتیں روح اور بدن دونوں کے لئے ہیں۔ روح کو بدن سے الگ ہو کر بھی اور بدن سے متصل ہو کر بھی نعمتیں اور عذاب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس حالت میں نعمتیں اور عذاب باہم دونوں کیلئے

---

[۱] کتاب الروح: ۶۰-۶۱ [۲] کتاب الروح: ۶۱-۶۲ [۳] کتاب الروح، ۶۲

[۴] کتاب الروح: ۶۲،

ہوگا۔ اور رُوح کو بدن سے الگ ہو کر بھی،

اب رہا یہ سوال کہ آیا نعمتیں اور عذاب رُوح کے ساتھ بدن کو ہوگا، تو اس میں محدثین اور اہلسنّت اور اہل کلام کے دو مشہور قول ہیں، اس مسئلہ میں دو شاذ اقوال بھی ہیں۔ مگر ان سے اہلسنت کا کوئی تعلق نہیں،

فلاسفہ کا قول فلاسفہ کہتے ہیں، کہ نعمتیں اور عذاب صرف روح کیلئے ہوگا۔ بدن کو نہ نعمتیں حاصل ہوں گی، نہ عذاب فلاسفہ معاد ابدان کا بھی انکار کرتے ہیں۔ اور اسلام کا اس پر اجماع ہے، کہ یہ عقیدہ کفر ہے، بہت سے اہل کلام اور معتزلہ اور کچھ اور لوگ جو معاد ابدان کے قائل ہیں، وہ بھی یہی کہتے ہیں، کہ نعمتیں اور عذاب برزخ میں نہ ہوگا۔ بلکہ قیامت کے روز ہوگا۔ جب قبروں سے اٹھیں گے، لیکن یہ لوگ صرف برزخ میں بدن کے عذاب سے انکار کرتے ہیں۔ مگر کہتے ہیں کہ برزخ میں روحوں کو نعمتیں حاصل ہوں گی، اور عذاب بھی، مگر جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو بدن اور رُوح دونوں کو عذاب ہوگا، یہ قول اہل کلام اور محدثین کے ایک گروہ کا قول ہے، ابن حزم اور ابن مرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے[1]

ابن قیم کا فیصلہ ابن قیم کہتے ہیں کہ سلف صالحین اور ائمہ امت کا یہی مذہب ہے، کہ جب کوئی مر جاتا ہے، تو وہ یا تو نعمتوں میں ہوتا ہے، یا عذاب میں، اور یہ کیفیت اس کی رُوح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتی ہے، اور رُوح بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی نعمت یا عذاب میں رہتی ہے، بعض اوقات اس کا بدن سے اتصال بھی ہو جاتا ہے، تو دونوں کو باہم عذاب یا نعمت کا احساس ہوتا ہے۔ پھر قیامت کے دن ارواح کو بدنوں میں لوٹا دیا جائے گا۔ اور اموات رب العلمین کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے[2]

ایک اور روایت ابن ابی الدنیا اور ابو نعیم نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے، کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا، . . . . کہ جب میت کو قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے، تو اس کے بدن میں رُوح لوٹا دی جاتی ہے[3]،

سبکی کا قول سبکی کہتے ہیں کہ شہداء کا تو ذکر ہی کیا، تمام اموات کے لئے قبر میں رُوح کا بدن میں لوٹایا جانا صحیح احادیث سے ثابت ہے، صرف بحث اس میں ہے، کہ آیا رُوح بدن میں باقی رہتی ہے یا نہیں[4]،

رہے ادراکات مثلاً علم یا سماع تو یہ شہداء اور دیگر تمام اموات کے لئے بلاشک و شبہ ثابت ہیں[5]،

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا قول ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کی ہے، کہ رُوح ایک فرشتہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے، فرشتہ اسے لیکر چلتا ہے، اور جب مردہ کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، تو وہ اس روح کو مردہ میں لوٹا دیتا ہے[6]،

عمرو بن دینار کا قول عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ جو شخص مر جاتا ہے تو اس کی رُوح فرشتہ کے ہاتھ میں رہتی ہے، اور وہ دیکھتی رہتی ہے، کہ اس کے جسم کو کس طرح غسل دیا جا رہا ہے، کس طرح کفن دیا جا رہا ہے اور کسطرح اس کو لیکر چلتے ہیں۔ اور جب مردہ کو لیکر جا رہے ہوتے ہیں، تو اسے کہا جاتا ہے، لوگ جو کچھ تمہاری تعریف کر رہے ہیں سن لو[7]

---

[1] کتاب الروح: ۶۲ [2] کتاب الروح: ۶۳ - ۶۴ [3] شرح الصدور: ۸۷،
[4] شرح الصدور: ۱۳۶، [5] شرح الصدور: ۱۳۷، [6] شرح الصدور: ۶۲
[7] شرح الصدور: ۶۲، حیات الموات: ۲۹

عبداللہ المزنی کا قول | ابن ابی الدنیا نے بکر بن عبداللہ المزنیؒ سے روایت کی ہے، کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے، کہ جو شخص مرتا ہے، اس کی رُوح فرشتہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اور جب اسے نہلایا اور کفنایا جاتا ہے، وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوتا ہے، اگر کلام کر سکتا ہوتا تو گھر والوں کو گریہ وزاری سے روکتا[1]

سفیان کی روایت | ابن ابی الدنیا نے سفیان سے روایت کی ہے، کہ میت ہر چیز کو جانتی ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ غسل دینے والے کو خدا کا واسطہ دیکر درخواست کرتی ہے، کہ وہ جلدی کرے اور ابھی وہ چارپائی پر ہی ہوتا ہے، تو اسے کہا جاتا ہے جو کچھ لوگ تمہاری تعریف کر رہے ہیں سُن لو،[2]

حذیفہ کی روایت | بیہقی نے حذیفہ سے روایت کی ہے، کہ جب مردہ کے بدن کو (نہلانے کیلئے) پلٹا جاتا ہے، تو رُوح فرشتہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اور جب مردہ کو قبرستان لے جاتے ہیں، تو فرشتہ بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے، اور جب مُردہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے، تو وہ رُوح کو جسم میں پھیلا دیتا ہے،[3]

ابن ابی نجیح کی روایت | ابن ابی الدنیا نے ابن ابی نجیح سے روایت کی ہے، کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے، تو اس کی رُوح ایک فرشتہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اور وہ دیکھتی ہے، کہ جسم کو کس طرح نہلایا جاتا ہے، اور کس طرح کفنایا جاتا ہے، اور کس طرح قبر تک لیجایا جاتا ہے، اس کے بعد اسکی رُوح اُس میں لوٹا دی جاتی ہے، اور اسے قبر میں بٹھلا دیا جاتا ہے،[4]

شیخین کی روایت | صحیح مسلم اور بخاری میں ابوسعید خدری سے مروی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ وَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلَىٰ أَعْنَاقِهِمْ فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ قَدِّمُونِي وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ لِأَهْلِهَا يَا وَيْلَهَا أَيْنَ تَذْهَبُونَ بِهَا يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ وَلَوْ سَمِعَهُ صَعِقَ[5]

جب جنازہ کو رکھدیا جاتا ہے، اور پھر لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں، اگر وہ نیک آدمی ہوتا ہے، تو کہتا ہے مجھے آگے لے چلو، اور اگر نیک نہیں ہوتا تو گھر والوں کو کہتا ہے، افسوس مجھے کہاں لے جا رہے ہیں، انسان کے سوا ہر چیز اس کی آواز سنتی ہے، اگر انسان سن لے تو غش کھا کر گر جائے،

حافظ ابن حجر کا بیان | حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں، کہ اس حدیث سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے، کہ یہ الفاظ جسم کہتا ہے، جسے کندھوں پر اٹھا کر لے جایا جاتا ہے،

ابن بطال کہتے ہیں، کہ رُوح یہ الفاظ کہتی ہے، مگر ابن منیر نے اس کا رد کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس میں کونسی بات مانع ہے، کہ اللہ تعالیٰ اس حالت میں رُوح کو بدن میں لوٹا دیں، تاکہ اس میں مومن کے لئے مزید خوشخبری اور کافر کے لئے مزید عذاب ہو، ابن منیر کے علاوہ اوروں نے بھی یہی کہا ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے، کہ یہ حالت بمقابلہ اس حالت کے جو قبر میں داخل کئے جانے اور نکیرین کے سوال کے وقت ہوگی، مجازی حالت ہوگی،

---

[1] شرح الصدور: ۶۲ الحیات الموات: ۲۹-۳۰، [2] شرح الصدور: ۶۲ اور حیات الموات: ۳۰،
[3] شرح الصدور: ۶۲، [4] بخاری مع فتح الباری: ۳: ۱۴۴ الحیات الموات: ۲۲،
ع عبداللہ المزنی تابعی ہیں، حمید الطویل کہتے ہیں کہ مستجاب الدعوات تھے، ان کی وفات ۱۰۸ھ میں ہوئی، (تہذیب التہذیب: ۱: ۴۸۴)

ابن حجر کہتے ہیں، کہ یہ بعید معلوم ہوتا ہے کیونکہ میت کے دفن ہونے سے پہلے اس بات کے دعویٰ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کہ روح بدن میں لوٹا دی جاتی ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ جب چاہیں میت کو گویائی کی طاقت دے دیں، جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں، ابن بطال کی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے،

ابن بزیزہ کہتے ہیں :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ

یَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ،

(ہر چیز اس کی آواز سنتی ہے)

اس بات پر دلالت کرتا ہے، کہ یہ الفاظ زبان قال سے کہے جاتے ہیں، نہ کہ زبان حال سے (یعنی میت درحقیقت یہ الفاظ کہتی ہے)

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے، کہ میت کے کلام کو ہر حیوان سنتا ہے، خواہ ناطق ہو خواہ غیر ناطق مگر ابن بطال کہتے ہیں، کہ یہاں ذکر تو عام کا ہے، مگر مراد خاص ہے، یعنی یہ کہ اس کا کلام عاقل جیسے ملائکہ، جن اور انس سنتے ہیں، اس لئے کہ متکلم روح ہے، اور روح کے کلام کو وہی سن سکتا ہے، جو روح کی طرح روح ہو، مگر ابن بطال کے اس قول کو قبول نہیں کیا گیا کیونکہ روح کے کلام کو سننے کے لئے روح جیسی روح کا ہونا ضروری نہیں، لہٰذا تخصیص کی ضرورت نہ ہوئی، بلکہ جیسا کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے صرف انسان ہی اس سے مستثنیٰ ہیں، اور انسان کو بھی مستثنیٰ قرار دینے میں حکمت ہے، کہ اللہ نے اس پر رحم فرمایا، اور اسے یہ کلام نہ سنایا، نیز یہ کہ اس میں بھی کوئی مانع نہیں، کہ اللہ تعالیٰ روح کے بغیر ہی جسم کو گویا بنا دیں، جیسا کہ بیان ہو چکا، واللہ اعلم۔[1]

بیہقی کی روایت بیہقی نے ابن عباس سے بسند حسن روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

إِنَّ الْمَيِّتَ يَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ حِيْنَ يُوَلُّوْنَ قَالَ ثُمَّ يُجْلَسُ فَيُقَالُ مَنْ رَبُّكَ[2] (الحديث)

جب لوگ مردے کو دفنا کر واپس جا رہے ہوتے ہیں۔ تو وہ ان کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے، اس کے بعد اسے بٹھلا دیا جاتا ہے، اور پوچھا جاتا ہے، کہ تیرا رب کون ہے؟ (الحدیث)

ابن ابی حاتم کی روایت ابن ابی حاتم اور بیہقی نے ابن عباس سے روایت کی ہے،

فَاِذَا دُفِنَ اُجْلِسَ فَيُقَالُ مَنْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ[3] (الحدیث)

(جب اسے دفن کر دیا جاتا ہے، تو اسے بٹھا دیا جاتا ہے اور پوچھا جاتا ہے تمہارا رب کون ہے وہ کہتا ہے، میرا رب اللہ ہے،)

احمد اور طبرانی کی روایت امام احمد، طبرانی اور ابن عدی نے صحیح سند سے اور آجری نے الشریعہ میں ابن عمر سے روایت کی ہے کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیرین کا ذکر کیا، تو حضرت عمر نے عرض کی :-

یا رسول اللہ کیا ہماری عقلیں لوٹا دی جائیں گی ؟

---

[1] فتح الباری: ۳: ۱۴۴-۱۴۵۔ [2] بخاری کتاب الجنائز: ۳: ۱۷۰، اور شرح الصدور: ۸۰،

[3] شرح الصدور: ۸۰،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:۔ ہاں اسی طرح جس طرح تم اب ہو۔
اس پر حضرت عمر نے کہا:۔ خدا اس کے منہ میں پتھر ڈالے، یعنی خدا کرے وہ سوال نہ کر سکے[۱]،

طبرانی اور بیہقی کی روایت | طبرانی نے مسند کبیر میں بسند حسن اور بیہقی نے اپنی کتاب عذاب القبور میں ابن مسعود سے روایت کی ہے جب مومن مرجاتا ہے، تو اسے قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے، اور پھر سوال ہوتا ہے، اسی طرح کافر کے ساتھ ہوتا ہے،

ابن ابی شیبہ کی روایت | ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے ابن مسعود سے روایت کی ہے، کہ تم میں سے ہر ایک کو قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے،[۱]

خلال کی روایت | خلال نے شرح السنۃ میں ابن مسعود سے روایت کی ہے:۔

حَتّٰی یُوْضَعَ فِیْ قَبْرِہٖ، فَاِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ اُجْلِسَ وَجِیْئَ بِالرُّوْحِ وَجُعِلَتْ فِیْہِ (الحدیث)

تا آنکہ اسے قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، پھر اسے بٹھا کر اس کے اندر روح ڈال دی جاتی ہے[۵۲]،

ابن ابی داؤد کی روایت | ابن ابی داؤد نے البعث میں، حاکم نے تاریخ میں اور بیہقی نے عذاب القبر میں حضرت عمر سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

تجھے ماریں گے اور تو ریزہ ریزہ ہو جائیگا، حضرت عمر کہتے ہیں، کہ میں نے عرض کیا:۔ یارسول اللہ کیا میں اس حالت میں ہونگا جس میں اب ہوں؟ آپ نے فرمایا:۔ ہاں، پھر حضرت عمر نے عرض کیا، پھر میں ان سے نمٹ لوں گا[۵۳]،

ابونعیم وغیرہ کی روایت | ابونعیم نے ابن ابی الدنیا اور کتاب الشریعۃ میں آجری نے اور بیہقی نے عطا بن یسار سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو کہا:۔

اے عمر تمہاری کیا حالت ہوگی، جب مرنے کے بعد فرشتے آئیں گے، . . . . (الحدیث)
حضرت عمر نے عرض کیا:۔ اس وقت میری عقل میرے ساتھ ہوگی؟
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں،
حضرت عمر نے عرض کیا:۔ پھر میں ان سے نمٹ لوں گا[۵۴]،

حافظ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں[۵۵]، ابوسعید خدری، ابی امامہ، ابورافع، ابوقتادہ، ابوموسیٰ، ابوہریرہ اسماء اور حضرت عائشہ رضوان اللہ علیہم سے اسی قسم کی اور روایات دی ہیں،

امام احمد نے الزہد میں، اور ابونعیم نے الحلیہ میں طاؤس سے روایت کی ہے، کہ

اِنَّ الْمَوْتٰی یُفْتَنُوْنَ فِیْ قُبُوْرِھِمْ سَبْعًا فَکَانُوْا یَسْتَحِبُّوْنَ اَنْ یُّطْعَمَ عَنْھُمْ تِلْکَ الْاَیَّامَ[۵۶]

قبروں میں مردوں کی آزمائش سات دن تک ہوتی ہے، اسی لئے اسلاف مردوں کی طرف سے مسکینوں کو سات دن تک کھانا کھلانا مستحب سمجھتے تھے،

---

[۱] شرح الصدور: ۸۳، [۵۲] شرح الصدور: ۳۰ [۵۳] ملاحظہ ہو شرح الصدور صفحہ ۸۵ تا ۹۱،
[۵۴] شرح الصدور: ۹۱،

ہم نے تفصیل سے احادیث، اقوال صحابہ و محدثین بیان کر دئے ہیں، ان کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی ہوگی کہ مرنے کے بعد سوال کے لئے روح بدن میں لوٹا دی جاتی ہے، خواہ میت مومن ہو خواہ کافر، اس سے یہ بھی واضح ہو گیا ہوگا، کہ مرنے کے بعد بدن کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے، خواہ وہ کسی طرح کا ہو، یہ تعلق اپنے اپنے مراتب کے اعتبار سے ہوتا ہے، کہیں کم کہیں زیادہ اور کہیں تام، جیسا کہ ہم بتدریج بیان کریں گے،

شواہد یہ روایات بیان کرنے کے بعد سیوطی ان کے شواہد پیش کرتے ہیں،

طریف بن بجلی اور ان کے بھائی کا واقعہ، ابن ابی الدنیا اور ابن جریر نے تہذیب میں یزید بن طریف بجلی سے روایت کی ہے، کہ میرا بھائی فوت ہو گیا جب اسے دفن کیا جا چکا تو میں نے اپنا سر اس کی قبر پر رکھا، میرا بایاں کان قبر پر تھا، کہ میں نے آواز سنی اور میں اپنے بھائی کی کمزور آواز کو پہچانتا تھا، کہ اس نے کہا:- اللہ،

دوسرے نے پوچھا:- تمہارا کیا مذہب ہے،

جواب دیا:- اسلام[۱]،

ایک اور واقعہ ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں اور ابن جریر نے تہذیب میں، علاء بن عبد الکریم کی سند سے روایت کی ہے، کہ ایک شخص فوت ہو گیا، اس کا ایک بھائی تھا، جس کی بینائی کمزور تھی، وہ کہتا ہے، کہ جب لوگ واپس چلے گئے، تو میں نے اپنا سر قبر پر رکھا، کیا سنتا ہوں کہ قبر کے اندر سے آواز آرہی ہے، کہ:-

تمہارا رب کون ہے؟ دین کیا ہے؟ اور تمہارا نبی کون ہے؟

پھر میں نے اپنے بھائی کو سنا کہ وہ کہہ رہا ہے، اور میں نے اس کی آواز کو پہچان لیا۔ کہ

میرا رب اللہ ہے، اور میرا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،

اس کے بعد قبر سے ایک قسم کا تیر اٹھا اور میرے کان کو لگا جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں چلا اٹھا[۲]،

ابن حجر کی رائے سیوطی کہتے ہیں، کہ شیخ الاسلام حافظ العصر ابو الفضل بن حجر سے پوچھا گیا کہ آیا قبر میں میت سے سوال لیتے ہوئے ہوگا یا اسے بٹھلایا جائے گا۔ اور (۲) کیا اس وقت روح کو بدن کا لباس پہنایا جاتا ہے؟

ابن حجر نے جواب دیا:- (۱) میت کو سوال کے وقت بٹھلایا جاتا ہے،

(۲) قبر میں روح کو بدن کا لباس پہنایا جاتا ہے، مگر ظاہر حدیث سے یوں مستفاد ہوتا ہے، کہ روح صرف بالائی حصہ میں داخل کی جاتی ہے[۳]،

باب المیت یعرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی پر بحث کرتے ہوئے ابن حجر فرماتے ہیں[۴]،

یہ اس طرح ہوگا، کہ میت کا کوئی حصہ زندہ ہو جائے گا، تاکہ وہ نعمت یا عذاب کو پا سکے، کیونکہ یہ ناممکن نہیں کہ میت کے کسی جزیا اجزا کو زندہ کر دیا جائے تاکہ اسے خطاب اور اس کے مقام کا اسکے سامنے پیش کرنا صحیح طور پر ہو سکے،

---

۱ شرح الصدور: ۹۲ ۲ شرح الصدور: ۹۳۔ ۳ شرح الصدور ۹۲ اور مشارق الانوار ۱۵۶،

۴ فتح الباری: ۳: ۱۸۸،

قرطبی کہتے ہیں: ہو سکتا ہے، کہ صرف رُوح کے سامنے اس کا مقام پیش کیا جاتا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ یہ "عرض مقعد" روح کو بمعہ جزو بدن کے ہو،

اس کے بعد ابن حجر فرماتے ہیں[1] کہ "عرض مقعد" شہداء کے علاوہ دیگر لوگوں کے لئے ہے، کیونکہ شہداء تو زندہ ہیں اور ان کی ارواح جنت میں آزاد پھرتی ہیں، اور یہ بھی احتمال ہے، کہ یوں کہا جائے، کہ شہداء کو ان کے مقام پیش کرنے کا فائدہ یہ ہے، کہ ان روحوں کو بشارت دی جائے، کہ وہ جنت میں اپنے جسموں کے ساتھ برقرار رہیں گی، کیونکہ اس میں ان کی موجودہ حالت کے مقابلہ میں کسی قدر زائد امر پایا جاتا ہے،

سبکی کا بیان | سبکی کہتے ہیں، کہ صحیح احادیث میں آیا ہے، کہ تمام اموات کے لئے قبر میں رُوح بدن میں لوٹا دی جاتی ہے شہداء کا تو ذکر ہی کیا، بحث صرف اس میں ہے، کہ آیا رُوح لوٹائے جانے کے بعد بدن میں بدستور رہتی ہے، یا نہیں، اور اور کیا جسم اسی طرح زندہ ہوتا ہے، جس طرح دنیا کی زندگی میں رُوح کے ساتھ تھا، یا رُوح کے بغیر ہی زندہ ہوتا ہے اور رُوح وہاں ہوتی ہے، جہاں اللہ نے چاہا، اس لئے کہ رُوح کے لئے حیات کا ہونا ایک امر عادی ہے عقلی نہیں، لہٰذا بدن کا رُوح کے ساتھ اسی طرح زندہ ہونا جس طرح دُنیا میں تھا، عقلاً جائز ہے، لہٰذا اگر اس قسم کی کوئی صحیح روایت مل جائے تو ہم اس کو مان لیں گے، اور علماء نے اس کا ذکر بھی کر دیا ہے، اس کی دلیل موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا ہے، اس لئے کہ نماز کے لئے زندہ جسم کا ہونا ضروری ہے، انبیاء کی جن صفات کا ذکر معراج کی رات میں کیا گیا ہے، ان کا بھی یہی حکم ہے، ان کے حقیقی طور پر زندہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا، کہ ان کے بدن کو کھانے وغیرہ کی اسی طرح ضرورت پڑے، جس طرح زندگی میں پڑتی تھی، اب رہے ادراکات مثلاً علم و سماع وغیرہ تو اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں، کہ یہ انبیاء اور دیگر اموات کے لئے ثابت[2] ہیں،

ابن قیم کی رائے | ابن قیم فرماتے ہیں کہ احادیث میں اس بات کی تصریح پائی جاتی ہے، کہ سوال کے وقت رُوح بدن میں لوٹا دی جاتی ہے، لیکن اس طرح دنیا کی سی معہود زندگی حاصل نہیں ہوتی کہ روح بدن کی تدبیر کرے اور اسے قائم رکھے، اور اسے پھر کھانے پینے کی ضرورت محسوس ہو، بلکہ اس مقام پر ایک اور قسم کی زندگی حاصل ہوتی ہے جس سے میّت کا امتحان ہو سکے جس طرح ہم دیکھتے ہیں، کہ ایک انسان سوتے ہوئے زندہ ہوتا ہے، مگر اس کی زندگی بیدار آدمی جیسی نہیں ہوتی، اسی طرح رُوح کے اعادہ کے وقت انسان مُردہ تو ہوتا ہے، اور رُوح کے داخل ہونے سے جو زندگی اس میں آتی ہے، اس سے لفظ میّت کے اطلاق کی نفی نہیں ہوتی بلکہ یہ موت اور حیات کا درمیانی درجہ ہے،

ابن تیمیہ کی رائے | ابن تیمیہ کہتے ہیں[3]،

سوال قبر کس زبان میں ہو گا | سوال کے وقت بدن میں رُوح کے لوٹائے جانے کے متعلق احادیث میں تواتر پایا جاتا ہے، سیوطی کہتے ہیں، کہ ہمارے استاذ شیخ الاسلام علم الدین بلقینی کے فتاویٰ میں دیا ہے، کہ

[1] فتح الباری ۳: ۱۸۹ [2] شرح الصدور: ۱۳۶ - ۱۳۷ [3] شرح الصدور: ۱۹۲ [4] کتاب الروح: ۶۲، اور شرح الصدور ۹۲، [5] شرح الصدور، ۹۶ - ۹۷، نیز دیکھیں خزینہ معارف: ۲۵۷ - ۲۵۸، اور فتاویٰ الحدیثیہ: ۸ - ۹،

میت قبر میں سوال کا جواب سریانی زبان میں دے گی، لیکن اس کی کوئی سند نہیں ملی، حافظ ابن حجر سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا۔

حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے، کہ سوال عربی میں ہوگا، پھر فرمایا۔ کہ اس کے باوجود اس بات کا احتمال ہے، کہ ہر شخص سے اس کی زبان میں خطاب کیا جائے،

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ مرنے کے بعد رُوح بدن میں لوٹائی جاتی ہے، تو اب میں ان لوگوں کے واقعات بیان کرتا ہوں جنہوں نے مرنے کے بعد کلام کیا۔ تاکہ مزید واضح ہو جائے کہ بدن کے ساتھ رُوح کا تعلق قائم رہتا ہے اور بدن کے ساتھ کبھی اس کا اتصال بھی ہو جاتا ہے،

حضرت زید بن خارجہ کا[1] مرنے کے بعد کلام کرنا

حافظ ابوبکر بیہقی کہتے ہیں[2]،

انا ابو صالح بن ابی طاہر العنبری انا جدی یحیی بن منصور القاضی ثنا ابو علی بن محمد بن عمرو بن کشمرد انا القعنبی انا سلیمان بن بلال عن یحیی بن بن سعید عن سعید بن المسیب[3]،

کہ بنی الحارث بن خزرج کے زید بن خارجہ انصاری کی وفات حضرت عثمان کے عہد خلافت میں ہوئی، اور انہیں کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا، اس کے بعد ان کے سینے سے گھنٹی کی آواز سنائی دی، اور انہوں نے بولنا شروع کردیا، پھر کہا،

احمد، احمد کا ذکر پہلی کتابوں میں ہے، سچ کہا، ابوبکر صدیق نے سچ کہا، وہ اپنی ذات میں کمزور مگر اللہ کے لئے قوی تھے، ان کا ذکر بھی گذشتہ کتابوں میں ہے، سچ کہا عمر بن الخطاب نے سچ کہا، وہ قوی اور امین تھے، ان کا ذکر بھی گذشتہ کتابوں میں ہے، سچ کہا عثمان بن عفان نے سچ کہا، یہ انہی کے طریقہ پر چلے، چار سال گذر گئے، اور دو باقی رہ گئے۔ فتنے آگئے، طاقتور کمزور کو کھا گئے، قیامت برپا ہوگئی، تمہیں عنقریب اپنی فوج کے متعلق اطلاع آجائے گی،

[4] بئر اریس بئر اریس کیا ہے؟

یحیی کہتے ہیں، کہ اس کے بعد بنی خطمہ میں سے ایک آدمی مرا۔ اسے کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا، اس کے بعد اس کے سینہ سے گھنٹی کی آواز سنائی دی، اور پھر اس نے بولنا شروع کر دیا اور کہا:-

بنی حارث بن خزرج کے آدمی نے سچ کہا ہے،

اس کے بعد بیہقی نے یہی روایت ایک اور سند سے

عن الحاکم عن ابی بکر بن اسحق عن موسی بن الحسن عن القعنبی

---

[1] الروض الانف: ۲: ۳۷۰، البدایہ والنہایہ: ۶: ۱۵۶ - ۱۵۷، ابن کثیر کہتے ہیں، کہ مرنے کے بعد زید بن خارجہ کے کلام کرنے کا قصہ مشہور ہے، اور بہت سے صحیح طریقوں سے مروی ہے: بخاری نے تاریخ کبیر میں کہا ہے، کہ زید بن خارجہ وہی شخص ہیں، جنہوں نے موت کے بعد کلام کیا، البدایہ والنہایہ: ۶: ۲۹۲، [2] مراد زید بن خارجہ سے ہے، زید بن خارجہ انصاری خزرجی، انہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی، ابن عبد البر کہتے ہیں، کہ انہوں نے مرنے کے بعد کلام کیا، ۱۲ تہذیب التہذیب: ۳: ۴۰۹، (بقیہ حاشیہ ص۳۳ پر)

[5] الروض الانف میں یحیی کی بجائے سعید بن المسیب دیا ہے ۱۲

کی ہے، اور کہا ہے، کہ یہ اسناد صحیح ہے، اور اس کے شواہد بھی ہیں،

پھر ابوبکر عبداللہ بن ابی الدنیا، کے طریق سے بیان کیا ہے، کہ انہوں نے اپنی کتاب "مَنْ عَاشَ بَعْدَ الْمَوْت" میں ذکر کیا ہے، کہ

حدثنا ابومسلم عبد الرحمٰن بن یونس ثنا عبد اللہ بن ادریس عن اسماعیل بن ابی خالد کہ قاسم بن عبدالرحمٰن کے حلقہ میں یزید بن نعمان بن بشیر اپنے باپ نعمان بن بشیر کا خط لیکر آیا، انہوں نے یہ خط اپنی والدہ کو لکھا تھا،

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"یہ خط نعمان بن بشیر کی طرف سے ام عبداللہ بنت ابی ہاشم کی طرف ہے، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُم میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو نے مجھے زید بن خارجہ کے متعلق لکھنے کو کہا ہے، واقعہ یوں ہوا کہ ایک دن جبکہ وہ بالکل تندرست تھا، اسے حلق میں درد ہوا، اور ظہر اور عصر کے درمیان مرگیا ہم نے اسے پشت کے بل لٹا دیا، اور اس کے اوپر دو چادریں اور ایک کمبل ڈالدیا، میں مغرب کی نماز کے بعد اپنے اوراد میں مشغول تھا، کہ ایک شخص نے آکر کہا کہ زید نے مرنے کے بعد کلام کیا ہے، میں جلدی سے اس طرف گیا اس وقت انصار میں سے کچھ لوگ وہاں موجود تھے، اور وہ یہ کہہ رہا تھا، یا یہ کہ یہ الفاظ اس کی زبانی کہلوائے جارہے تھے:"

درمیان والا (یعنی حضرت عمرؓ) تینوں سے زیادہ دلیر تھا، اور اللہ کے معاملات میں کسی کی پرواہ نہ کرتا تھا، وہ طاقتور کو اسباب کی اجازت نہ دیتا تھا، کہ وہ کمزور کو کھا جائے، وہ اللہ کا بندہ امیر المومنین ہے، اس نے سچ کہا، سچ کہا، پہلی کتابوں میں بھی یوں ہی دیا ہے،

اس کے بعد کہا:۔ امیر المومنین عثمانؓ لوگوں کے بہت سے گناہ معاف کردیتے تھے، دو سال گذر گئے اور چار سال باقی رہ گئے، اس کے بعد اختلاف پیدا ہوا۔ اور لوگوں نے ایک دوسرے کو کھایا، اور بدنظمی پھیل گئی

(وانتجت الاکحا ثم ادعوی المومنین)

اور کہا:۔ یہ اللہ کی لکھت اور تقدیر ہے، لوگو! اپنے امیر کی طرف آؤ، اس کی بات سنو اور اطاعت کرو، اور جو پیٹھ دے جائے اسے قتل میں شامل نہیں ہونا چاہئے، اللہ نے تقدیر میں ایسا ہی لکھا ہے، اللہ اکبر یہ جنت ہے اور یہ دوزخ، انبیاء اور صدیقین سلام علیکم کہہ رہے ہیں، اے عبداللہ بن رواحہ کیا تو نے خارجہ اور سعد کو جو غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے، کہیں دیکھا ہے، پھر یہ آیت پڑھی۔

كَلَّا إِنَّهَا لَظَىٰ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ط

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲) بخاری وغیرہ نے ذکر کیا ہے، کہ انہوں نے موت کے بعد کلام کیا، (اصابہ نمبر ۹، ۲۸) نیز نمبر ۳۸ ۳۰۴ بیان سعد بن خارجہ

ابن سعد، ابن ابی حاتم، ترمذی، یعقوب بن سفیان، بغوی، طبری اور ابونعیم وغیرہم نے ذکر کیا ہے، کہ یہ بدری تھے اور انہوں نے ہی موت کے بعد کلام کیا تھا، ۵ میں اس عبارت کو کچھ نہیں سکا، میرے خیال میں یہاں طباعت کی غلطی ہے،

(۴ تہذیب التہذیب ۳: ۴۱۰)

(یہ دوزخ کی آگ ہے، جو کھال ادھیڑ ڈالتی ہیں، جو پیٹھ دیکر چلے جائیں، اور مال جمع کر کے محفوظ رکھیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کریں) یہ انہی کو پکارتی ہے،

اسکے بعد اس کی آواز خاموش ہوگئی،

میں نے پوچھا میرے آنے سے پہلے زید نے کیا کہا تھا،

انہوں نے بتلایا کہ ہم نے اسے یوں کہتے سنا:۔

چُپ ہو جاؤ، چُپ ہو جاؤ،

ہم ایک دوسرے کو دیکھنے لگ گئے، دیکھا کہ آواز کپڑوں کے نیچے سے آرہی ہے، ہم نے اس کا چہرہ کھولا اور اس نے کہا، یہ رسول اللہ احمد ہیں۔ یا رسول اللہ سلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اس کے بعد کہا کہ ابوبکر صدیق اور امین ہیں، رسول اللہ کے خلیفہ ہیں، جسمانی طور پر تو کمزور تھے مگر اللہ کے لئے قوی تھے، سچ، سچ، سچ پہلی کتابوں میں یہی تھا،

اس کے بعد حافظ بیہقی نے ابو نصر بن قتادہ عن ابی عمرو بن بجیر عن علی بن الحسین عن المعافی بن سلیمان، عن زہیر بن معاویہ عن اسمٰعیل بن ابی خالد سے یہی قصہ بیان کیا ہے، اور کہا ہے، کہ یہ اسناد صحیح ہے،

ہشام بن عمار نے کتاب البعث میں عن الولید بن مسلم عن عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر قال حدثنی عمیر بن ھانی حدثنی النعمان بن بشیر کہ:۔

ہم میں سے ایک شخص جسے زید بن خارجہ کہا جاتا تھا، مرگیا، ہم نے اسے کپڑے سے ڈھانپ دیا، اس کے بعد وہی مذکورہ قصہ بیان کیا،

بیہقی کہتے ہیں، کہ بئر اریس جس کا ذکر زید بن خارجہ نے کیا، اس کی وجہ یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انگوٹھی بنوائی تھی، جسے آپ پہنا کرتے تھے، آپ کے بعد ابوبکر اسے پہنا کرتے، پھر عمر پھر عثمان پہنتے رہے، تا آنکہ ان کی خلافت کے چھ سال گذر گئے، تو یہ انگوٹھی بئر اریس میں گر گئی، اس کے بعد عثمان کے گورنر بگڑ گئے، اور فتنوں کے اسباب ظاہر ہو گئے، جیسا کہ زید کی زبانی کہا گیا،

بیہقی کہتے ہیں، کہ "دو سال گذر گئے اور چار سال باقی رہ گئے" یا "چار سال گذر گئے اور دو سال باقی رہ گئے" سے یہی مراد ہے،

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں کہا ہے، کہ زید بن خارجہ انصاری جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی حضرت عثمان کے عہد میں فوت ہوئے، اور یہی وہ شخص ہے جس نے وفات کے بعد کلام کیا،

ربعی کا مرنے کے بعد کلام کرنا	ابن کثیر کہتے ہیں[۱] حدثنا الحکم بن ھشام الثقفی حدثنا عبد الحکم بن عمیر عن ربعی بن حراش

[۱] البدایہ والنہایہ: ۶: ۱۵۸، کتاب جامع کرامات الاولیاء: ۲: ۱۱ اور الروض الانف: ۲: ۳۴۰، ع ص، انہوں نے جابیہ میں حضرت عمر کا خطبہ سنا عمر بن عبد العزیز کے عہد میں سنہ ۱۰۰ھ میں فوت ہوئے، ثقہ تابعی ہیں، ابن المدینی کہتے ہیں کہ یہ تین بھائی تھے، ربعی، ربیع اور مسعود، مسعود کے متعلق صرف اسی قدر مروی ہے، کہ انہوں نے مرنے کے بعد کلام کیا۔ (تہذیب التہذیب: ۳: ۲۳۶ - ۲۳۸)

العبسی کہ میرا بھائی ربیع بن حراش بیمار پڑا۔ میں نے اس کی تیمارداری کی اور وہ مرگیا، ہم اس کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوگئے جب ہم آئے تو اس نے اپنے چہرہ سے کپڑا اٹھایا اور کہا۔
السَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔ ہم نے وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ کہا اور کہا کہ تو تو مر چکا ہے، اس نے جواب دیا۔ بیشک میں مر چکا ہوں، لیکن تمہارے پاس سے چلے جانے کے بعد میں اپنے رب سے ملا، اور وہ مجھ سے بہت مہربانی سے پیش آیا، اور اس نے مجھے سبز مخمل کے کپڑے پہنائے، میں نے اللہ سے درخواست کی کہ مجھے اجازت دے کہ اپنے گھروالوں کو خوشخبری سنا آؤں، چنانچہ مجھے اجازت مل گئی، اور تم مجھے دیکھ ہی رہے ہو، لوگوں کو ہدایت کیا کرو، سچ کہا کرو، خوش کن بات کہا کرو، اور نفرت انگیز بات مت کہو، اور وہ پھر مرگیا،
سیوطیؒ کہتے ہیں، کہ ابونعیم نے ربعی سے روایت کی ہے، کہ ہم چار بھائی تھے، ربیع ہم سب سے زیادہ نمازیں پڑھتا اور روزے رکھا کرتا تھا، اور وہ مرگیا، ہم اس کے گرد کھڑے تھے، کہ اس نے چہرے سے کپڑا کھولا اور کہا۔ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ ہم نے وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ کہا، اور کہا کیا مرنے کے بعد تم کلام کر رہے ہو، اس نے جواب دیا ہاں، تمہارے پاس سے چلے جانے کے بعد میں اپنے رب سے ملا، وہ مجھ سے ناراض نہ تھا، اس نے میری آؤ بھگت کی، پھر کہا۔
دیر مت کرو، مجھے جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ، وہ میری نماز جنازہ پڑھانے کے منتظر ہیں، اور وہ پھر خاموش ہوگیا، (حلیۃ الاولیاء ۴: ۳۶۷ — ۳۶۸)
اس واقعہ کی خبر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہوئی، تو انہوں نے فرمایا۔
کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا، کہ میری امت میں سے ایک شخص مرنے کے بعد کلام کرے گا،
ابونعیم کہتے ہیں کہ یہ مشہور حدیث ہے، اور بیہقی نے اس کی روایت الدلائل میں کی ہے، اور کہا ہے، کہ اس کی صحت میں کوئی شک نہیں،[۱]

ایک اور واقعہ | ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب "مَنْ عَاشَ بَعْدَ الْمَوْتِ" میں مؤرق عجلی[۲] سے روایت کی ہے، کہ ہم ایک شخص کی عیادت کے لئے گئے، اس وقت اس پر غشی کی حالت طاری تھی، اس وقت اس کے سر سے نور نکلا اور چھت کو چیر کر نکل گیا، پھر اسی طرح ناف میں سے نور نکلا، پھر دونوں پاؤں سے نور نکلا، اس کے بعد اسے ہوش آیا، ہم نے پوچھا تمہیں کچھ معلوم ہے، کہ تجھ سے کیا واقعہ پیش آیا ہے، کہنے لگا ہاں، میرے سر سے جو نور نکلا ہے، وہ الٓمٓ تَنْزِیْلُ کی پہلی چودہ آیتوں کا نور تھا، ناف والا نور سجدہ والی آیت کا نور تھا، اور جو نور پاؤں سے نکلا ہے، وہ سورہ سجدہ کی آخری آیات کا نور تھا، یہ آیات میری شفاعت کے لئے گئی تھیں، اور سورہ تَبَارَکَ میرے پاس میری پاسبانی کے لئے رہ گئی تھی، میں ان سورتوں کو ہر رات پڑھا کرتا تھا[۳]

رویہ بنت بیجان کا واقعہ :- ابن ابی الدنیا[۴] نے مغیرہ بن خلف سے روایت کی ہے، کہ رویہ بنت بیجان کی وفات ہوئی

---
[۱] شرح الصدور ، ۴۶ - [۲] ابو معتمر مورق بن مشمرج العجلی ان کی وفات ۱۰۵ھ میں عمر بن ہبیرہ کی گورنری کے زمانہ میں ہوئی
[۳] شرح الصدور: ۴۶ ، [۴] شرح الصدور: ۴۷ ،

اور اسے غسل دیکر کفنا دیا گیا، اس کے بعد اس نے حرکت کی اور لوگوں کی طرف دیکھا اور کہا،
تمہیں خوشخبری ہو، جبقدر تمہیں ڈر تھا، ویسا مجھ سے نہیں پیش آیا، بلکہ بہت آسانی ہوئی، میں نے دیکھا، کہ تین قسم کے لوگ جنت میں نہیں جاتے، قاطع رحم، شرابی اور مشرک،
ابن ابی الدنیا نے خلف بن حوشب سے روایت کی ہے، کہ مدائن میں ایک آدمی مرگیا، اس پر کپڑا ڈالا گیا، اس کے بعد اس نے کپڑے کو حرکت دی، اور اسے کھولدیا اور کہا :-
اس مسجد میں کچھ لوگ ہیں جن کی داڑھیاں رنگی ہوئی ہیں، وہ ابو بکر اور عمر پر لعنت کرتے اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، جو فرشتے میری روح قبض کرنے کو آئے تھے، وہ ان لوگوں پر لعنت بھیجتے ہیں اور ان سے بیزار ہیں،
یہ کہکر پھر لیٹ گیا؛-
سیوطی نے شرح الصدور میں ان واقعات کے علاوہ اور واقعات بھی دئے ہیں، ان واقعات کے پیش کرنے سے میرا مقصد یہ بیان کرنا ہے، کہ موت عدم محض نہیں ہے، اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، روح اور بدن کا تعلق قائم رہتا ہے اور عارضی طور پر جسم کے ساتھ اس کا اتصال بھی جائز ہے، یہ عوام کا حال ہے، خواص کا ذکر آگے چل کر ہوگا،

لے شرح الصدور : ۴۷

سماعِ موتیٰ

سماعِ موتیٰ کے بارے میں سلف صالحین میں کبھی بھی اختلاف نہیں ہوا، مُردوں کا سُننا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس سماع کی کیفیت اور زندوں کے سماع کی کیفیت میں فرق ہے، برزخ کے احوال کا قیاس اس دنیا کے احوال کے ساتھ نہیں ہو سکتا، پھر یہ کہ جس طرح دنیا میں سماع میں بلحاظ قوت وضعف تفاوت پایا جاتا ہے، اسی طرح برزخ میں علیٰ قدر مراتب اس میں تفاوت ہوتا ہے،

سماعِ موتیٰ سے انکار کرنے والوں کا تمام تر مدار قرآن مجید کی ان دو آیتوں پر ہے،

(۱) اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۔

(سورۂ روم آیت ۵۲ اور سورۂ نمل آیت ۸۰)

(۲) وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ۔

(سورۂ فاطر: ۲۲)

(۱) ترجمہ :- آپ ان مردوں کو نہیں سنا سکتے، اور نہ ہی بہروں کو اپنی دعوت سنا سکتے ہیں، جب پیٹھ پھیر کر چلے جائیں۔

(۲) ترجمہ :- زندہ اور مردہ ایک جیسے نہیں ہیں، اللہ جسے چاہے آپ کی بات سُنا دے، آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے

ابن کثیر کی تفسیر حافظ ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ فرماتے ہیں[1] :-

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى، اَىْ لَا تُسْمِعُهُمْ شَيْئًا يَّنْفَعُهُمْ فَكَذٰلِكَ هٰٓؤُلَآءِ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّفِىْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرُ الْكُفْرِ وَلِهٰذَا قَالَ تَعَالٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔

آپ ان مردوں کو (یعنی کافروں کو جو مردوں کی طرح ہیں) نہیں سنا سکتے، جس کا مطلب یہ ہے، کہ یہ آپ کے کلام سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، جس طرح مردے سنتے ہیں، مگر وہ اس کلام سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، یہی حال ان کفار کا ہے کیونکہ ان کے دلوں پر کفر کے پردے، اور کانوں پر کفر کا بہرہ پن ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جب بہرے پیٹھ پھیر کر چلے جائیں، تو آپ انہیں سنا نہیں سکتے، آپ اندھوں کو گمراہی سے ہٹا کر راہِ راست پر نہیں لا سکتے آپ صرف ان لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، بس یہی لوگ مطیع ہیں۔

مطلب یہ ہے، کہ سننے میں کافر اور مومن برابر ہیں مگر کافر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ سے فائدہ نہیں حاصل

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ۳ : ۳۷۴ ،

نہیں کرسکتی، اور مومن فائدہ حاصل کرتا ہے، لہذا مومن کی مثال زندہ کی ہے، اور کافر کی مُردہ کی،

ابن کثیر نے دوسری جگہ پر اسی آیت پر زیادہ وضاحت اور تفصیل سے بحث کی ہے، فرماتے ہیں،:-

یَقُولُ تعالیٰ کما انک لیس فی قدرتک ان تسمع الاموات فی اجداثها ولا تبلغ کلامک الصم الذین لا یسمعون وهم مع ذلک مدبرون عنک کذلک لا تقدر علی هدایة العمیان عن الحق ورد هم عن ضلالتهم بل ذلک الی الله فانه تعالی بقدرته یسمع الاموات أصوات الاحیاء اذا شاء،

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ آپ کی قدرت میں یہ بات نہیں، کہ آپ اپنا کلام ان مردوں کو جو قبروں میں ہیں سنا سکیں اور نہ ہی آپ اپنا کلام بہروں تک پہنچا سکتے ہیں، کیونکہ وہ تو سن ہی نہیں سکتے۔ پھر طرّہ یہ کہ وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہیں اسی طرح آپ ان لوگوں کو راہِ راست پر نہیں لاسکتے جو راہِ حق کو دیکھنے سے اندھے ہو چکے ہیں، اور نہ ہی آپ انہیں گمراہی سے باز رکھ سکتے ہیں، بلکہ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، اس کی قدرت میں ہے، جب چاہے مُردوں کو زندوں کی آواز سنا دے،

یہاں ابن کثیر نے واضح الفاظ میں بتلا دیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ جب چاہیں مردوں کو زندوں کا کلام سنا دیں، اسکے بعد مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

جب عبد اللہ بن عمر نے یہ روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن گذر جانے کے بعد ان مقتولین بدر کو خطاب اور عتاب کیا، جنہیں بدر کے کنوئیں میں ڈالا گیا تھا، یہاں تک کہ حضرت عمر نے عرض کی۔ یا رسول اللہ آپ مُردہ لوگوں سے کیا خطاب فرما رہے ہیں، اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُولُ مِنْهُمْ وَلٰكِن لَّا يُجِيبُوْنَ

(جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے تم ان سے بہتر نہیں سن رہے، البتہ یہ جواب نہیں دیتے)

تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا، کہ عبد اللہ بن عمر کو وہم گذرا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی یہ تاویل کی تھی کہ انہیں اب معلوم ہو گیا ہے، کہ جو کچھ میں انہیں کہا کرتا تھا سچ تھا

قتادہ فرماتے ہیں:- اللہ تعالیٰ نے انہیں زجر و توبیخ کیلئے زندہ کر دیا تھا، تاکہ وہ آپ کی بات سن سکیں،

ابن کثیر فرماتے ہیں، کہ علماء کے نزدیک عبد اللہ بن عمر کی روایت درست ہے، اس لئے کہ متعدد طریقوں سے اس کی صحت کے شواہد پائے جاتے ہیں، ان شواہد میں سے سب سے زیادہ مشہور وہ روایت ہے، جسے ابن عبد البر نے مرفوع طور پر ابن عباس سے روایت کیا ہے، اور اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے،

اموات مومنین سلام کا جواب دیتے ہیں، | مَا مِنْ اَحَدٍ يَمُرُّ بِقَبْرِ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا

لے تفسیر ابن کثیر: ۳: ۴۳۸، بحیدہ روم، عہ ۵ آپ تو بعض زندوں کو بھی نہیں سنا سکتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کرسکتے، (بقیہ حاشیہ ص پر ملاحظہ ہو)

فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ رُوْحَهٗ حَتّٰى يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

جب کوئی بھی اپنے اس مسلم بھائی کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے، جسے وہ دُنیا میں جانتا تھا، اور اسے سلام کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس مُردے کو اس کی رُوح لوٹا دیتے ہیں، تاکہ وہ سلام کا جواب دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے، کہ آپ نے اپنی امت کو حکم دیا، کہ جب تم اہل قبور کو سلام کرو، تو بعینہٖ اسی طرح سلام کرو جس طرح زندوں کو کرتے ہو، اور سلام کرنے والا یہ الفاظ کہے:۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ،

یہ وہ الفاظ ہیں جن سے ان لوگوں کو خطاب کیا جاتا ہے، جو سنتے اور سمجھتے ہوں، اگر انہیں اس طرح مخاطب نہ کیا جاتا تو ایسا ہوتا جیسے کسی معدوم اور بیجان کو خطاب کیا جاتا ہے، اس پر تمام سلف صالحین کا اجماع ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں ان کی روایات حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں، کہ:۔

جب کوئی زندہ شخص مردے کی زیارت کیلئے جاتا ہے تو وہ اُسے پہچانتا بھی ہے،
اور اس کے آنے سے خوش بھی ہوتا ہے،

چنانچہ ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جب کوئی شخص اپنے بھائی کی زیارت کے لئے آتا ہے، اور اس کے پاس بیٹھتا ہے، تو میت اس سے انس محسوس...... کرتی ہے، اور جواب دیتی ہے، یہاں تک کہ وہ وہاں سے اٹھ جاتا ہے،

ابوھریرہؓ سے روایت ہے، کہ
جب کوئی شخص کسی ایسے شخص کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے جس سے اس کی جان پہچان تھی، اور اسے سلام کرتا ہے تو میت اس کے سلام کا جواب دیتی ہے،

ابن کثیر کہتے ہیں۔ کہ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے، کہ میت کو اپنے زندہ رشتہ داروں اور بھائی بندوں کے اعمال کا بھی علم ہوتا ہے، چنانچہ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:۔ مجھ سے ثور بن یزید نے بیان کیا، ان سے ابراہیم نے، ان سے ایوب نے، الجیب کہتے ہیں:۔

زندوں کے اعمال مردوں پر پیش کئے جاتے ہیں، اگر ان کے اعمال نیک ہوں، تو وہ خوش ہوتے ہیں، اور اگر بُرے ہوں تو کہتے ہیں، خدایا اسے واپس لے جاؤ،

عـہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے استدلال سے یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے، کہ یہ آیات مقتولین بدر کے بارے میں نازل ہوئیں، حالانکہ یہ درست نہیں، اس لئے کہ یہ آیات مکی ہیں، اور مقتولین بدر کا واقعہ کافی عرصہ بعد مدینہ میں پیش آیا۔ لہذا مقتولین بدر کے عدم سماع پر ان آیات سے استدلال کرنا درست نہیں، مزید براں ان آیات میں کفار کو جو زندہ ہیں مردوں سے تشبیہ دی گئی، اور وجہ شبہ عدم انتفاع ہے اور بس، لـہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، اسیطرح مسلم نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں تشریف لے گئے تو فرمایا۔ اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ،

(نفح حاشیہ ص ۳۰)

ابن ابی الدنیا نے احمد بن ابی الحواری سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے، کہ میرے بھائی محمد نے مجھ سے بیان کیا کہ جس زمانہ میں ابراہیم بن صالح فلسطین کا حاکم تھا، تو عباد بن عباد م ۱۸۱ھ اس کے پاس آیا، ابراہیم نے کہا،، مجھے کوئی نصیحت کرو، اس نے جواب میں کہا،، خدا تمہارا بھلا کرے، میں کیا نصیحت کروں، مجھے تو یہ روایت پہنچی ہے، کہ زندوں کے اعمال ان کے رشتہ داروں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، اب تم خود دیکھ کہ تمہارے کس قسم کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوتے ہیں، یہ سن کر ابراہیم اسقدر رویا کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی،

آخر میں ابن کثیر کہتے ہیں، کہ اس بارے میں صحابہ سے بہت سی روایات پائی جاتی ہیں چنانچہ عبداللہ شہید ہو گئے تو ان کے رشتہ داروں میں سے ایک انصاری یوں کہا کرتا تھا،۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَمَلٍ اَخْزٰی بِهٖ عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ،

خدایا مجھے ایسے اعمال سے پناہ دینا کہ جن کی وجہ سے مجھے عبداللہ بن رواحہ کے پاس شرمندہ ہونا پڑے،

مزید براں شریعت نے مردوں کو سلام کہنے کا حکم دیا ہے، اور یہ بات مہمل معلوم ہوتی ہے، کہ ایسے شخص کو سلام کہا جائے جو نہ تو خود محسوس کرتا ہو، اور نہ سلام کرنے والے کو جانتا ہو، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم دی ہے، کہ جب قبروں کو دیکھو تو یوں کہو[ع] :۔

سَلَامٌ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، یَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَمِنْكُمْ وَالْمُسْتَاْخِرِیْنَ، نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِیَةَ،

اے ان گھروں میں رہنے والے مومنو! تم پر سلام ہو، ہم انشاء اللہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے، ہم میں سے اور تم میں سے جو لوگ پہلے ہو چکے ہیں، خدا ان پر رحم کرے، اور جو پیچھے رہ گئے ہیں ان پر بھی، ہم اپنے لئے بھی اور تمہارے لئے بھی عافیت... [ع]

ع تفسیر ابن کثیر: ۳ : ۴۷۲ بعد او کتاب الروح: ۷،

ل خطابی کہتے ہیں،۔ اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے، کہ مردوں اور زندوں کیلئے ایک جیسا سلام ہے، برخلاف زمانہ جاہلیت کے کہ وہ مردوں کو یوں سلام کیا کرتے ؎ علیك سلام اللّٰہ قیس بن عاصم،

ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ شعر تو زمانہ جاہلیت کا شعر نہیں، اس لئے کہ قیس بن عاصم جن کے متعلق یہ شعر ہے مشہور صحابی کا نام ہے، اور جس مرثیہ کا یہ شعر ہے وہ بھی مسلمان کا لکھا ہوا ہے، اس نے قیس بن عاصم کی وفات پر یہ مرثیہ کہا تھا، اسی قسم کی ابن سعد کی روایت ہے، کہ جن نے عمر بن الخطاب کا مرثیہ کہا، جس میں سے ایک شعر یہ ہے، ؎

عَلَیكَ السَّلَامُ مِنْ اَمِیْرٍ وَبَارَكَتْ یَدُ اللّٰهِ فِی ذَاكَ الْاَدِیْمِ الْمُمَزَّقِ (فتح الباری: ۱۱۱:۳)

راقم الحروف کہتا ہے، کہ حافظ نے دونوں شعروں کو نقل کرنے میں غلطی کھائی ہے، پہلا شعر یوں ہے :۔ ؎

عَلَیكَ سَلَامُ اللّٰهِ قَیْسَ بْنَ عَاصِمٍ وَرَحْمَتُهٗ مَا شَاءَ اَنْ یَتَرَحَّمَا

اور دوسرے شعر میں بجائے عَلَیكَ السَّلَامُ کے عَلَیكَ سَلَامٌ ہے، حافظ کا یہ کہنا کہ شعر عہد اسلامی کے ہیں درست ہے، مگر خطابی کا مقصد یہ ہے، کہ ان دونوں شاعروں نے جاہلیت کے زمانے کے طرز میں عَلَیكَ سَلَامٌ کہا ہے، مگر سنت طریقہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ کہنا ہے، جیسے کہ ہم آپس میں کہتے ہیں،

ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس قسم کا سلام، خطاب اور ندا تو ان لوگوں سے ہوتا ہے، جو موجود ہوں، سنتے ہوں، مخاطب ہوں، سمجھتے ہوں، اور جواب بھی دیتے ہوں، خواہ سلام کہنے والا جواب نہ سن سکتا ہو، واللہ اعلم،

یہاں پر ابن کثیر کا بیان ختم ہوتا ہے،

آپ نے دیکھ لیا کہ ابن کثیر نے احادیث کی رُو سے واضح طور پر یہ بتلا دیا ہے، کہ اموات ہمارے سلام کو سنتے ہیں، اور جواب بھی دیتے ہیں، مگر ہم ان کے جواب کو سُن نہیں سکتے، یہ اس لئے ہے، کہ ہمارے پاس سُننے والے کان ہی نہیں ہیں، جن لوگوں کے پاس سُننے والے کان ہو گئے ہیں، وہ ان کا جواب بھی سُنتے ہیں، نہیں بلکہ ان سے کلام بھی کر لیتے ہیں، مگر یہ عوام کی باتیں نہیں ہیں، خواص کی ہیں[1]،

---

[1] اولیاء کرام کے ہاں اس قسم کے بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں جن میں انہوں نے اموات سے کلام اور استفادہ کیا، چنانچہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں، (الفتاوی الحدیثیہ: ۲۵۹) تین مستند طریقوں سے مروی ہے، کہ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کچھ لوگوں کے ساتھ اپنے شیخ حماد (بن مسلم الرحبی) الدباس (م ۵۲۵ھ رمضان و دفن بالشونیزیۃ) کی قبر کی زیارت کو گئے، اور وہاں دیر تک رہے، پھر خوشی خوشی واپس آئے، آپ سے خوشی کا سبب پوچھا گیا، تو فرمایا، کہ ایک بار میں بغداد میں شیخ حماد کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لئے جا رہا تھا جب دریا کے پل پر پہنچا، تو آپ نے مجھے دریا میں دھکا دے دیا، جاڑے کا موسم تھا، اور آپ مجھے آزمانا چاہتے تھے، کہ میں سردی کو کہاں تک برداشت کرتا ہوں، مگر مجھ پر جاڑے اور سردیانی کا کوئی اثر نہ ہوا، اس پر حضرت حماد نے اپنے مریدوں سے کہا، یہ غیر متزلزل پہاڑ ہے، اب جو ان کی قبر پر آیا تو آپ کو اچھی حالت میں پایا، مگر ان کا دایاں ہاتھ حرکت نہ کرتا تھا، میں نے اُن سے اس کا سبب پوچھا، تو فرمایا، یہ وہی ہاتھ ہے جس سے میں نے تجھے دھکا دیا تھا، کیا اب بھی مجھے معاف کرتے ہو یا نہیں ہو میں نے عرض کیا کہ میں نے معاف کیا۔ حماد کہنے لگے پھر اللہ سے درخواست کرو، کہ میرے ہاتھ کو ٹھیک کر دے، لہٰذا میں دعا کرنے کے لئے ٹھہر گیا، اور پانچ ہزار ولی اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوئے، انہوں نے بھی اللہ سے درخواست کی کہ میری درخواست قبول ہو، میں اللہ سے یہ درخواست کرتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ہاتھ ٹھیک کر دیا، اور انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد بغداد کے مشائخ نے سید عبدالقادر سے اس بات کا ثبوت مانگا، سید عبدالقادر نے کہا کوئی دو آدمی منتخب کرو جن کی زبانی میں اس کا ثبوت پیش کر دوں، انہوں نے دو ایسے شخصوں کا نام دیا جو وہاں موجود تھے، اور کہا آپ کو ہم مہلت دیتے ہیں، سید عبدالقادر نے کہا کہ اب ان کی گواہی سنے بغیر یہاں سے نہ اٹھنا، ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی، کہ ایک شخص دوڑتا ہوا پہنچا۔ کہ ابھی شیخ حماد نے مجھے اللہ سے بطور گواہ طلب کیا، اور کہا اے یوسف! جلدی سے شیخ عبدالقادر کے مدرسہ میں جاؤ، اور ان مشائخ سے جو وہاں ہوں، کہہ دو، کہ عبدالقادر نے سچ کہا ہے، ابھی اس کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ دوسرا شخص بھی آ پہنچا، اسی تمام مشائخ استغفار کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں، (تفسیر مظہری: ۶: ۶۲ سورہ کہف) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اگر خضر زندہ ہوتے تو آنحضرت کی صحبت سے الگ نہ رہتے کیونکہ آنحضرت کی بعثت تمام لوگوں کے لئے تھی، اسی لئے آنحضرت فرماتے ہیں، اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو میری تابعداری کے سوا ان کے لئے کوئی چارہ نہ ہوتا، اسے احمد اور بیہقی نے شعب الایمان میں جابر سے روایت کیا ہے، اور حضرت عیسیٰ جب اتریں گے تو مسلمانوں میں سے ایک شخص کی اقتدا کریں گے، مسلم کی حدیث میں جو عن ابو ہریرہ عن جابر مروی ہے اسی طرح دیا ہے، اس اشکال کا حل مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے سوا کہیں نہیں ملتا، کیونکہ جب ان سے خضر کے زندہ یا مردہ ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا، (باقی صفحہ ۴۲ پر)

بیضاوی کی تفسیر | قاضی ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ فرماتے ہیں[1]،

(اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی) تعلیل اٰخر للامر من حیث انہ یقطع طمعہ عن مشایعتہم ومعاضدتہم رأساً شبّھوا بالموتٰی لعدم انتفاعھم باستماع ما یتلٰی علیھم کما شبّھوا بالصُّمّ فی قولہ (ولا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ) فان اسماعھم فی ھٰذہ الحالۃ ابعد۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ "اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی" (آپ ان مردوں کو نہیں سنا سکتے)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پر توکل کرنے کا حکم دینے کی ایک اور وجہ بیان کر دی ہے، تاکہ آپ ان کے ساتھ دینے اور مدد کرنے سے قطعی طور پر امید ہٹالیں، ان کفار کو مردوں سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے، کہ جس طرح مردوں کو سنانے سے کوئی فائدہ نہیں اسی طرح، جو قرآن ان کو سنایا جاتا ہے، اس سے یہ فائدہ نہیں اٹھاتے، بعینہٖ اسی طرح جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان" وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ" میں انہیں بہروں سے تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ اس حالت میں کوئی بات سنانا اور بعید ہے۔

یہاں پر بیضاوی نے بتلایا ہے، کہ سنانے سے یہاں مراد ایسا سنانا ہے، جس پر فائدہ مترتب ہو سکے مطلق سننے کی نفی نہیں راقم کہتا ہے کہ اس آیت کا مفہوم وہی ہے، جو آیت اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ کا ہے، چنانچہ ملّا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکٰوۃ میں یہی دیا ہے[2]،

شوکانی کی تفسیر | قاضی شوکانی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

(۱) وظاھر نفی اسماع الموتٰی العموم فلا یخص منہ الا ما ورد بدلیل کما ثبت فی الصحیح انہٗ صلی اللہ علیہ وسلم خاطب القتلٰی فی قلیب بدر فقیل لہٗ یا رسول اللہ انما تکلم اجساداً لا ارواح لھا، وکذلک ما ورد ان المیت یسمع خفق نعال المشیعین لہٗ اذا انصرفوا۔

قرآن مجید کے ظاہری الفاظ سے یوں معلوم ہوتا ہے، کہ سماع موتٰی کی نفی میں عموم پایا جاتا ہے، لہٰذا اسماع موتٰی کو بغیر دلیل کے مخصوص نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے کنوئیں میں مقتولین کو جب مخاطب کیا، تو آپ سے عرض کیا گیا، کہ یہ تو بے روح اجسام ہیں، جن سے آپ کلام کر رہے ہیں، اسی طرح یہ بھی وارد ہے، کہ جب جنازہ کے ساتھ آنے والے واپس جاتے ہیں، تو میت ان کے جوتوں کی آواز سنتی ہے،

(۲) عن ابن عباسؓ قال نزلت ھٰذہ الاٰیۃ فی دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاھل بدر وبالاسناد ضعیف، والمشھور فی الصحیحین وغیرھما ان عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا استدلت

(بقیہ ص ۴۱) تو انہوں نے معلوم کرنے کے لئے حق سبحانہٗ کی طرف توجہ کی، بس اسی وقت خضرؑ موجود ہو گئے بعدہٗ صاحب خضرؑ سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ خضرؑ نے جواب دیا، کہ میں اور الیاسؑ دونوں زندہ نہیں ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو طاقت دے رکھی ہے جس سے ہر جسم اختیار کر لیتے ہیں، زندوں کے سے کام کرتے ہیں۔ مثلاً گمراہ کو راہ پر لانا، غمزدہ کی فریاد رسی کرنا، جب اللہ چاہے، علم لدنی کی تعلیم جو مجھے اللہ چاہے نسبت دینا، اللہ نے ہمیں قطب مدار کے لئے مددگار مقرر کر رکھا ہے، یعنی وہ قطب جس پر عالم کا مدار ہے، پھر کہا، کہ آجکل قطب یمن میں ہے وہ فقہ شافعی کا پیرو ہے، ہم بھی قطب کیا تھے شافعی مذہب کے مطابق نماز پڑھتے ہیں قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ صحیح کشف سے تمام اقوال میں موافقت ہو گئی اور اشکال رفع ہو گیا والحمد للہ الکبیر المتعال، (۱) تفسیر بیضاوی مسمی بانوار التنزیل واسرار التاویل ج ۲ ص ۲۷۴، ۲۷۵ حیات الموات: ۲۱ ص ۴۳ فتح القدیر ج ۴ ص ۱۳۶،

بھذہ الآیۃ علی ردّ روایۃ من روی من الصحابۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم[*] لما قیل لہ انّکَ تنادی أجساداً بالیۃً " مَا انتم باسمع لما أقول منھم

وفی مسلم من حدیث انس ان عمر بن الخطاب لما سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینادیھم فقال :- یارسول اللہ تنادیھم بعد ثلاث وھل یسمعون یقول اللہ :- " انّکَ لا تسمع الموتیٰ "، فقال :- والذی نفسی بیدہٖ ما انتم باسمع منھم ولکنھم لا یطیقون ان یجیبوا[1]

ابن عباس سے مروی ہے، کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ نے اہل بدر کو پکارا،

مگر اسکی اسناد ضعیف ہے، صحیحین اور دیگر کتب احادیث میں مشہور یوں ہے، کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کا رد کیا جنہوں نے یہ روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کو پکارا، یہاں پر خاص کا رد کرنے کے لئے عام سے استدلال کیا گیا ہے، حالانکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، کہ آپ تو بوسیدہ جسموں کو پکار رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا :- جو میں کہہ رہا ہوں۔ تم اسے ان سے بہتر نہیں سن رہے

صحیح مسلم میں حضرت انس کی حدیث ہے، کہ جب حضرت عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقتولین بدر کو پکارتے ہوئے سنا تو عرض کیا :- یارسول اللہ آپ انہیں تین دن کے بعد پکار رہے ہیں؟ اور کیا یہ سن رہے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا :- قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم ان سے بہتر نہیں سن رہے۔ مگر یہ جواب نہیں دے سکتے،

اس بیان میں قاضی شوکانی نے اسماع موتی کی نفی کی ہے، مگر اس میں بعض مواقع کو مستثنیٰ قرار دیکر سماع موتیٰ کو مانا بھی ہے، اس عام نفی اور پھر متعدد مقامات کو مستثنیٰ قرار دینے کے متعلق ہم سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان آگے چل کر پیش کرینگے،

مقتولین بدر کا واقعہ مختصراً یوں ہے :- ۲ھ میں بدر کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کفار مکہ سے جنگ ہوئی، کفار کو شکست ہوئی اور ان کے ستر آدمی مارے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نعشوں کو کنوئیں میں پھینک دینے کا حکم دیا، تین دن کے بعد آپ کنوئیں پر تشریف لائے، اور مقتولین بدر کو نام لے کر مخاطب کیا، اور کہا :- جو وعدہ اللہ نے ہم سے کیا تھا، ہم نے تو اسے سچا پایا۔ اس پر حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ آپ انہیں پکار رہے ہیں۔ یہ تو مُردہ ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- یہ تم سے بہتر سُنتے ہیں، مگر تمہیں جواب نہیں دے سکتے، اس حدیث میں بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، کہ مُردے سنتے ہیں، خواہ میت مومن ہو خواہ کافر، یہاں پر آنحضرت نے کفار کو خطاب کیا تھا، ہم آگے چل کر اس حدیث پر پھر بحث کریں گے،

ابن قیم کا بیان ابن قیم فرماتے ہیں :-

[*] (حاشیہ) نادی اھل قلیب بدر وھو من الاستدلال بالعام علی رد الخاص فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] :- فتح القدیر : ۴ : ۲۲۵ ؛ [2] کتاب الروح : ۵۵ ،

اب رہی یہ آیت " وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ " اس کے سیاق و سباق سے تو یہی معلوم ہوتا ہے، کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے، کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کافر کو جس کا دل مر چکا ہے، اپنا کلام اس طرح نہیں سنا سکتے، کہ اسے اس سے فائدہ ہو، بعینہٖ اسی طرح جس طرح آپ قبروں والوں کو کوئی بات اس طریقے سے نہیں سنا سکتے، کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہ مقصد قطعاً نہیں، کہ مُردے قطعاً کچھ سنتے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی یہ مراد کیسے ہو سکتی ہے، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا ہے، کہ مقتولین بدر نے آپ کا کلام وخطاب سنا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اموات کو سلام کہنے کا اسی طرح حکم دیا ہے، جس طرح کہ کسی سننے والے موجود اور مخاطب شخص کو سلام کہتے ہیں، نیز یہ بھی بتلایا کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کو سلام کہتا ہے۔ وہ اس کا جواب بھی دیتا ہے،

یہ آیت اسی طرح کی ہے جس طرح یہ آیت :-

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ؕ

یوں بھی کہا جا سکتا ہے، کہ بہروں کو سنانے کی نفی کرنے کے ساتھ مردوں کو سنانے کی نفی کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اس سے مراد یہ ہے، کہ دونوں میں سننے کی اہلیت ہی نہیں پائی جاتی، ان کافروں کے دل چونکہ مُردہ اور بہرے ہیں، اس لئے انہیں سنانا بھی اسی طرح محال ہوا جس طرح مُردے اور بہرے کو خطاب کرنا، یہ مفہوم درست ہے لیکن اس سے مرنے کے بعد روحوں کو بطور زجر و توبیخ کوئی بات سنانے کی نفی نہیں ہوتی، اس لئے کہ بدنوں کے ساتھ ارواح کا تعلق کسی نہ کسی وقت قائم ہوتا ہے، اور یہ سماع وہ ... اسماع نہیں جس کی نفی کی گئی ہے، واللہ اعلم، لہٰذا حقیقی معنی یوں ہوئے کہ جسے اللہ تعالیٰ سنانا نہ چاہیں، اسے آپ سنا نہیں سکتے، آپ کا کام تو صرف ڈرانا ہے، مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ڈرانے کی قدرت دی ہے، اور اللہ نے آپ کو اسی کا مکلف بنایا ہے، اس بات کا مکلف نہیں بنایا، کہ جنہیں اللہ نہ سنانا چاہے، آپ اسے سنا دیں،

قاضی ابوبکر بن العربی کا بیان | قاضی ابوبکر ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ احکام القرآن میں فرماتے ہیں[۱]،

(چوتھا مسئلہ) ابن القاسم اور ابن وہب نے اللہ تعالیٰ کے فرمان :-

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ ،

کے بارے میں مالک سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکوں کو جنہیں بدر کے کنوئیں میں ڈال دیا گیا تھا، فرمایا :-

ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا، ہم نے اسے سچا پایا، تمہارے رب نے جو تم سے وعدہ کیا تھا، کیا تم نے بھی اسے سچا پایا۔

اس پر صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ تو مُردہ ہیں۔ کیا یہ سنتے ہیں؟

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جو میں کہہ رہا ہوں اسے یہ سن رہے ہیں،

قتادہ کہتے ہیں، کہ اللہ نے ان کفار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے زندہ کر دیا تھا،

---

[۱] : احکام القرآن : ۱: ۳۴۵ زیر آیت وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ ؕ

یہ ایک عجیب مسئلہ ہے، جسے ہم نے کتاب الشکلین میں وضاحت سے بیان کر دیا ہے، اور وہاں ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ موت کے...... معنی عدم محض اور فنا نہیں، موت تو صرف ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونے اور ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونے کا نام ہے، اگر ہم روح کو جسم مانیں تو یہ بذات خود جسم سے الگ ہو جاتی ہے، ...... اور اگر عرض ہو تو پھر روح کیلئے جسم کا کوئی نہ کوئی ایسا حصہ ہونا ضروری ہے، جو روح کو اٹھائے رہے، اور وہ دُم کی جڑ ہے جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ زمین دُم کی جڑ کے سوا انسان کے تمام اعضاء کو کھا جاتی ہے، اسی سے اسے پیدا کیا گیا، اور اسی سے اسے پھر جوڑا جائے گا اور نفخ ہی تو ہے، جو سنتی، یاد رکھتی، جانتی اور قبول کرتی ہے، مگر اللہ تعالےٰ جیسا چاہیں ادراکات کو پیدا کر دیتے ہیں، لہٰذا اہل دنیا کے لئے اللہ تعالےٰ نے آخرت کا ادراک پیدا نہیں کیا، اور نہ ہی اہل آخرت کے لئے دنیا کا ادراک پیدا کیا ہے، مگر جب اللہ تعالیٰ چاہیں۔ اہل آخرت کو دنیا کا حال سنا دیتے ہیں، چنانچہ حدیث میں آیا ہے، کہ جب میت کے گھر والے واپس جاتے ہیں، تو وہ ان کے جوتوں کی کی آواز سنتی ہے، اور پھر اس کے پاس فرشتے آتے ہیں الحدیث،

یہ بھی ثابت ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل بدر کے متعلق کہا گیا کیا آپ ان لوگوں سے کلام کرتے ہیں، جو مردار ہو چکے، تو فرمایا،۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم اسے ان سے بہتر نہیں سن رہے، مگر انہیں جواب دینے کی اجازت نہیں،

اس واقعہ کے متعلق حضرت حسان فرماتے ہیں[1]

فَنَادَيْنَا اَبَا جَهْلٍ صَرِيْعًا	وَعُتْبَةَ قَدْ تَرَكْنَا بِالْجُبُوْبِ
وَشَيْبَةَ قَدْ تَرَكْنَا فِيْ رِجَالٍ	ذَوِيْ حَسَبٍ اِذَا نُسِبُوْا حَسِيْبُ
يُنَادِيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَمَّا	قَذَفْنَاهُمْ كَبَاكِبَ فِي الْقَلِيْبُ
اَلَمْ تَجِدُوْا كَلَامِيْ كَانَ حَقًّا	وَاَمْرُ اللّٰهِ يَاْخُذُ بِالْقُلُوْبُ
فَمَا نَطَقُوْا وَلَوْ نَطَقُوْا لَقَالُوْا	صَدَقْتَ وَكُنْتَ ذَا رَاْيٍ مُصِيْبُ

ہم نے ابوجہل کو پچھاڑا، عتبہ کو زمین پر پڑا ہوا چھوڑا، شیبہ کو حسب و نسب والے لوگوں میں چھوڑا، جب ہم نے انہیں اکٹھا کر کے کنوئیں میں پھینک دیا۔ تو رسول اللہ نے انہیں پکار کر کہا،۔ کیا تم نے میری باتوں کو سچ نہیں پایا۔ اور اللہ کا حکم دلوں کو پکڑتا ہے، مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور اگر بولتے تو ضرور کہتے کہ آپ نے سچ کہا تھا، اور آپ صحیح فرماتے تھے،

قاضی ثناء اللہ کا بیان بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ متوفی سنہ ۱۲۲۵ھ فرماتے ہیں[2]،

"اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى" الموتٰی سے مراد کفار ہیں، انہیں مردوں سے اس لئے تشبیہہ دی گئی ہے، کہ جو کلام الٰہی انہیں پڑھ کر سنایا جاتا ہے، یہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے، قاضی صاحب اس کے بعد آیت،۔

---

[1] احکام القرآن: ۱: ۳۴۶: البدایہ والنہایہ: ۳: ۲۵۴ [2] تفسیر مظہری سورۃ نمل ص۱۳۰ آیت اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ؎:-

پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ مردے اللہ کے حکم سے آواز سنیں گے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو مُردے اور جمادات سننے میں زندوں کی طرح ہیں، اس لئے کہ تمام موجودات میں کسی نہ کسی طرح کی زندگی ضرور پائی جاتی ہے جیسا کہ ہم نے سُورۂ مُلک کی تفسیر میں بیان کر دیا ہے، اور اس بات پر اجماع ہے، کہ عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوگا اس کے بعد قاضی صاحب نے شیخین کی وہی حدیث دی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کا پر کھڑے ہو کر ایک ایک کا نام لیکر پکارا اور کہا۔ کیا اللہ کے وعدے کو تم نے سچا پایا۔ کیوں کہ جو وعدہ مجھ سے کیا گیا تھا میں نے تو اسے سچ پایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا:- یا رسول اللہ آپ بے رُوح جسموں سے کیسے کلام فرما رہے ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا جو میں کہہ رہا ہوں اسے تم ان سے بہتر نہیں سن رہے، مگر وہ مجھے جواب نہیں دے سکتے،

علامہ حلبی کا بیان | علامہ حلبی سیرۃ انسان العیون میں فرماتے ہیں ؎

السماع المنفي في الآية بمعنى السماع النافع وقد اشار الى ذلك الحافظ الجلال السيوطي بقوله:

سماع موتى كلام الخلق حق وقد — جاءت بها عندنا الآثار بالكتب

وآية النفي معناها سماع هدى — لا يقبلون ولا يصغون للادب

جس سماع کی آیت میں نفی کی گئی ہے، اس سے ایسا سماع مراد ہے جس سے نفع مترتب ہو سکے، حافظ سیوطی نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:-

تمام مخلوق کے کلام کو مردوں کے سننے کے متعلق کتابوں میں حدیثیں موجود ہیں، اب رہی آیت اس میں جس سماع کی نفی کی گئی ہے، ایسا سماع ہے جس سے وہ ہدایت پا سکیں، اس لئے کہ وہ نہ تو کوئی بات قبول کرتے ہیں۔ اور نہ اصلاح کی طرف کان لگاتے ہیں،

نسفی کا بیان | ابوالبرکات نسفی تفسیر مدارک میں زیر آیت سورہ فاطر فرماتے ہیں ؎:-

شَبَّهَ الْكُفَّارَ بِالْمَوْتٰى حَيْثُ لَا يَنْتَفِعُونَ بِمَسْمُوعِهِمْ

کفار کو مردوں سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے، کہ جس طرح مُردے سنتے ہیں مگر فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اسی طرح یہ کفار سنتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے فائدہ نہیں اٹھاتے،

شاہ عبدالقادر کا بیان | شاہ عبدالقادر برادر شاہ عبدالعزیز مُوضح القرآن میں زیر آیۃ کریمہ

وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ،

؎۔ تفسیر مظہری: ۹: ۷۷، سورۃ ق آیت ۴۱ - ۴۲۔ ترجمہ: تمہیں جس دن منادی کرنیوالا قریب جگہ سے منادی کریگا اس دن یہ ناحق آواز سنیں گے، یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا ؎ حیات الموات، ۲۱-۲۲، یہ شعر حیات الموات میں اس طرح دیا ہے مگر اس سے وزن گرتا ہے، سماع موتی کلام الخلق قاطبة * قد صح لنا الاخبار بالكتب، ؎ حیات الموات: ۲۱، نوٹ صحت شعر یوں ہے،

فرماتے ہیں[۱]۔ حدیث میں آیا ہے، کہ مردوں سے سلام کرو وہ سنتے ہیں،

مفسرین کے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہوگیا ہوگا، کہ اس آیت میں مطلق سماع کی نفی نہیں پائی جاتی اور پھر کچھ آیت کا تعلق کفار کے ساتھ ہے، کیونکہ کفریات خود موت ہے، اور کافر خود بھی مردہ اور اس کا دل بھی مُردہ ہے، مگر مومن زندہ ہے، اور اس کا دل بھی زندہ ہیں،

اب میں ان احادیث کو پیش کروں گا جن میں سننے کا ذکر واضح طور پر آیا ہے، لہذا میں سب سے پہلے اسی حدیث کو لیتا ہوں، جس کا ذکر کئی بار پہلے آچکا ہے،

شیخین کی روایت شیخین نے حضرت انسؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کی ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقتولین بدر پر کھڑے ہوئے اور ان میں سے ایک ایک کا نام لیکر پکارا، اور کہا کہ جو وعدہ مجھ سے اللہ نے کیا تھا، اسے میں نے تو سچ پایا کیا تم نے بھی اس وعدہ کو جو تم سے کیا گیا تھا سچ پایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا:۔

آپ ان مُردہ بدنوں سے جن سے روحیں نکل چکی ہیں، کیسے بات کر رہے ہیں؟

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم اسے ان سے بہتر نہیں سن رہے۔ مگر یہ جواب نہیں دے سکتے[۲]،

حافظ ابن حجر کا بیان حافظ ابن حجر نے اپنے دستور کے مطابق اس حدیث پر دو جگہ مفصل بحث کی ہے[۳]، جسے میں قارئین کے افادہ کے لئے پیش کرتا ہوں،

تیسری حدیث حضرت عائشہؓ کی ہے جس میں فرماتی ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا تھا۔

إِنَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ الْآنَ أَنَّ مَا كُنْتُ أَقُوْلُ لَهُمْ حَقٌّ ،

انہیں اب معلوم ہوگیا ہے، کہ جو کچھ میں انہیں کہا کرتا تھا سچ تھا،

حضرت عائشہؓ نے ابن عمرؓ کی مذکورہ روایت کو رد کرنے کے لئے یہ طرز اختیار کیا تھا۔ چونکہ ابن عمرؓ کی روایت دیگر راویوں کی روایت سے موافق ہے، اس لئے جمہور نے حضرت عائشہ کی مخالفت کی ہے، اور ابن عمر کی روایت کو قبول کیا ہے،

حضرت عائشہ نے "إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى" سے جو استدلال کیا ہے، اس کے جواب میں علماء نے یہ کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں، کہ آپ انہیں اس طرح نہیں سنا سکتے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں، یا اس سے مراد یہ ہے کہ آپ انہیں نہیں سنا سکتے، مگر اگر اللہ چاہے تو سنا سکتے ہیں،

سہیلی کہتے ہیں۔ کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے تھے، اس وقت حضرت عائشہؓ تو موجود نہ

---

[۱]:۔ حیات الموات: ۲۱، [۲] بخاری: ۲: ۱۸۱ شرح الصدور: ۶۲، اور کتاب الروح: ۴ ایک روایت میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین دن گذر جانے کے بعد چاہ بدر پر تشریف لائے تھے،

[۳]:۔ فتح الباری: ۳: ۱۸۱ – ۱۸۲،

تھیں، لہٰذا جو لوگ اس وقت موجود تھے، انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ زیادہ اچھی طرح یاد ہوں گے، حالانکہ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تھا۔ کیا آپ ان لوگوں کو مخاطب کر رہے ہیں جو مردار ہو چکے۔ تو آپ نے فرمایا:۔ تم میری بات کو ان سے بہتر نہیں سن رہے، پھر کہتے ہیں:۔ جب ان کا اس حالت میں عالم ہونا جائز قرار پایا۔ تو ان کا سننا بھی جائز ہے خواہ اپنے سر کے کانوں سے جیسا کہ جمہور کا قول ہے، خواہ روح کے کانوں سے جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ سوال صرف روح کو ہوگا۔ اور روح جسم میں لوٹے گی، سہیلی کہتے ہیں۔ کہ اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ کا ہے، مطلب یہ ہے کہ خدا ہی سنا سکتا ہے، اور وہی ہدایت کر سکتا ہے، انتہیٰ۔

ابن حجر فرماتے ہیں:۔ کہ سہیلی کا یہ کہنا کہ حضرت عائشہؓ اس موقعہ پر موجود نہ تھیں، درست ہے، مگر اس سے ان کی روایت میں خلل نہیں آتا۔ کیونکہ یہ صحابی کی مرسل حدیث کی طرح ہے، کیونکہ ہم اسے یوں سمجھ لیں گے۔ کہ حضرت عائشہؓ نے یہ الفاظ ایسے شخص سے سنے ہوں گے۔ جو اس وقت وہاں موجود تھا۔ یا ہو سکتا ہے کہ بعد میں آنحضرت ﷺ سے ہی سن لئے ہوں، اگر اس سے حضرت عائشہؓ کی روایت میں خلل آتا ہے، تو ابن عمر کی روایت میں بھی خلل آنا چاہیئے اس لئے کہ وہ بھی تو اس وقت موجود نہ تھے، اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں قسم کے الفاظ کہے ہوں۔ کیونکہ ان میں کوئی تعارض نہیں پایا جاتا،

ابن تین کہتے ہیں۔ کہ اس آیت اور ابن عمر کی حدیث میں کوئی مخالفت نہیں پائی جاتی کیونکہ مردے یقیناً نہیں سنتے لیکن جب اللہ تعالیٰ چاہیں کہ نہ سننے والے کو سنائیں تو کوئی ممانعت نہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ (الآیہ)

ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اپنی امانت پیش کی۔ نیز فرمایا:۔

فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا

آسمان اور زمین کو کہا خواہ اپنی خوشی سے آؤ خواہ ناخوشی سے،

ہم باب المغازی میں قتادہ کا قول نقل کریں گے، کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا تھا۔ تاکہ وہ آپ کے کلام کو توبیخ اور عذاب کے طور پر سن لیں۔ انتہیٰ،

ابن جریر اور کرامیہ کی ایک جماعت نے اس قصہ سے یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ قبر میں سوال صرف بدن سے ہوگا۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اس میں ایسی قوت پیدا کر دیں گے۔ کہ وہ سنے گا بھی، اسے علم بھی ہوگا۔ لذت بھی محسوس کریگا اور درد بھی،

ابن حزم اور ابن ہبیرہ اس طرف گئے ہیں۔ کہ سوال صرف روح کو ہوگا۔ اور وہ بدن میں لوٹائی نہ جائے گی،

جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ روح یا تو تمام بدن میں لوٹائی جاتی ہے، یا جزو بدن میں جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے، اگر سوال صرف روح سے ہونا ہوتا، تو بدن کی خصوصیت کہاں رہی۔

خواہ جسم کے اعضاء منتشر کیوں نہ ہو جائیں تب بھی روح جزو بدن میں لوٹ سکتی ہے

میت کے اجزاء کا منتشر ہو جانا روح کے لوٹنے سے مانع نہیں آ سکتا۔ کیونکہ اللہ کو قدرت ہے، کہ وہ بدن کے کسی ایک حصے میں زندگی لوٹا دے

اور ایسے سوال ہوسکے ، اللہ تو اس کے اجزاء کو اکٹھا کرنے پر بھی قادر ہے ، ان لوگوں کو جس بات نے یہ کہنے پر مجبور کیا ہے ، کہ سوال صرف روح کو ہوگا ، یہ امر ہے کہ بعض اوقات مشاہدہ میں آیا ہے ، کہ سوال کے وقت میت کے بٹھانے وغیرہ کا اثر نہیں ہوتا ، اور نہ ہی قبر میں تنگی یا وسعت وغیرہ ہوتی ہے رہی حال ان لوگوں کا ہے جنہیں دفن نہیں کیا جاتا ، مثلاً جسے پھانسی دیا جائے ،

ان لوگوں کا جواب یہ ہے ، کہ قدرت الٰہیہ کیلئے یہ بات ناممکن نہیں ، بلکہ ہم عام طور پر اس کی مثالیں دیکھتے رہتے ہیں مثلاً سویا ہوا شخص خواب میں لذت بھی محسوس کرتا ہے ، اور درد بھی مگر اس کے پاس بیٹھا ہوا آدمی اسے معلوم نہیں کر سکتا بلکہ یوں بھی ہوتا ہے ، کہ ایک بیدار شخص جو باتیں سنتا ہے ، یا سوچتا ہے ، ان کی لذت یا ان کا درد محسوس کرتا ہے ، مگر اس کے پاس بیٹھا ہوا شخص اسے معلوم نہیں کر سکتا ، ان لوگوں کو غلطی اس لئے لگی ہے ، کہ انہوں نے غیر موجود کا قیاس موجود سے کیا ۔ اور موت کے بعد کے حالات کو موت سے پہلے کی طرح سمجھا ، یہ واضح ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مخلوق کی بینائی اور شنوائی کو ان امور کے مشاہدہ سے روک دیا ہے ، اور ان پر رحم کیوجہ سے یہ امور ان پر مخفی رکھے ہیں ۔ ہمارے دنیوی اعضاء میں اخروی امور کو سمجھنے کی قدرت نہیں ، سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ نے قدرت دی ہے[1] ،

جمہور کے عقیدہ کا ثبوت احادیث میں ملتا ہے ، مثلاً آنحضرتؐ کا یہ فرمانا ،

اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ (مردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے)

اور ۔ تَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ لِضَمَّةِ الْقَبْرِ ،

(اسکی پسلیاں قبر کے بھینچنے کی وجہ سے ایک دوسرے کے اندر گھس جاتی ہیں)

اور ۔ يَسْمَعُ صَوْتَهٗ اِذَا ضَرَبَهٗ بِالْمِطْرَاقِ ،

(جب اسے ہتھوڑا مارا جاتا ہے ، تو اس کی آواز سنائی دیتی ہے)

اور ۔ يَضْرِبُ بَيْنَ اُذُنَيْهِ ، (اسکے دونوں کانوں کے درمیان مارتا ہے)

اور ۔ فَيُقْعِدَانِهٖ ، (وہ دونوں اسے بٹھاتے ہیں ،)

یہ تمام امور جسم کی صفات سے ہیں ۔

اسی حدیث کے متعلق دوسرے مقام پر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں[2] ،

حضرت عائشہؓ کے پاس ذکر کیا گیا ، کہ ابن عمرؓ نے مقتولین بدر کے متعلق یہ ذکر کیا ، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ کہ وہ اس وقت سن رہے ہیں ، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا ۔ آنحضرت نے تو فرمایا تھا ، اَلْاٰنَ لَيَعْلَمُوْنَ انہیں اب علم ہو گیا ہے ، اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے یہ آیت پڑھی ،

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ

یعنی جب وہ دوزخ میں اپنے اپنے مقام پر پہنچ چکے ہوں گے ،

---

[1] یہاں اصحاب کشف وکرامات مراد ہیں ، کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ ان امور کو کھول دیتے ہیں ، جیسا کہ بیان ہو چکا ، چنانچہ وہ اہل قبور کے حالات دیکھتے بھی ہیں ، اور ان سے کلام بھی کر لیتے ہیں ، [2] فتح الباری ، ۷ : ۲۳۲ ،

حافظ فرماتے ہیں۔ کہ عروہ (راوی حدیث) کا مقصد حضرت عائشہؓ کی مراد کو واضح کرنا ہے۔ لہٰذا اس نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى،
میں سماع کی جو مطلق نفی کی گئی ہے۔ اس میں یہ قید پائی جاتی ہے کہ جب وہ دوزخ میں پہنچ چکے، پھر نہیں سن سکتے لہٰذا حضرت عائشہ کے انکار اور ابن عمرؓ کے قول میں کوئی مخالفت نہیں۔

بیہقی کہتے ہیں۔ علم سے سماع کی نفی نہیں ہوتی ہے آیت کے مفہوم سے جو اشکال پیدا ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے، کہ مردہ ہونے کی حالت میں وہ نہیں سنتے مگر اللہ نے انہیں زندہ کیا۔ اور انہوں نے سُنا۔ جیسا کہ قتادہ نے کہا ہے، اکیلے عمر اور ان کے بیٹے نے یہ روایت نہیں کی، بلکہ ابوطلحہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے، جیسا کہ بیان ہو چکا، طبرانی نے اسی طرح کی حدیث ابن مسعود سے روایت کی ہے، عبداللہ بن سیدان کی حدیث میں بھی یہی دیا ہے، اور معاں اسی طرح ہے،

صحابہ نے عرض کیا۔ کیا یہ سنتے ہیں، آپ نے جواب دیا۔ جس طرح تم سنتے ہو، اسی طرح یہ بھی سنتے ہیں، مگر یہ جواب نہیں دیتے ابن مسعود کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں،۔ لیکن آج وہ جواب نہیں دیتے،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتی کے انکار سے رجوع کیا،

عجیب بات یہ ہے، کہ ابن اسحاق کے مغازی میں یوسف بن بکیر نے عمدہ سند سے حضرت عائشہ سے وہی الفاظ مروی ہیں، جو ابوطلحہ کی حدیث میں ہیں، یعنی
مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ،

احمد نے بھی سند حسن سے اس حدیث کی روایت کی ہے،

اگر یہ روایت محفوظ ہے، تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ حضرت عائشہؓ نے سماع موتی کے انکار سے رجوع کیا ہے اس لئے کہ وہ خود تو اس موقعہ پر موجود نہ تھیں مگر ان صحابہ کی روایت سے ان کے نزدیک یہ بات ثابت ہو گئی تھی،

اسماعیلیؒ کہتے ہیں، حضرت عائشہ انتہا درجہ کی صاحب فہم و فراست تھیں، انہوں نے کثرت سے احادیث روایت کی ہیں وہ علم کی گہرائیوں تک پہنچتی ہیں، لیکن ثقہ کی روایت کو رد کرنے کے لئے ویسی ہی صریح نص ہونی چاہیئے جس سے یا تو نسخ ثابت ہو یا تخصیص یا استحالہ، مگر یہاں تو دونوں روایتوں میں مطابقت کی جا سکتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى" آنحضرت کے فرمان کہ وہ اب سن رہے ہیں کے منافی نہیں ہے، اس لئے کہ اسماع یہ ہے، کہ سنانے والا سننے والے کے کان میں آواز پہنچا دے، اور یہاں خدا ہی انہیں سنانے والا ہے، اس طرح کہ اللہ نے اپنے نبی کی آواز ان تک پہنچا دی،

حافظ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں اختلاف ہے، کہ "اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى" میں موتی سے اور "مَنْ فِي الْقُبُوْرِ"

---

[1] حضرت عائشہ کی مراد یہ ہے کہ جب کفار دوزخ میں پہنچ گئے، تو پھر سن نہیں سکتے، اور ابن عمر کی مراد ہے، جب کفار کو سوال ہو رہا ہو، واضح ہو کہ یہ صرف کفار کے اموات کے متعلق ہے، ورنہ مسلمان میت کیلئے واضح حدیث موجود ہے، کہ جب کوئی اس کی قبر پر آکر سلام کرتا ہے، تو وہ سلام سنتا بھی ہے، اور جواب بھی دیتا ہے، جیسا کہ ابن کثیر کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے، لہٰذا نفی سماع کا تعلق صرف کفار کے ساتھ ہوا، مومنین کیساتھ نہیں، عـه احمد بن ابراہیم اسماعیلی متوفی ۳۷۱ھ عمر ۹۴ سال ۶

سے کیا مراد ہے، حضرت عائشہؓ نے تو اسے حقیقی معنوں میں لیا ہے، اور اسے اصل قرار دیا ہے، اسی لئے تو انہیں آنحضرت کے فرمان "مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ" کی تاویل کرنی پڑی، بعض کہتے ہیں کہ یہاں مجازی معنی مراد ہیں "موتیٰ" اور "مَنْ فِی الْقُبُوْرِ" سے مراد کفار ہیں، کفار کو باوجود زندہ ہونے کے مُردوں سے تشبیہ دی گئی،

حضرت انسؓ کی روایت قتادہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔[۱]

اِنَّ الْمَیِّتَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحَابُہٗ اِنَّہٗ لَیَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِھِمْ

(جب لوگ میّت کو قبر میں رکھ کر واپس جانے لگتے ہیں۔ تو میت ان کے جوتوں کی آواز سنتی ہے)

مسند ابو حاتم کی روایت مسند اور ابو حاتم کی صحیح میں ابوہریرہ سے مروی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ الْمَیِّتَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ اِنَّہٗ لَیَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِھِمْ حِیْنَ یُوَلُّوْنَ عَنْہُ[۲]

بیہقی کی روایت بیہقی نے بسند حسن ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ الْمَیِّتَ یَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِھِمْ حِیْنَ یُوَلُّوْنَ ثُمَّ قَالَ یُجْلَسُ فَیُقَالُ لَہٗ مَنْ رَبُّکَ[۳]،

جب لوگ میت کو دفنا کر واپس جا رہے ہوتے ہیں، تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتی ہے، اس کے بعد اسے بٹھلا دیا جاتا ہے، اور پوچھا جاتا ہے، کہ تمہارا رب کون ہے،

عبید بن مرزوق کی مرسل روایت ابو الشیخ نے عبید بن مرزوق کی ایک مرسل حدیث نقل کی ہے، کہ مدینہ میں ایک عورت مسجد میں جاروب کشی کیا کرتی تھی، وہ مرگئی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ ہوئی اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اس کی قبر پر سے ہوا، تو پوچھا کہ یہ قبر کیسی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یہ اُمّ محجنؓ کی قبر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ نے فرمایا:۔

وہی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی؟

صحابہؓ نے عرض کیا، ہاں،

اس پر لوگ صف میں کھڑے ہو گئے، اور آپؐ نے اس کی نماز پڑھی،[۴] اس کے بعد فرمایا:۔

اری تو نے کونسا عمل افضل پایا،

صحابہؓ نے عرض کیا:۔ یارسول اللہ کیا یہ سنتی ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم اس سے بہتر نہیں سن رہے،

پھر فرمایا:۔ اس نے مجھے جواب دیا ہے، کہ میں نے بہترین عمل مسجد میں جھاڑو دینے کو پایا[۵]،

---

[۱] بخاری ۳: ۱۸۳-۱۸۴، اور کتاب الروح: ۶۷، [۲] کتاب الروح: ۶۶ [۳] شرح الصدور: ۸۰ [۴] احمد سبل السلام ۲: ۱۵۵-۱۵۶) [۵] شرح الصدور: ۶۲ اور حیات الموات: ۴۴ یاد رہے کہ احناف کے نزدیک ایک بار نماز جنازہ ہو جانے کے بعد دوسری نماز نہیں ہوتی البتہ اگر پہلی نماز ولی کی عدم موجودگی میں ہو گئی ہو، تو ولی اعادہ کر سکتا ہے، یہاں چونکہ پہلی نماز آنحضرت کی غیر حاضری میں ہوئی تھی اور آپ امام

حافظ ابن کثیر کا بیان | ابن کثیر فرماتے ہیں[1]:-

کئی احادیث میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، کہ دفن ہونے کے بعد میت سنتی ہے، ہم اپنی کتاب احکام الکبیر کی کتاب الجنائز میں اس پر بحث کریں گے،

صحیح مسلم کی روایت | مسلم نے ابن شماسہ سے روایت کی ہے، کہ ہم عمرو بن العاص کے پاس اس کی وفات کے وقت موجود تھے، تو انہوں نے کہا:-

جب تم مجھے دفن کر کے مٹی ڈال چکو تو میری قبر کے گرد اتنی دیر کیلئے ٹھہر جانا جتنے میں ایک اونٹنی کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو تقسیم کیا جا سکے،

تاکہ میں تم سے انس حاصل کر لوں، اور دیکھوں کہ میں اللہ کے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں[2]،

اس حدیث پر نووی کا بیان | امام نووی اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

اس حدیث میں کئی ایک فوائد ہیں (۱) فتنہ قبر اور منکیرین کا سوال اور یہی اہل حق کا مذہب ہے، (۲) دفن کرنے کے بعد تھوڑے عرصہ کے لئے جسقدر کہ حدیث میں بتایا گیا، قبر کے پاس ٹھہرنا مستحب ہے، تاکہ میت کو انس حاصل ہو، (۳) .... اس حدیث میں یہ بھی ہے، کہ اس وقت میت گرد و پاس کے لوگوں کی باتوں کو سنتی ہے[3]،

ایک اعتراض | آپ نے مذکورہ بالا احادیث اور علماء کے بیانات سے یہ ثابت کر دیا ہے، کہ مُردے سنتے ہیں۔ مگر حنفی فقہ کی کتابوں میں سماع موتی کی نفی کی گئی ہے، چنانچہ فقہ کی کتابوں میں باب الایمان میں دیا ہے،

حَلَفَ رَجُلٌ اَنْ لَّا یُکَلِّمَ فُلَانًا فَکَلَّمَهٗ بَعْدَ مَا دُفِنَ۔ لَا یَحْنِثُ،

(کسی انسان نے قسم کھائی کہ فلاں سے نہیں بولے گا، پھر اس نے اسی شخص کے دفن ہونے کے بعد اسے بلایا تو اس سے اس کی قسم نہ ٹوٹے گی)۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ فقہاء سماع موتی کے قائل نہیں ہیں، کیونکہ اگر سماع موتی کے قائل ہوتے تو اس شخص کا کلام کرنا تو ثابت ہو گیا تھا، لہٰذا اس قسم کی قسم ٹوٹ جانی چاہئے تھی، جب ایسا نہیں تو وہ سماع کے بھی قائل نہیں،

جواب | میں یہاں اس اعتراض کے جواب میں نیز اس مسئلہ کے بارے میں جو کچھ سید انور شاہ کشمیری دیوبندی حنفی نے دیا ہے، نقل کرتا ہوں[4]،

یاد رکھیں کہ مردوں کے کلام کرنے اور سننے کا مسئلہ ایک ہی چیز ہے، آج کل بعض لوگ جو اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں، سماع موتی کے منکر ہیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱) تمام مومنین کے ولی ہیں اسلئے آپ نے نماز جنازہ کا اعادہ کیا۔ اس حدیث میں نہ صرف سماع پایا گیا۔ بلکہ آنحضرت کا میت سے کلام کرنا بھی پایا گیا۔ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ اصحاب کسف کے لئے اب بھی ممکن ہے،

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] البدایہ والنہایہ: ۳: ۳۵۳ [2] صحیح مسلم مع نووی: ۲: ۱۳۶ تا ۱۳۹ [3] فیض الباری: ۲: ۴۶۷ (عہ کتاب الصوم: ۲)

"حالانکہ فقہا میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا"

ملا علی قاری اپنے ایک غیر مطبوعہ رسالہ میں فرماتے ہیں،
ہمارے اماموں میں سے کسی امام نے بھی سماع موتٰی سے انکار نہیں کیا، لوگوں نے خواہ مخواہ باب الایمان کے ایک مسئلہ سے نتیجہ نکال لیا ہے، اور مسئلہ یہ ہے، کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں فلاں سے نہ بولوں گا۔ پھر اس شخص نے اس شخص کے مرنے کے بعد اسے بلایا، تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی"

ملا علی قاری فرماتے ہیں، کہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ مُردے نہیں سنتے اس لئے کہ قسم کی بناء عرف عام پر ہوتی ہے، اور عرف عام میں اُسے کلام نہیں کہا جاتا،
فتح القدیر میں شیخ ابن الہمام نے سماع موتٰی سے انکار کیا ہے، مگر اس کے بعد وہ خود اپنے اوپر سوال کرتے ہیں۔ کہ اگر یہی بات ہے، کہ مُردے نہیں سنتے تو پھر ہمارا ان کو سلام کہنے سے کیا مطلب؟ اس کے بعد خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں، کہ مردے صرف اس وقت سنتے ہیں، مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ہر وقت سنتے ہیں، اس کے بعد ایک اور سوال کیا ہے، کہ یہ بھی احادیث سے ثابت ہے، کہ مُردے جوتوں کی آواز سنتے ہیں، اور اس کا بھی انہوں نے وہی جواب دیا ہے، جو پہلے کا دیا ہے،
سید انور شاہ کہتے ہیں کہ سماع موتٰی کے متعلق احادیث حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں ہے جسے ابوعمرو نے صحیح قرار دیا ہے، کہ:۔
کہ جب کوئی مردہ کو سلام کہتا ہے، اگر وُہ اسے زندگی میں جانتا تھا، تو مُردہ اسے پہچانتا بھی ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے،
اس حدیث کو ابن کثیر نے بھی روایت کیا ہے، مگر اس نے اس میں تردد کا اظہار کیا ہے، حالانکہ اس میں تردد کی کوئی بات نہیں، بالخصوص جبکہ ہمارے ائمہؒ میں سے کسی سے بھی منقول نہیں، کہ انہوں نے سماع موتٰی سے انکار کیا ہو، لہٰذا سماع فی الجملہ لازم آیا،
اب لیجئے شیخ ابن الہمام کو انہوں نے اصل تو اسی کو مانا ہے، کہ سماع موتٰی نہیں ہے، مگر جن جن مقامات کے متعلق احادیث میں سماع کا ذکر آیا ہے، انہوں نے ان مواقع کو مستثنےٰ قرار دیا ہے، اور کہا ہے سماع صرف انہی مواقع کیلئے ہے، کسی اور موقع کے لئے نہیں[1]،
سید انور شاہ فرماتے ہیں، پھر عدم سماع موتٰی کا عنوان قائم کرنے کا کیا فائدہ؟ پہلے سماع کی نفی کرنے اور اور پھر بہت سے مواقع کو مستثنےٰ قرار دیتے اور مخصوص کرنے سے کیا مراد ہے؟ اور آپ کے قول اور ہمارے اس قول

---

(۱) فیض الباری: ۲: ۴۶۷، حــــہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں بعینہٖ وہی بات کہی ہے، جو قاضی شوکانی نے اس علم کی تفسیر فتح القدیر میں کہی ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو شوکانی کا تذکرہ بالبیان۔ قاضی شوکانی غیر مقلدین کے امام ہیں اور ابن الہمام حنفی ہیں،

میں کیا فرق ہے، کہ مُردے فی الجملہ کلام سنتے ہیں، مگر ہمیں ان کے سماع کا ضابطہ معلوم نہیں، بالخصوص جبکہ ہم دیکھتے ہیں، کہ بعض صورتوں میں تو زندہ بھی نہیں سن سکتے، ہم نے کب سماع موتی کو امر قیاسی بتایا ہے، اسی لئے تو میں کہتا ہوں، کہ مردے فی الجملہ سنتے ہیں،

باقی رہا قرآن تو یہاں معاملہ مشکل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اور

مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ

آیت کے ظاہری الفاظ سے سماع کی مطلق نفی ہوتی ہے، لہٰذا اب قرآن اور احادیث میں مطابقت پیدا کرنے کیلئے یوں کہا جائے گا، کہ احادیث میں سماع کا ذکر ہے، اور اسی کو ثابت کیا ہے، مگر قرآن پاک میں جس بات کی نفی کی گئی ہے، وہ اسماع ہے۔ نہ کہ سماع، اور ہمارا مطلب سماع سے ہے، اسماع سے نہیں،

جلال الدین سیوطی نے اس کا جواب دیا ہے، فرماتے ہیں،

سِمَاعُ مَوْتٰى كَلَامَ الْخَلْقِ قَاطِبَةً ۔۔۔ قَدْ صَحَّ فِيهَا لَنَا الْاٰثَارُ بِالْكُتُبِ

وَاٰيَةُ النَّفْيِ مَعْنَاهَا سِمَاعُ هُدًى ۔۔۔ لَا يَسْمَعُوْنَ وَلَا يَصْغُوْنَ لِلْاَدَبِ

(صحیح احادیث میں آیا ہے، کہ مُردے مخلوق کا کلام سنتے ہیں، اور قرآن مجید کی جس آیت میں سماع کی نفی کی گئی ہے وہاں مراد ایسا سننے سے ہے، جس سے وہ ہدایت پا سکیں، لہٰذا وہ نہ تو سنتے ہیں، اور اصلاح کیطرف کان لگاتے ہیں)

سید انور شاہ فرماتے ہیں، کہ شیخ سیوطی آیت کے صحیح معنی کر پا گئے ہیں، اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا، کہ یہ کفار تو مردوں کی طرح ہیں، لہٰذا آپ کا انہیں ہدایت کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ کیونکہ ہدایت کا نفع تو انہیں زندگی میں ہی حاصل ہو سکتا تھا، اور وہ وقت تو اب جا تا رہا۔ یہی ان لوگوں کا حال ہے، کہ اگرچہ زندہ ہیں۔ مگر آپ کا ان کو ہدایت کرنا ان کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے، کیونکہ یہ مردوں کی طرح ہیں، لہٰذا اس آیت کا مقصد سماع کی نفی کرنا نہیں۔ بلکہ نفع کی نفی کرنا ہے،

سید صاحب فرماتے ہیں۔ خواہ اسماع کہو خواہ سماع یا استماع سب کا ایک ہی مفہوم ہے، یعنی عمل پیرا نہ ہونا اس لئے کہ کسی کی بات کو سننے کا مقصد یہی ہوتا ہے، کہ اس پر عمل کیا جائے، لیکن جب اس پر عمل ہی نہ کیا۔ تو سنا اور نہ سنا برابر ہو گیا۔ ہم اکثر کہتے ہیں۔ میں نے اسے کئی بار کہا ہے، کہ نماز نہ چھوڑ لیکن وہ بات سنتا ہی نہیں، یعنی عمل نہیں کرتا۔ جس طرح فارسی میں کہتے ہیں۔ "نشنود یعنی عمل نمی کند" اگر شیخ جلال الدین یہ کہتے کہ یہ لوگ عمل نہیں کرتے تو بحث ہی لغت میں چلی جاتی اور تاویل کی گنجائش ہی نہ رہتی۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ ہم یوں معنی کریں، "مانتے نہیں"

لہ فیض الباری: ۲ : ۴۶۷ بحث بر قول المیت قدمونی علی الجنازہ قدمونی، ۵ہ فیض الباری: ۴: ۹۰-۹۱ کتاب المغازی،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ جب اموات کے لئے سماع ثابت ہوگیا۔ تو پھر کیا وہ اس سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔ یا صرف آواز ہی سنتے ہیں،

میں کہتا ہوں کہ وہ صرف آواز سنتے ہیں، مگر جس شخص کی وفات نیک اعمال پر ہوگی وہ اس سے فائدہ بھی اٹھائے گا۔ اور جو شر پر مرے گا۔ خدا ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ اس نے جب دنیا میں فائدہ نہیں اٹھایا۔ تو مرنے کے بعد کب فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس کیلئے تو صرف آواز ہی آواز ہے،

اس آیت سے چھٹکارا پانے کا ایک اور طریقہ بھی ہے، وہ یہ کہ جس سماع کے ہم قائل ہیں۔ وہ صرف عالم برزخ میں ہے۔ مخبر صادق نے ہمیں اس کی خبر دی ہے۔ اور ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، مگر جہاں تک اس سے ہمارے جہان کا تعلق ہے۔ یہ سماع معدوم ہے۔ قرآن کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ان باتوں کا ذکر کرے جو آئندہ لوگوں کے پیش آنے والی ہیں لہٰذا اس جہان کو مد نظر رکھتے ہوئے سماع کی نفی کرنا درست ہوا۔ اس لئے کہ تشبیہیں تو صرف وضاحت کیلئے ہوا کرتی ہیں۔ اور جب مردے ہمارے عالم کے اعتبار سے کالعدم ٹھہرے تو وہ سنتے ہیں اور نہ انہیں علم ہے، اور نہ کچھ اور لہٰذا ان سے سماع کی نفی کرنا درست ہوا،

یہ کہنا کہ جب قرآن کے نزدیک اموات کا سننا ثابت ہوگیا۔ تو پھر انہیں اموات کے ساتھ تشبیہ دینا درست نہ تھا۔ جہالت اور بے وقوفی ہے، اس لئے کہ اگرچہ اللہ کے ہاں سماع ثابت ہے اگر یہ تشبیہ تو ہمارے علم اور ہمارے جہان کے اعتبار سے ہے۔ اور چونکہ وہ ہمارے جہان سے معدوم ہیں، لہٰذا یہ ایک لطیف تشبیہ ہوئی۔ اس سے پہلے ہم آنحضرت کے فرمان :- "نَمْ کَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ" پر بحث کر چکے ہیں[۱]،

سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے کئی ایک مقامات پر سماع موتیٰ پر بحث کی ہے، چنانچہ ایک مقام پہ

مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ

پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں[۲]۔

ہم پہلے بھی مسئلہ سماع موتیٰ کا ذکر کر چکے ہیں۔ اب رہا اللہ تعالیٰ کا فرمان،

مَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ

تو اس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں، کہ یہاں ایسے سماع کی نفی کی گئی ہے جس کے ہوتے ہوئے سننے والا بات مان بھی لے یا یہ کہ یہاں پر ہمارے جہان کو ملحوظ رکھتے ہوئے سماع کی نفی کی گئی ہے۔ کیونکہ سماع کا تعلق تو دوسرے جہان کے ساتھ ہے اور ہمارے جہان کے اعتبار سے وہ کالعدم ہے، یا یہ کہ یہ فرمان اسی طرح ہے جس طرح کہ ہم کہہ دیتے ہیں۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ حالانکہ یہ لوگ سنتے بھی ہیں۔ بولتے بھی ہیں، اور دیکھتے بھی ہیں، جیسا کہ سیوطی اس شعر میں کہا ہے
وَأَبْيَتُمُ النَّبِيَّ مَعْنَا هَا سَمَاعُ هُدًى لَا يَقْبَلُونَ وَلَا يَصْغُونَ لِلْأَدَبِ

---

[۱] فیض الباری: ۲: ۴۶۸ بحث بر قول المیت علی الجنازۃ قدمونی: [۲] فیض الباری: ۴: ۱۹۰-۱۹۱، کتاب المغازی)،

یاد رکھیں کہ تفتازانی نے نقل کیا ہے، کہ اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ مرد ے جانتے ہیں، صرف اختلاف سننے میں ہے، اس نے یہ بھی لکھا ہے، کہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ سماع کے علاوہ دیگر صفات بھی اموات میں معدوم ہوتی ہیں چنانچہ اموات میں آنے جانے کی صفات نہیں پائی جاتیں، مگر علامہ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں نقل کیا ہے کہ مردے ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے ہیں۔ مگر انہوں نے بھی اس پر اجماع کا دعویٰ نہیں کیا،

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تفتازانی جسموں کے متعلق بات کر رہے ہیں، نہ کہ ارواح کے متعلق اور ابن حجر نے جو آنا اور جانا ثابت کیا ہے، وہ روح کے لئے ہے، لہٰذا دونوں باتیں درست ہوئیں،

راقم کہتا ہے، کہ باب الایمان کے مسئلہ سے یہ استنباط کرنا کہ فقہاء عدم سماع کے قائل ہیں، غلط استنباط ہے، کیونکہ اگر فقہاء سماع موتی کے قائل نہ ہوتے تو پھر اس مسئلہ کے ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی، اس صورت میں بات صاف اور واضح تھی۔ کہ مردے تو سنتے ہی نہیں لہٰذا کلام کے کچھ معنی نہ ہوئے۔ یہ سوال تو اسی صورت میں پیدا ہوا جب وہ سماع کے قائل ہوئے سوال کی اصل صورت یوں ہے، کہ آپ تو کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی مردے سنتے ہیں، تو اب بتائیے۔ کہ ایک شخص نے قسم کھائی...... کہ مثلاً زید سے کلام نہ کرے گا۔ مگر زید کے مرنے کے بعد اس نے زید کو بلایا تو کیا اس صورت میں اس کی قسم ٹوٹی یا نہ،

اس سوال کے جواب میں فقہاء نے کہا ہے، کہ قسم نہیں ٹوٹی اس لئے کہ یہ کلام اور سماع عرف عام میں کلام و سماع نہیں کہلاتا۔ درحقیقت مسئلہ اسی طرح ہے، مگر اسے ......، خواہ مخواہ بگاڑ کر اور طرح بنالیا گیا ہے،

ملا علی قاری کا بیان | ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں[1]

النفی منصب علی نفی النفع لا علی مطلق السمع

دراصل میں سماع کی جو نفی کی گئی ہے۔ اس سے مطلق نفی مراد نہیں بلکہ اس میں ایسے سماع کی نفی ہے جس سے کوئی نفع نہ ہو،

عمدۃ القاری کا بیان | عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز باب ما جاء فی عذاب القبر میں ہے

اگر سوال کیا جائے کہ ابن عمر اور حضرت عائشہ[2] کی حدیثیں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، پھر ان دونوں کو عذاب قبر کے باب میں کیونکر لایا گیا ہے،

اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا، کہ اہل قلیب بدر نے آنحضرت کا کلام اور توبیخ سنی لہٰذا اس بات سے کہ انہوں نے اپنے کانوں سے یہ کلام سنا۔ یہ معلوم ہو گیا کہ ہو سکتا ہے کہ باقی حواس کے ذریعہ سے عذاب کا درد بھی محسوس کریں، لہٰذا اس باب میں دونوں کا ذکر کرنا اچھا معلوم ہوا۔ پھر ان دونوں حدیثوں میں اس طرح مطابقت دی جائیگی کہ ابن عمر کی حدیث میں اہل قلیب سے اس وقت خطاب کیا گیا تھا جب ان سے فرشتے سوال کر رہے تھے، اور فرشتوں کے سوال کا وہ وقت ہوتا ہے جب روح بدن میں لوٹا دی جاتی ہے، اور حضرت عائشہ کی حدیث اس وقت کے متعلق ہے جو سوال کا وقت نہ تھا، اس سے دونوں حدیثوں میں موافقت ہو جاتی ہے،

---

[1] حیات الموات ۲۱۰۔ [2] حیات الموات ۹۱، مزید لاحظہ ہو فتح الباری ۳: ۱۸۲،

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

حضرت عائشہ رض کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے، کہ انہوں نے ابن عمر کی مذکورہ بالا حدیث قبول نہیں کی، لیکن جمہور محدثین نے حضرت عائشہ رض کے فرمان کے خلاف ابن عمر کی حدیث کو اس لئے قبول کر لیا ہے، کہ یہ دیگر روایات کے مطابق ہے،

اس کے بعد فرماتے ہیں۔ سَامِعِيْنَ بِاٰذَانِ رُؤُسِهِمْ كَمَا هُوَ قَوْلُ الْجُمْهُوْرِ

یہ الفاظ انہوں نے اپنے سر کے کانوں سے سنے تھے جیسا کہ جمہور کا قول ہے،

محدثین اور مفسرین کے اقوال تو آپ نے پڑھ لئے عقلی طور پر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کئی مواقع پر ہم ایک دوسرے کی آواز کو نہیں سن سکتے، حالانکہ ہم میں سننے کی طاقت بھی موجود ہوتی ہے، اور آواز بھی موجود ہوتی ہے، مثال کے طور پر ہم ایک بند کمرے میں باتیں کر رہے ہوں تو دوسرے کمرے والے آواز نہیں سن سکتے۔ ایک بار جمعہ کی نماز پڑھ رہا تھا مگر امام کی قرات کی آواز مطلق نہ آرہی تھی خیال آیا کہ دیکھو امام قراءت تو پڑھ رہا ہے، مگر ہمیں آواز سنائی نہیں دیتی یہ اس دنیا میں قرب و بعد کے اعتبار سے ہے، نہیں بلکہ بعض اوقات تو پاس کا آدمی بھی نہیں سنتا، جبکہ اسکی توجہ کسی اور طرف ہو۔ جب اس دنیا میں یہ حال ہے، تو برزخی دنیا میں کیا حال ہوگا، پھر ہمارے اور مردے کے درمیان کس قدر مٹی اور اینٹیں حائل ہوتی ہے، معلوم ہو کہ سماع تو ہے، خواہ ہماری آواز پہنچے یا نہ پہنچے، اور جب اللہ تعالےٰ چاہیں تو اللہ تعالیٰ سنوا بھی دیں جس طرح دنیا میں حضرت عمر کی آواز ساریہ کو سنوا دی۔ اور احادیث سے بھی ان کا سننا ثابت ہو چکا ہے،

شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی کا بیان

علامہ آلوسی ابتداءً آیت اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى پر بحث کرتے ہوئے سماع اور عدم سماع دونوں کے دلائل اور جوابات تحریر کرنے کے بعد اپنا فیصلہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں[۱]

حق بات یہ ہے، کہ اموات فی الجملہ سنتے ہیں، اور ان کا سننا دو طرح سے ہو سکتا ہے،

(۱) پہلا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے کسی حصہ میں ایک ایسی قوت پیدا کر دیں، جس سے وہ جب بھی اللہ تعالےٰ چاہیں اسلام وغیرہ اشیاء جو اللہ تعالیٰ اسے سنانا چاہیں سن سکے، میت کا مٹی کے تودوں کے نیچے ہونا جبکہ اس کا ڈھانچہ الگ الگ ہو چکا ہو اور اس کے اعضاء ٹوٹ چکے ہوں میت کو سماع سے روک نہیں سکتے، بھلا وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہوں کہ چین کا ایک اندھا شخص چین میں بیٹھا ہوا اندلس کے مچھر کو دیکھ سکتا ہے وہ اسکے قبول کرنے سے کیسے توقف کر سکتے ہیں،

(۲) دوسرے اس طرح کہ روح بدن کی وساطت کے بغیر ہی سنتی ہو، روح کا کسی بات کو بدن کی قوت کے واسطہ کے بغیر سن لینا جبکہ یہ بدن سے جدا ہو چکی ہو، کوئی بعید بات نہیں، بلکہ یہ بھی بعید نہیں کہ وہ اشیاء کو محسوس اور ان کا ادراک کر سکے، اور چونکہ مرنے کے بعد روح کا تعلق بدن کے ساتھ قائم رہتا ہے، خواہ وہ تعلق تمام بدن سے ہو یا جزو بدن سے اور یہ تعلق اس قسم کا نہیں ہوتا جو بدن کو روح کے ساتھ دنیا میں تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ

[۱]۔ تفسیر روح المعانی: ۲۱: ۵۷-۵۸،

رکھتے ہوئے اسے سننے کی طاقت دے دیتے ہیں۔ اور زیارت قبر کے وقت یہ قوت اس کے لئے پیدا کر دیتے ہیں۔ نیز اس وقت جبکہ بدن کو اٹھا کر لیجاتے ہیں اور غسل دیتے ہیں۔ بدن کے ساتھ رُوح کا تعلق قائم ہونے اور یہ بات کہنے سے کہ خود رُوح کے اندر قوت سمع موجود ہے، یہ لازم نہیں آتا کہ میّت ہر قسم کی بات کو سن لے کیونکہ اموات میں سماع مطلق طور پر ہے (کلی طور پر نہیں) یہی حال باقی احساسات کا ہے، کہ وہ مشیئت ایزدی کے تابع ہیں۔ اللہ نے چاہا تو احساس ہو گیا۔ اور نہ چاہا تو نہیں ہوا، لہٰذا ہم صرف اتنا کہیں گے کہ جن چیزوں کے سننے کے متعلق احادیث وارد ہوئی ہیں، میّت صرف انہی کو سن سکتی ہے، میرے نزدیک یہی امر راجح ہے، اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ ہم یہ کہیں کہ مُردوں کی اَرواح قبروں میں ہوتی ہیں، کیونکہ جس پر سماع کا دارومدار ہے، وہ مشیئت الٰہی ہے، اور وہ تعلق ہے جس کی کیفیت اور حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ خواہ رُوح کہیں ہو یا کسی جگہ بھی نہ ہو، جیسا کہ ان لوگوں کا قول ہے۔ جو رُوح کو مجرد مانتے ہیں۔

العارف ابن برجان نے شرح اسماء حسنیٰ میں جو عبارت دی ہے، اس سے ایک اور طرح سے اس کی تحقیق ہوتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص کا ایک نفس ہوتا ہے جس کی پیدائش اسی باطن سے ہوتی ہے[1] جس سے جسم پیدا ہوا ہو، اور اسے رُوحِ جسم کہتے ہیں، اور ایک رُوح ہوتی ہے، جسے اللہ تعالٰی نے اس باطن سے پیدا کیا ہوتا ہے جس سے نفس کی پیدائش ہوتی ہے، نفس کیلئے اس کی حیثیت وہی ہوتی ہے، جو نفس کی جسم کیلئے ہوتی ہے، لہٰذا جب رُوح بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو رُوح کو عالمِ بالا میں یعنی دنیا کے آسمان سے لیکر ساتویں آسمان تک بلکہ اس سے بھی اُوپر جہاں اللہ تعالٰی چاہے سرور و نعیم میں آباد کر دیا جاتا ہے، اور حقیقت نفسانیہ کو عالم سفلی میں قبر سے لیکر فضاء میں جہاں تک اللہ تعالٰی چاہے آباد کر دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی جب کہ وہ قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، اور آسمان پر جانے سے پہلے آپ کی ملاقات ابراہیمؑ سے ہوئی اور پھر آسمانوں پر بھی ان دونوں سے ملاقات ہوئی، یہاں آسمانوں میں ان کی ارواح تھیں اور قبروں میں ان کے نفس اور جسم تھے یہی حال کافر کا ہے، مگر اس کی حقیقت روحانیہ عالم بالا میں آباد نہیں ہوتی، لہٰذا ان کیلئے آسمان کے دروازے کھولے نہیں جاتے، بلکہ ان کی روحیں دارالشقاء میں آباد ہوتی ہیں،

اور ان دونوں حقیقتوں یعنی حقیقت نفسانیہ اور حقیقت روحانیہ کے درمیان اتصال قائم رہتا ہے، اسی اتصال کی وجہ ہے، نیز اللہ تعالٰی کی مشیئت سے میّت قبر میں سلام کرنیوالے کا سلام سنتی ہے، اور یہ سماع صرف جمعہ کی رات جمعہ کے دن، ہفتہ کی صبح یا جمعہ سے ایک دن پہلے یا بعد کی زیارت کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ زیارت کنندہ مطلق طور پر کسی وقت اور کسی دن بھی آئے، تو اللہ تعالٰی میّت کو زیارت کنندہ کا سلام سنا دیتے ہیں، اور اسے سلام دینے کی قدرت عطا کر دیتے ہیں، جیسا کہ بعض آثار میں صراحۃً ذکر کیا گیا ہے،

عقیل کی روایت میں جو دیا ہے، کہ میّت سلام کو سنتی تو ہے، مگر جواب نہیں دے سکتی، اس کا مطلب یہ ہے کہ میّت

---

[1] اس تحقیق کے مطابق انسان تین چیزوں سے مرکب ہوا۔ بدن، نفس اور رُوح نفس رُوح کے لئے بدن کا کام دیتی ہے اور پھر نفس روح کے اندر ہے،

اس عام طریقہ پر جواب نہیں دے سکتی، جیسے زندہ سن سکے،

بعض کہتے ہیں کہ سلام کا جواب دینا یا نہ دینا مختلف اشخاص کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، چنانچہ بعض کو اللہ تعالےٰ نے جواب دینے کی قدرت تو دے دیتے ہیں، مگر انہیں ثواب نہ ملیگا، کیونکہ عمل تو منقطع ہو چکا ہے، اور بعض کو اللہ تعالیٰ جواب دینے کی قدرت ہی نہیں دیں گے،

(آلوسی کہتے ہیں) میرے نزدیک مختلف لوگوں میں رُوح اور جسم کا تعلق قوت اور ضعف کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے[1] نہیں بلکہ مختلف اوقات میں مختلف ہوتا ہے، مختلف احادیث اور آثار میں جو بیانات آئے ہیں، ان میں مطابقت اسی طرح پیدا کی جا سکتی ہے:

اب رہا یہ سوال کہ آیت زیر بحث کے ظاہری الفاظ سے تو سماع کی نفی ہی ہوتی ہے، تو اس کا جواب ہمارے مذکورہ بالا بیان سے خود معلوم کر لیں،

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان

شیخ عبدالحق دہلوی مقتولین بدر کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں[2]،

صریح است در ثبوت سماع مر اموات را وحصول علم مر ایشاں را با آنچہ خطاب کردہ می شوند، وہمچنیں در حدیث مسلم آمدہ است، کہ میت می شنود کوفتن نعال مردم را وقتے کہ می گردند از دفن، وہمچنیں کہ آنکہ در زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل بقیع را آمدہ کہ سلام کرد ایشاں وخطاب کرد مر ایشاں را وگفت سلام بر شما اے اہل دار مسلماناں آمد شمارا آنچہ وعدہ کردہ شدہ بودید ومانیز انشاء اللہ می پیوندیم بشما زیرا کہ خطاب باکسی کہ نشنود و نہ فہمد معقول نیست ونزدیک است کہ شمار کردہ شود از جملہ عبث،

ودر حدیث ترمذی آمدہ کہ چوں زیارت کرد عائشہ رضی اللہ عنہا قبر برادر خود را عبدالرحمٰن بن ابی بکر بمکہ خطاب کرد اورا وگفت اگر حاضر می شدم وقت موت تو، دفن نمی کردم ترا مگر آنجا کہ مردہ بودی واگر حاضر می شدم مرا آں وقت زیارت نمی کردم ترا، چنانچہ در باب زیارت القبور گذشت،

ونقل کردہ است شیخ ابن الہمام در شرح ہدایہ کہ اکثر مشائخ حنفیہ بر آنند کہ میت نمی شنود و تصریح کردہ اند در کتاب الایمان کہ اگر کسی سوگند خورد کہ کلام نکنم او را پس کلام کرد با او بعد از مردن او، حانث نمی گردد، زیرا کہ یمین منعقد می گردد بر کسیکہ ذی حیثیت وقابلیت فہم دارد و میت ہمچنیں نیست وجواب دادہ اند ایں جماعت از حدیث مسلم کہ ناطق است بسماع میت قرع نعال مردماں را آنکہ ایں مخصوص بوقت نہادن میت در قبر است از برائے مقدمۂ سوال وایں تخصیص خلاف ظاہر است ودلیلی نیست بر آں وظاہر حدیث آنست کہ ایں حالت حاصل است میت را در قبر، وجواب دادہ اند از یں حدیث ودریں باب نقل است در خلاف مذہب ایشاں گاہی با آنکہ ایں مخصوص است با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ومعجزۂ اوست، وزیادت حسرت است بر کافراں

---

[1] آلوسی رحمۃ اللہ کا قول بالکل درست ہے دنیا میں ہم لوگوں میں تفاوت پاتے ہیں، کسی میں عقل زیادہ کسی میں ذہانت زیادہ اور کسی میں کم اور کوئی فوق العادۃ عقل اور ذہن کے مالک ہوتے ہیں۔ اسی طرح نیکی اور بدی کے لحاظ سے بھی تفاوت ہوتا ہے، لہٰذا برزخ میں اسی لحاظ سے تفاوت ہوگا، [2] شرح مشکوٰۃ فارسی: ۲: ۲۱۵ تا ۲۱۸ ء

و پوشیده نماند که حمل بریں مجرد احتمال و تاویل است که حمل نمی تواں کرد بروی تا قائم نشود دلیل بر استحالت سماع و
پروردگار عزوجل قادر است برآں و سببیت حواس مرادراک را عادی است و بمجرد خلق باری تعالیٰ است چنانچه
در کتب مذهب مقرر شده است،

و گاہی جواب می دهند بآنکه آں از باب ضرب المثل است و مراد حقیقت کلام نیست و ایں از جواب اوّل
بعید تر است و ضعیف تر و مبنائی ایمان برعرف و عادت است نه برحقیقت، فافهم.

و قوی ترین وجوه تاویل ایشاں آنست که ایں روایت مردود است از عائشه رضی الله عنها که چوں ایں را از عمر
رضی الله عنه شنید گفت چگونه گوید ایں را رسول خدا صلی الله علیه وسلم و حال آنکه میگوید خدای تعالیٰ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ
الْمَوْتَىٰ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ (یعنی تو اے محمد سخن شنوانندہ کسانی را در قبرہا اند)، کذا قال الشیخ
ابن الهمام،

و در مواهب لدنیه میگوید: که تاویل کرده است عائشه رضی الله عنها، و گفته است که مراد پیغمبر صلی الله علیه وسلم
آنست که بگوید شما الآن می دانید که آنچه من می گفتم حق است و گفته که وهم شد عمر رض را که بجای علم سمع گفت و بالجمله عائشه رض
انکار کرد سماع موتی را و استدلال کرد بایں دو آیت قرآنی که مذکور شدند

و لیکن علماء جواب داده اند از قول عائشه و استدلال او بقرآن قبول نکرده اند ایں قول را از عائشه رض
در مواهب لدنیه نقل کرده اند از اسمٰعیلی که گفته بود: نزد عائشه رض از فهم و ذکاء و کثرت روایت و خوض در غوامض علوم
آنچه زیاده برآں متصور نباشد لیکن سبیل نیست بسوی رد روایت ثقه مگر بنص که مثل او باشد و دلالت کند بر نسخ یا تخصیص
یا استحالۂ آں، و مراد بآیۂ قرآنی آنست که تو نمی شنوانی بلکه خدای تعالیٰ می شنواند و نیز مراد بموتیٰ موتی القلوب اند و "بقبور"
اجساد ایشاں که در روی آں دلهای مرده افتاده است و تحقیق ذکر کرده است در مواهب لدنیه که در مغازی ابن اسحٰق
باسناد جید و امام احمد بن حنبل نیز باسناد حسن از عائشه رض مثل حدیث عمر آورده پس گویا عائشه رض رجوع کرده از انکار بسبب
آنچه ثابت شد نزد وی از روایت ایں صحابه کبار، زیرا که وی رضی الله عنها حاضر نبود در آں قضیه،

و در شروح بخاری نیز مثل ایں کلام مذکور شده و تمسک کرده اند جماعه که اثبات سماع میکنند بقول قتاده که در آخر حدیث
مذکور شد که حاصل او آنست که موتی را در قبور حالتی و قسمی از حیات می بخشند که حاصل میشود بآں سماع و درین، قول قتاده تخصیص با
حضرت نیست صلی الله علیه وسلم که بطریق معجزه واقع شده و نه تخصیص بایں اموات بلکه خدا قادر است که آں حالت در همه
اموات نیز پیدا کند در هر شخص که باشد در هر زماں که بود، فتدبر و بالله التوفیق،

و درینجا سخن دیگر است که فرضاً اگر از ثبوت سماع تنزل کنیم باعتبار آنکه سماع بحاسۂ سمع می باشد و سمع بجزائی بدن خراب
شد بعموم از نفی سمع نفی علم لازم نمی آید و علم بروح بود که باقی است پس علم بمبصرات و مسموعات حاصل باشد نه بروجه
ابصار و سمع چنانکه بعضی متکلماں سمع و بصر الٰهی تعالیٰ را بمسموعات و مبصرات تاویل کرده اند و تحقیق وارد شده اخبار و آثار در علم
موتی باحوال زیارت کنندگاں و شناختن ایشاں را تا آنکه آمده است که زیارت روز جمعه محبوب تر است زیرا که نزد بعض

علم میت اتم و اکمل می باشد و احوال زائرین برایشاں اکشف و اظهر، و نیز شک نیست در حصول علم مر موتی را در آخرت و
برزخ بحقیقت دین اسلام چنانچه عائشہؓ گفته، متفق علیه است در مراد بحدیث پس ممکن است علم باحوال دنیا و اہل دنیا
و چیست دلیل بر زوال ایں علم و نسیان آں باوجود بقائے روح و آمده است کافراں تمنی خواہند کرد عود بدنیا و آمده است
...... که چوں میت از سوال منکر و نکیر جواب بخیر دہد و راحت یابد آرزو میکند وی و میگوید لیے کاش کسیکه باشد
که خبر کند اہل مرا که من در راحتم و خوشم،

و بالجمله کتاب و سنت مملو و مشحون اند باخبار و آثار که دلالت میکنند بر وجود علم مر موتی را بدنیا و اہل آں، پس
منکر نشود آں را مگر جاہل باخبار و منکر دین و گفتم من بجد آلتوفیق،

و اما استمداد از اہل قبور مکروہ است نزد بعض فقہا. اگر انکار از جہت آنست که سماع و علم نیست ایشاں را بزائراں
و احوال ایشاں را پس بطلان او ثابت شد و اگر بسبب آنست که قدرت و تصرف نیست مر ایشاں را دراں موطن
تا مدد کنند بلکه محبوس و ممنوع اند و مشغول اند بآنچه عارض شده است مر ایشاں را از محنت و شدت و آنچه باز داشته
است از دیگراں که ایں کلیه نمی ماند خصوصاً در شان متقین که دوستاں خدا اند شاید که حاصل شود ارواح ایشاں را قرب در
برزخ و منزلت و قدرت بر شفاعت و دعا و طلب حاجات مر زائراں را که متوسل اند بایشاں چنانکه در روز قیامت
خواہد بود، چیست دلیل بر نفی آں،

و تفسیر کرده است بیضاوی کریمه وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا را الآیه بصفات نفوس فاضله در حال مفارقت
از بدن که کشیده می شوند از ابدان و نشاط میکنند بسوئے عالم ملکوت و سیاحت میکنند دراں پس سبقت میکنند
بحظائر قدس پس میگردند بشرف و قوت از مدبرات، و لیت شعری چه می خواہند ایشاں باستمداد و امداد که ایں
فرقه منکر اند آں را، آنچه ما می فہمیم ازاں ایں است که داعی محتاج فقیر الی الله دعا میکند خدا را و طلب میکند حاجت
خود از جناب عزت و غنائی وی و توسل میکند بروحانیت ایں بنده مقرب و مکرم در درگاه عزت وی و میگوید خداوندا
برکت ایں بنده تو که رحمت کرده بر وی و اکرام کرده او را بلطف کرمی که بوی داری برآورده گرداں حاجت مرا که تو معطی
کریمی، یا ندا می کند ایں بنده مکرم و مقرب را که ای بنده خدا ای ولی وی شفاعت کن مرا و بخواه از خدا که بدہد مسئول
و مطلوب مرا و قضا کند حاجت را، پس معطی و مسئول و مامول پروردگار است تعالی و تقدس، و نیست ایں بنده
درمیان مگر وسیله، و نیست قادر و فاعل و متصرف در وجود مگر حق سبحانه، و اولیائے خدا فانی و ہالک اند در فعل
الہی و قدرت و سطوت وے، و نیست ایشاں را قدرت و تصرف، نه اکنوں که در قبور اند و نه دراں ہنگام که زنده
بودند در دنیا و اگر ایں معنی که در امداد و استمداد ذکر کردیم، موجب شرک و توجه بما سوائے حق باشد، چنانکه منکر زعم می کند
پس باید که منع کرده شود توسل و طلب دعا از صالحاں و دوستان خدا در حالت حیات نیز و ایں ممنوع نیست بلکه مستحب
و مستحسن است باتفاق، و شائع است در دین،

عزز

و اگر میگویند که ایشاں بعد از موت معزول شدند و بیروں آورده شدند ازاں حالت و کرامت که بود ایشاں را در حیات

چیست دلیل بر آں، یا گویند کہ مشغول و ممنوع شدند باینچہ عارض شد از آفات بعد از ممات پس ایں کلیہ نیست و دلیل
نیست بر دوام و استمرار آں تا روز قیامت نہایت آنکہ ایں کلیہ نباشد و فائدہ استمداد عام نباشد، بلکہ ممکن است
کہ منجذب باشند بعالم قدس و مستہلک باشند در لاہوت حق چنانکہ ایشاں را شعورے و توجہی بعالم دنیا نماندہ باشد
و تصرفی و تدبیرے درو ہمی نہ چنانکہ دریں عالم نیز از تفاوت حال مجذوباں و متمکناں ظاہر می گردد، نعم اگر زائراں اعتقاد
کنند کہ اہل قبور متصرف مستبد و قادر اند، بے توجہ بحضرت حق و التجا بجانب وی تعالیٰ چنانکہ عوام و جاہلان غافلان
اعتقاد دارند و چنانکہ می کنند آنچہ حرام و منہی عنہ است در دین از تقبیل قبر و سجدہ مرآں را و نماز بسوئے وے، و جز
آنچہ نہی و تحذیر واقع شدہ است و حاشا از عالم بشریعت و عارف باحکام دین کہ اعتقاد کند ایں اعتقاد را، یا ایں
فعل را بکند،

و آنچہ مروی و محکی است از مشائخ اہل کشف در استمداد از ارواح کمّل و استفادہ ازاں خارج از حصر است
مذکور است در کتب و رسائل ایشاں و مشہور است میان ایشاں حاجت نیست کہ آں را ذکر کنیم و شاید کہ منکر متعصب
سود نکند او را کلمات ایشاں، عافانا اللہ من ذٰلک، سخن دریجا از وجہ علم و شریعت است، آری مروی و مسنون در
زیارت سلام موتیٰ و استغفار مر ایشاں را و قرأت قرآن است ولیکن دریں جانبی از استمداد نیست پس زیارت
برائے امداد مر موتیٰ را و استمداد از ایشاں ہر دو باشد بر تفاوت حال زائر و مزور،

و باید دانست کہ خلاف در غیر انبیا است صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہم اجمعین کہ ایشاں احیا اند بحیات حقیقی
دنیاوی باتفاق و اولیا بحیات اُخروی معنوی،

و کلام دریں مقام بحد اطناب و تطویل کشید برغم منکراں کہ در قریب ایں زماں فرقہ پیدا شدہ اند کہ منکر
اند استمداد و استعانت را از اولیائی خدا کہ نقل کردہ شدہ اند ازیں دار فانی بدار بقا و زندہ اند نزد پروردگار
خود مرزوق اند و خوشحال اند و مردم را ازاں شعور نیست و متوجہاں بجناب ایشاں را مشرک بخدا و عبدۂ اصنام
میدانند، میگویند آنچہ می گویند و عمر ما است کہ تحقیق و تفصیل ایں مسئلہ مخطور خاطر فاتر بود و الآں توفیق الٰہی بداں
مساعدت کرد،

یہ حدیث اس بات کا واضح ثبوت ہے، کہ اموات سنتے ہیں، اور جو خطاب بھی انہیں کیا جائے اس کا انہیں
علم ہوتا ہے، اسی طرح مسلم کی حدیث میں آیا ہے، کہ جب لوگ میّت کو دفن کرکے واپس جا رہے ہوتے ہیں، تو میّت
ان کے جوتوں کی آواز کو سنتی ہے، اسی طرح حدیث میں آیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بقیع کو سلام
اور خطاب کیا۔ اور فرمایا اے ان گھروں میں رہنے والے مسلمانو! اللہ نے جو تم سے وعدہ کیا تھا۔ وہ تمہیں مل گیا۔
اور ہم بھی انشاء اللہ تم سے آملیں گے، اس لئے کہ جو شخص نہ سن سکتا ہو اور نہ سمجھ سکتا ہو اسے خطاب کرنا معقول
بات نہیں ہے، بلکہ اسے ایک عبث فعل شمار کیا جائیگا۔

ترمذی کی حدیث میں ہے، کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی قبر کی زیارت

کیلئے مکہ میں آئیں تو اسے مخاطب کرکے کہنے لگیں، کہ اگر میں تمہاری وفات کے وقت حاضر ہوتی اور تمہیں اسی جگہ پر دفن کرتی جہاں پر تمہاری موت واقع ہوئی تھی اور اگر اس وقت موجود ہوتی تو اب زیارت کے لئے نہ آتی، جیسا کہ زیارت قبور میں گذر چکا،

شیخ ابن الہمام نے ہدایہ کی شرح میں نقل کیا ہے، کہ اکثر مشائخ حنفیہ کا خیال ہے، کہ میت نہیں سنتی اور انہوں نے کتاب الایمان میں تصریح کی ہے۔ کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ فلاں شخص سے بات نہ کروں گا۔ مگر اس کے مرنے کے بعد اس سے کلام کی تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ قسم تو وہیں منعقد ہوگی جہاں سمجھنے کی اہلیت پائی جائے گی۔ مگر میت میں یہ بات نہیں پائی جاتی ان لوگوں نے مسلم کی اس حدیث کا جس میں ثابت ہے کہ میت لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتی ہے، یہ جواب دیا ہے، کہ یہ سماع خاص اسی وقت ہوتا ہے۔ جبکہ میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تا کہ میت سے سوال ہو سکے، مگر ان کا حدیث کو مخصوص کر دینا حدیث کے ظاہری الفاظ کے مخالف ہے، نیز یہ کہ مخصوص معنی لینے کی کوئی وجہ بھی نہیں پائی جاتی، حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے، کہ قبر کے اندر میت کو سماع حاصل ہے، ان لوگوں نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے، کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اور آپ کا معجزہ تھا۔ اور کافروں کی حسرت میں اضافہ کرنا مقصود تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے، کہ حدیث کے یہ معنی لینا محض احتمالی اور تاویلی معنی ہیں، اور احتمال اور تاویل کی طرف ہم اس وقت تک رجوع نہیں کر سکتے ہیں، جب تک کہ اسبات پہ دلیل قائم نہ ہو، کہ سماع ناممکن ہے، حالانکہ خدائے تعالیٰ اس بات پر قادر ہے، اور ادراک کے لئے حواس کا ہونا ایک امر عادی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے محض پیدا کرنے سے ادراکات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ مذہب کی کتابوں سے ثابت ہو چکا ہے،

وہ کبھی یوں جواب دیتے ہیں، کہ یہاں ضرب المثل کے طور پر بیان ہوا ہے، اور حقیقی کلام مراد نہیں، یہ جواب پہلے جواب سے بھی بعید تر اور ضعیف تر ہے، قسموں کی بُنیاد عُرف پر ہوتی ہے نہ کہ حقیقت پر۔ فافہم

ان کی سب سے مضبوط دلیل یہ ہے، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس روایت سے انکار کیا ہے، کہ جب انہوں نے عمر سے حدیث سنی تو فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیسے یہ بات کہہ سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ (اے محمد آپ ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں اپنا کلام نہیں سنا سکتے۔ یہ بیان شیخ ابن الہمام کا ہے،

مواہب لدنیہ میں ہے، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تاویل کی ہے، اور فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس وقت جانتے ہو کہ وہ حق ہے، اور فرماتی ہیں عمر کو وہم ہوا ہے کہ علم کی بجائے سمع کا لفظ استعمال کیا ہے، مختصر یہ کہ حضرت عائشہؓ نے سماع موتی سے انکار کیا ہے، اور ان مذکورہ بالا دو آیتوں سے استدلال کیا ہے،

مگر علماء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کا اور قرآن مجید سے اس استدلال کا جواب دیا ہے۔ اور

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کو قبول نہیں کیا،

مواہب لدنیہ میں اسمٰعیلی سے منقول ہے، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی صاحب فہم و ذکا تھیں، اور انہوں نے کثرت سے حدیث کی روایت کی ہے، اور وہ علوم کی گہرائیوں میں اس حد تک گئی ہیں، کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آسکتا۔ مگر ثقہ لوگوں کی روایت کو اسی صورت میں رد کیا جا سکتا ہے، جبکہ مقابلہ میں اسی قسم کی نص موجود ہو۔ جو پہلی روایت کے مخصوص ہونے یا محال ہونے پر دلالت کرے، قرآنی آیت کی مراد یہ ہے کہ اے نبی آپ انہیں سنا نہیں سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ سُنا سکتے ہیں۔ مزید برآں "مُردوں" سے مراد "دل کے مردے" ہیں۔ اور قبور سے مراد ان کے وہ بدن ہیں جن میں وہ مُردہ دل ہیں

مواہب لدنیہ میں یہ بھی ذکر کیا ہے۔ کہ ابن اسحٰق نے مغازی میں اور امام احمد بن حنبل نے حسن سند کے ساتھ حضرت عائشہ سے اسی طرح مروی ہے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے گویا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے انکار سے رجوع کر لیا۔ اس لئے کہ ان کے ہاں ان صحابہ کبار کی روایت ثابت ہو گئی تھی کیونکہ آپ اس موقع پر خود تو حاضر نہ تھیں،

شروح بخاری میں بھی اسی طرح رہا ہے، جو لوگ سماع موتٰی کو ثابت کرتے ہیں انہوں نے قتادہ کے اس قول سے استدلال کیا ہے، جس کا ذکر حدیث کے آخر میں کیا گیا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے، کہ قبر میں مردے کو ایک قسم کی زندگی عطا کی جاتی ہے، جس سے وہ سن سکتا ہے، قتادہ کے اس قول کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا۔ کہ یہ آپ کا معجزہ قرار دیا جائے اور نہ ہی ان خاص مردوں کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے، کہ وہ اس حالت کو تمام اموات میں جو کوئی بھی ہو اور جب کبھی بھی ہو پیدا کر دے، فتدبر وباللہ التوفیق،

یہاں پر ایک اور بات بھی پائی جاتی ہے، بالفرض اگر ہم اس خیال سے کہ سماع اس حس کے ذریعہ سے ہوتا ہے جسے حاسہ سمع کہتے ہیں۔ اور بدن کی خرابی کی وجہ سے حاسہ سمع میں بھی خرابی پیدا ہو گئی ہو۔ تو اس صورت میں اگر ہم مان بھی لیں کہ سماع ثابت نہیں، پھر بھی سمع کی نفی سے علم کی نفی لازم نہیں آتی۔ علم تو رُوح کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور رُوح باقی رہے، لہٰذا مبصرات اور مسموعات کا علم پایا جائے گا۔ خواہ کان اور آنکھ کے ذریعہ سے نہ بھی ہو، اور حدیث اور آثار میں تحقیقی طور پر آیا ہے، کہ مُردوں کو زیارت کنندگاں کے حالات کا علم ہوتا ہے۔ اور وہ زیارت کنندگاں کو پہچانتے بھی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ جمعہ کے دن مُردوں کی زیارت کو جانا زیادہ پسند کیا گیا ہے کیونکہ اس روز میّت کو زیارت کنندگاں کا اچھی طرح سے علم ہوتا ہے، اور زیارت کنندگاں کے حالات ان پر زیادہ واضح اور ظاہر ہوتے ہیں۔ مزید برآں اس میں کوئی شک و شُبہ نہیں کہ آخرت میں بھی اور برزخ میں بھی اموات کو علم حاصل ہوگا۔ اور دین اسلام کی حقیقت کا انہیں پتہ ہوگا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ اور جیسا کہ اتفاق ہے کہ حدیث کی مراد یہی ہے، لہٰذا اموات کو دنیا اور اہل دنیا کا علم حاصل ہونا ممکن ہے، اور جبکہ رُوح باقی ہے، پھر اس علم کے زائل ہونے اور نسیان پر کونسی دلیل پائی جاتی ہے، حدیث میں یہ بھی آیا ہے، کہ کافر دنیا میں واپس آنے کی تمنا ظاہر کریں گے۔ یہ بھی آیا ہے۔ کہ میّت جب منکر و نکیر کے سوالات کا اچھی طرح جواب دے دے گی۔ اور اسے راحت حاصل ہو گی، تو اس وقت اس کی یہ آرزو ہو گی اور کہے گی کاش کوئی ہو جو میرے گھر والوں کو یہ خبر پہنچائے۔ کہ میں خوش

اور آرام و راحت میں ہوں،

مختصر یہ کہ کتاب و سنت میں احادیث و آثار موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے، کہ اموات کو دنیا اور اہل دنیا کا علم ہوتا ہے، لہٰذا وہی شخص ان کا منکر ہو سکتا ہے، جو احادیث سے ناواقف ہو، یا منکر دین ہو۔ میں نے یہ جو کچھ کہا ہے، بتوفیق خداوندی کہا ہے،

اہل قبور سے استمداد اب رہا اہل قبور سے استمداد کا مسئلہ، بعض فقہا نے اس سے انکار کیا ہے۔ اگر انکار کی وجہ یہ ہے کہ اموات کو زائرین اور ان کے احوال کا علم نہیں اور نہ وہ سنتے ہیں تو ہم نے ثابت کر دیا ہے، کہ یہ قول باطل ہے، اور اگر ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ قبر میں اموات کو اس قدر قدرت اور تصرف حاصل نہیں۔ کہ وہ مدد کر سکیں بلکہ وہ محبوس اور روکے گئے ہیں اور سختی و شدت میں مبتلا ہیں تو یہ بات ان متقین کے بارے میں جو اللہ کے محبوب ہیں صادق نہیں آتی کیونکہ برزخ میں انہیں اللہ کا قرب حاصل ہوگا۔ اور اسبات پر قدرت حاصل ہوگی۔ کہ وہ ان زیارت کنندگان کی جو ان کا وسیلہ پکڑتے ہیں شفاعت اور دعا کریں اور بارگاہ رب العزت سے ان کی حاجت برآری کی دعا کریں۔ جیسا کہ قیامت کے دن ہوگا۔ ان امور کی نفی پر تمہارے پاس کون سی دلیل ہے؟

قاضی بیضاوی نے "وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا" اور بعد کی آیات کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ ان سے مراد نفوس فاضلہ کی صفات ہیں، جب وہ بدن سے جدا ہوتی ہیں، کیونکہ انہیں بدن سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے اور عالم ملکوت کو جاتے ہوئے وہ نشاط میں ہوتی ہیں۔ وہاں سیاحت کرتی ہیں۔ پھر بارگاہِ ربُّ العزّت کی طرف جاتے ہیں، ایک دوسرے سے سبقت کرتی ہیں۔ پھر شرف و قوت حاصل کر کے واپس آتی ہیں، ہمیں سمجھ میں نہیں آتا ہے، کہ امداد و استمداد سے ان کی کیا مراد ہے، جس کے یہ لوگ منکر ہیں، جس قدر ہماری سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ دعا کنندہ جو اللہ کی طرف محتاج ہوتا ہے، خدا سے درخواست کرتا ہے اور بارگاہِ ربُّ العزّت سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے، اور اس مقرب و مکرم بندے کی روحانیت کو بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ لاتا ہے، اور کہتا ہے کہ اے خدا اس بندے کی برکت سے جس پر تو نے رحم کیا ہے، اور جس پر تو نے اپنا لطف و کرم کر رکھا ہے، میری حاجت برآری کر کیونکہ تو ہی دینے والا اور کریم ہے۔ یا یہ کہ وہ مکرم و مقرب بندہ کو پکارتا ہے، کہ اے خدا کے ولی میری سفارش کیجئے اور خدا سے درخواست کیجئے تاکہ میری درخواست مجھے عطا ہو، اور میری حاجت پوری ہو، دینے والا تو ہر صورت میں خدا ہے، اسی سے سوال کیا جاتا ہے، اور وہی مامول ہے، اور یہ بندہ تو درمیان میں محض ایک وسیلہ ہوتا ہے قدرت رکھنے والا اور تصرّف کرنے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور اولیاء خدا تو اللہ کی قدرت، سطوت اور افعال میں فنا ہو چکے ہوتے ہیں۔ نہ انہیں قدرت حاصل ہے اور نہ تصرف کرنے کا کوئی اختیار۔ نہ اب جبکہ وہ قبروں میں ہیں۔ اور نہ اس وقت تھا۔ جب کہ دنیا میں زندہ تھے، اگر یہ معنی جو ہم نے بیان کئے ہیں۔ شرک اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کا سبب ہوں، جیسا کہ منکر کا خیال ہے، تو پھر ان بزرگوں کی زندگی میں بھی ان سے توسل طلب۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔

کرنا اور دعا طلب بھی ممنوع ہونا چاہئے، حالانکہ یہ ممنوع نہیں ہے، بلکہ بالاتفاق مستحب اور مستحسن ہے، اور دین اسلام میں شائع و ذائع ہے،

اگر یہ کہیں کہ مرنے کے بعد یہ لوگ تو معزول ہو چکے ہیں۔ اور جس حالت و کرامت میں زندگی میں تھے۔ اب اس سے نکل چکے ہیں۔ تو اس کی دلیل پیش کریں۔ یا یہ کہیں کہ مرنے کے بعد جو عارضات انہیں پیش آتے ہیں، ان کی وجہ سے تو وہ اپنے دھندے میں پڑے ہیں، تو اسے آپ کلیہ قاعدہ قرار نہیں دے سکتے اور اس حالت کے دائم رہنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں، کہ یہ کلیہ قاعدہ نہیں اور استمداد کا فائدہ بھی عام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ممکن ہے کہ بعض لوگ تو اللہ کی ذات میں اس قدر منجذب اور مستغرق ہوں کہ انہیں دنیا کا نہ شعور ہو اور نہ اس طرف توجہ ہوتی ہو۔ اور نہ انہیں دنیا میں تصرف حاصل ہو۔ جیسا کہ اس دنیا میں بھی مجذوبوں کے حالات متفاوت ہوتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی زیارت کنندہ یہ اعتقاد رکھے کہ اہل قبور بذات خود قادر اور متصرف ہیں۔ بدوں اس کے کہ حق سبحانہٗ کی طرف ان کی توجہ ہو اور بدوں اس کے کہ وہ حق تعالیٰ سے درخواست کرتے ہوں، جیسا کہ عوام اور جاہل اعتقاد رکھتے ہیں۔ تو یہ قطعاً حرام اور ممنوع ہے، مثلاً قبر کو بوسہ دینا قبر کو سجدہ کرنا۔ اور قبر کے رخ منہ کرکے نماز پڑھنا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے اعتقادات اور افعال ممنوع اور حرام ہیں۔ اور عوام کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور نہ ہی ان سے ہماری بحث ہے، مگر شریعت سے واقف اور احکام دین جاننے والا ایسا اعتقاد کیسے رکھ سکتا اور ایسے فعل کیسے کر سکتا ہے،

مشائخ اہل کشف سے کاملین کی ارواح سے استمداد و استفادہ کے بارے میں اس قدر روایات آئی ہیں جو خارج از حصر ہیں۔ ان کی کتابوں اور رسائل میں یہ روایات مذکور ہیں۔ اور ان کے ہاں مشہور ہیں۔ لہٰذا یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، ممکن ہے کہ منکر اور متعصب کو ان بزرگوں کے کلام سے کوئی فائدہ بھی نہ ہو۔ خدا ہمیں اس سے بچائے یہاں پر بحث صرف علم اور شریعت کے لحاظ سے ہے۔ ہاں زیارت کے وقت مردوں کو سلام کرنا اور ان کے لئے استغفار کرنا اور قرآن مجید کا پڑھنا مسنون اور مروی ہے، مگر اس میں استمداد کا پہلو نہیں ہے[1]

لہٰذا زائر و مزور دونوں کے حالات کے اختلاف کا لحاظ رکھتے ہوئے مردوں کی امداد کرنا اور ان سے استمداد کرنا دونوں پائے جائیں گے،

یاد رکھیں کہ اختلاف صرف غیر انبیاء علیہم صلوات اللہ و سلامہٗ میں ہے، کیونکہ انبیاء تو بالاتفاق حقیقی دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور اولیاء کی زندگی ایسی نہیں، کیونکہ ان کی زندگی حیات اخروی اور معنوی ہے یہاں پر بحث لمبی ہو گئی۔ یہ منکرین کو ذلیل کرنے کے لئے کیا گیا ہے، کیونکہ آجکل ایک فرقہ پیدا ہوا ہے، جو ان اولیاء اللہ سے استمداد اور استعانت کے منکر ہیں، جو اس دنیا سے منتقل ہو کر دار البقا میں پہنچ چکے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں رزق پاتے ہیں اور خوشحال ہیں۔ اور لوگوں کو اسکی خبر نہیں اور جو لوگ ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں انہیں یہ لوگ مشرک اور بت پرست قرار دیتے ہیں، اس کے علاوہ اور بہت کچھ کہتے ہیں۔ بہت مدت سے ۔۔۔

([1] یہاں تو اموات کو مدد دینے (امداد) کا پہلو پایا گیا۔)

اس ... مسئلہ کی تحقیق وتفصیل لکھنے کا خیال تھا۔ آج اللہ کی توفیق شامل حال ہوئی تو یہ کلمات لکھدئے گئے،

سہیلی کا بیان | ابوالقاسم عبدالرحمٰن سہیلی (م ۵۸۱ھ) فرماتے ہیں[1]:۔

حضرت عائشہؓ تو اس موقعہ پر موجود نہ تھیں، دیگر اصحاب جو اس وقت موجود تھے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بہتر یاد ہو سکتے ہیں، یہی وجہ ہے، کہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ تو ان لوگوں کو خطاب فرما رہے ہیں جو مردار ہو چکے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا تم میری بات کو ان سے بہتر نہیں سن سکتے (بقول حضرت عائشہؓ) اگر مردے جان سکتے ہیں تو سن بھی سکتے ہیں، خواہ اپنے سر کے کانوں سے اگر ہم کہیں کہ روح بدن میں یا جزو بدن میں سوال کے وقت لوٹائی جاتی ہے، اور یہی اکثر اہل سنت کا مذہب ہے، یا دل یا روح کے کانوں سے جیساکہ ان لوگوں کا خیال ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ جسم یا جزو جسم میں لوٹائے جانے کے بغیر ہی روح کو سوال کیا جاتا ہے،

یہ بھی روایت ہے کہ مُردوں کے عدم سماع پر حضرت عائشہ رضی اللہ نے اللہ کے فرمان

مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ۝

کو دلیل کے طور پر پیش کیا تھا، حالانکہ اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو آیت

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ ۝ (کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں) کا ہے، مراد یہ ہے کہ خدا ہی تو ہے جو ہدایت کرتا ہے، توفیق دیتا ہے اور نصیحت کو دل کے کانوں تک پہنچاتا ہے۔ آپ یہ کام نہیں کر سکتے:۔ کافروں کو تشبیہ کے طور پر مردہ اور بہرہ کہا ہے، لہٰذا خدا ہی جب چاہے در حقیقت انہیں بات سنادے، نہ نبی یہ کام کر سکتا ہے، نہ کوئی اور لہٰذا اس آیت کا عدم سماع سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کی دو وجہیں ہیں، ایک یہ کہ یہ آیت کفار کو ایمان کی طرف دعوت دینے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تو صرف اس بات کی نفی کی ہے، کہ نبی انہیں سنا نہیں سکتے اور یہ صحیح ہے، اسلئے کہ صرف خدا ہی ہے، کہ جب چاہے انہیں سنا دے، وَهُوَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

---

[1] الروض الانف: ۲: ۴۷۴

میت غسل دینے والوں اور اُن لوگوں کو پہچانتی ہے جو اُسے قبرستان لیجاتے ہیں

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب شرح الصدور میں اس کے لئے ایک الگ باب باندھا ہے۔ اور متعدد احادیث نقل کی ہیں۔ یہاں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے،

ابو سعید خدری کی روایت احمد، طبرانی نے اوسط میں، مروزی اور ابن مندہ نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت، اپنے نہلانے والے، اٹھانے والے، کفنانے والے اور قبر میں رکھنے والے کو پہچانتی ہے[1]،

عمرو بن دینار کی روایت ابن ابی الدنیا نے عمرو بن دینار سے روایت کی ہے، کہ جو شخص مرجاتا ہے اسے اس کے مرنے کے بعد جو کچھ ہورہا ہوتا ہے، اس کا علم ہوتا ہے، اور جب وہ اسے غسل دیتے اور کفن پہنا رہے ہوتے ہیں، تو وہ ان کی طرف دیکھ رہا ہوتا ہے[2]،

ابن عباسؓ کی روایت ابوالحسین بن البر نے کتاب الروضہ میں ابن عباسؓ سے بسند ضعیف روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت اپنے غسل دینے والے کو پہچانتی ہے، اگر اسے جنت کی بشارت دی گئی ہو تو اٹھانے والے سے درخواست کرتی ہے، کہ وہ اُسے جلدی سے لے جائے اور اگر دوزخ کی بشارت دی گئی ہو، تو روکنے کی درخواست کرتی ہے[3]

مجاہد کا قول ابن ابی الدنیا نے مجاہد سے روایت کی ہے، کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے، تو فرشتہ اس کی روح کو ہاتھ میں لئے ہوتا ہے، اور میت ہر ایک چیز کو دیکھتی ہوتی ہے، غسل دیتے ہوئے بھی اور اٹھا کر لے جاتے ہوئے بھی تا آنکہ اسے قبر میں پہنچا دیا جاتا ہے[1]،

ابن نجیح کی روایت ابن ابی الدنیا نے ابن ابی نجیح سے روایت کی ہے، کہ جب کوئی مرجاتا ہے، تو اس کی روح ایک فرشتہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اور وہ دیکھتی ہے، کہ اس کے جسم کو کس طرح نہلایا جاتا ہے، کس طرح کفنایا جاتا ہے۔ اور اسے کس طرح قبر تک لیجایا جاتا ہے، اس کے بعد اس کی روح اس میں لوٹا دی جاتی ہے، اور اسے قبر میں بٹھلا دیا جاتا ہے[2]،

ابن قیم کا قول ابن قیم فرماتے ہیں،

ثم تاتی الروح فتشاھد غسل البدن وتکفینه وحمله وتقول قدموني قدموني[3]

---

[1] شرح الصدور: ۶۱، اور حیات الموات: ۲۷، زرقانی: ۵: ۳۳۴، [2] شرح الصدور: ۶۲، اور کتاب الروح: ۱۳۰-۹۴

[3] شرح الصدور ۶۱، اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے۔ مگر چونکہ اس کی تائید دیگر روایات سے ہوتی ہے۔ اسلئے اسے پیش کیا گیا[3]

[4] کتاب الروح: ۸۰،

روح پھر آجاتی ہے، اور بدن کے نہلانے، کفنانے اور اٹھانے کو دیکھتی ہے، اور کہتی ہے مجھے آگے لے چلو،

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ چند ایک واقعات درج کر دیئے جائیں جن میں بعض لوگوں کا مرنے کے بعد کلام کرنے کا ذکر آیا ہے، امید ہے کہ یہ دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے،

ایک میت کا آنکھیں کھولنا | ابن النجار نے اپنی تاریخ میں ابو محمد بن النجار سے نقل کیا ہے اور یہ ابو محمد بن النجار مروزی کے ساتھیوں میں سے تھے، خلال ان کی فضیلت کی وجہ سے انہیں اوروں پر مقدم سمجھتے تھے،...... یہ ابو محمد کہتے ہیں کہ میں نے ایک میت کو غسل دیا اور ابھی غسل دے رہا تھا، کہ اس نے آنکھیں کھولیں اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا اے محمد اس دن کے لئے اچھی طرح سے تیاری کرو[۱]،

دوسرا واقعہ | ابو علی الرودباری نے حکایت کی ہے، کہ ان کے ہاں ایک فقیر آیا اور کچھ عرصہ بعد مر گیا، میں نے اُسکے دفن کرنے کا انتظام کیا۔ جب مٹی میں رکھنے کیلئے میں نے اس کا چہرہ کھولا یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ ایک غریب الوطن انسان تھا، مجھے اس پر رحم آیا اچانک اس نے آنکھیں کھولیں اور کہا،

يَا، اَبَا عَلِيٍّ اَتُذَلِّلُنِيْ بَيْنَ يَدَيْ مَنْ دَلَّلَنِيْ ،

اے ابو علی! کیا تو مجھے اس پروردگار کے سامنے ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ جس نے مجھے اس پر ناز کرنے کی عادت ڈال رکھی ہے،

میں نے کہا کیا مرنے کے بعد زندگی،

اس نے جواب دیا:- میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر محب زندہ ہوتا ہے[۲]،

تیسرا واقعہ | قشیری کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد الرحمٰن سلمی سے سنا وہ کہتے تھے، کہ میں نے منصور بن عبد اللہ سے سنا، انہوں نے مصر میں ابو جعفر بن قیس سے سنا۔ انہوں نے ابو سعید خزاز سے سنا، فرماتے ہیں میں مکہ میں تھا ایک دن باب بنی شیبہ سے گذر رہا تھا، کہ خوبصورت نوجوان کو مُردہ پڑا ہوا پایا۔ میں نے جب اس کے چہرہ کی طرف دیکھا۔ تو مسکرایا۔ اور کہا اے ابو سعید کیا تجھے معلوم نہیں۔ کہ اللہ کے دوست خواہ مر چکے ہوں زندہ ہوتے ہیں۔ وہ تو صرف ..... ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دئے جاتے ہیں[۳]۔

چوتھا واقعہ | ابو القاسم قشیری اپنی سند سے ابو یعقوب سوسی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ذکر کیا کہ میں نے اپنے ایک مرید کو غسل دیا، اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا۔ حالانکہ وہ تختے پر پڑا تھا۔ میں نے کہا: بیٹا! میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ مجھے معلوم ہے کہ تو مُردہ نہیں ہے، یہ تو ایک گھر سے دوسرے گھر کو جانا ہے، اس پر اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا[۴]۔

پانچواں واقعہ | ابو القاسم کہتے ہیں کہ میں نے اسی شخص سے سنا کہ اسے ابو بکر احمد بن محمد طرسوسی نے بتایا، کہ انہیں ابراہیم بن شیبان نے بتایا کہ ایک بڑا خوش عقیدہ نوجوان ان کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔ وہ مر گیا۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ مجھے

---

[۱] شرح الصدور: ۶۳ [۲] رسالہ قشیریہ: ۱۵۴، [۳] رسالہ قشیریہ: ۱۵۴، [۴] رسالہ قشیریہ: ۱۸۷،

اس کی وفات کا بہت غم ہوا، جب میں اسے غسل دینے لگا۔ اور اس کے ہاتھوں کو دھونے کا ارادہ کیا تو دہشت کی وجہ سے میں نے دائیں ہاتھ کی بجائے بائیں ہاتھ سے شروع کیا۔ اس نے ہاتھ چھڑا کر دایاں ہاتھ مجھے پکڑا دیا۔ اس پر میں نے کہا۔ بیٹا! تو سچا ہے، مجھ سے غلطی ہوئی۔[۵]

چھٹا واقعہ ابو القاسم کہتے ہیں کہ میں نے اسی شخص سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو النجم المقری البروعی کو شیراز میں یہ کہتے سنا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے دقی کو سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن منصور کو سنا وہ کہتے ہیں کہ میں ابو یعقوب موسیٰ کو کہتے ہوئے سنا،

میرے پاس ایک مرید مکہ میں آیا۔ اور کہا اے استاد میں کل دوپہر کے وقت مر جاؤں گا۔ یہ دینار لے۔ آدھے دینار سے تو میری قبر کھدوانا اور باقی نصف سے مجھے کفن پہنانا۔ جب دوسرا دن آیا تو اس نے آکر پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر دور ہٹ کر لیٹ گیا اور جان دیدی۔ میں نے اسے غسل اور کفن دیا۔ اور جب لحد میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ میں نے کہا: کیا مرنے کے بعد زندگی؟ اس نے جواب دیا میں زندہ ہوں، اور اللہ کا محب زندہ ہوتا ہے۔[۶]

طبقات الحنابلہ: ۲: ۱۳۸ مصنفہ قاضی ابو الحسین۔ محمد بن ابی یعلی المتوفی ۵۲۶ھ وتوفی ابوہ ابو یعلی ۴۵۸ھ، طبع قاہرہ، ۱۳۷۱ھ = ۱۹۵۲ء

وقال ابو اسحاق بن شاقلا: حدثنا عبد العزیز بن جعفر قال سمعت ابا محمد البخاری وکان عبداً صالحاً وکان من اصحاب المروزی قال: غسلت میتاً فمضی الذی یصب الماء علی فی حاجة ففتح عینیه وقبض علی وامذی وقال لی: یا ابا محمد احسن الاستعداد لهذا المصرع وعاد الی حاله۔

[۶] رسالہ قشیریہ: ۱۸۷

اموات زیارت کنندگاں کو پہچانتے ہیں، ان کے سلام کا انہیں علم ہوتا ہے، اور وہ سلام کا جواب بھی دیتے ہیں،

حافظ ابن قیم نے کتاب الرُّوح میں اور حافظ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں اس پر مستقل باب باندھا ہے، چنانچہ ابن القیم لکھتے ہیں۔ کہ ابن عبدالبر کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا۔

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُرُّ عَلَى قَبْرِ اَخِيْهِ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ رُوْحَهُ حَتّٰى يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

جب کبھی بھی کوئی مسلمان اپنی جان پہچان والے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہوا اسے سلام کہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی رُوح اسے لوٹا دیتے ہیں۔ تاکہ وہ اس کی سلام کا جواب دے سکے، اس کے بعد ابن قیم فرماتے ہیں،

فَهٰذَا نَصٌّ اَنَّهُ يَعْرِفُهُ بِعَيْنِهِ وَيَرُدُّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

یہ صریح نص ہے کہ میت زیارت کنندہ کو پہچانتی ہے اور اسکے سلام کا جواب دیتی ہے،

ابن ابی الدُّنیا کی روایت ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2]۔ مَا مِنْ رَجُلٍ يَزُوْرُ قَبْرَ اَخِيْهِ اِلَّا اسْتَاْنَسَ وَرَدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى يَقُوْمَ

(جب کبھی کوئی شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کو جاتا ہے، تو میت اس سے انس محسوس کرتی ہے، اور اس (کے سلام) کا جواب دیتی ہے، تا آنکہ وہ اٹھکر چلا جاتا ہے۔

ابن ابی الدنیا اور بیہقی کی روایت ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے شعب میں ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[3]:۔

اِذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرٍ يَعْرِفُهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَعَرَفَهُ وَاِذَا مَرَّ بِقَبْرٍ لَا يَعْرِفُهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ ٭

جو شخص اپنے بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے، اور اسے سلام کرتا ہے تو میت اس کے سلام کا جواب

---

[1] کتاب الرُّوح: ۴ اور شرح الصدور: ۱۲۶: سیوطی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ کہ عبدالحق م ۵۸۲ھ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، نیز ملاحظہ ہو اسی کتاب کا صفحہ ۳۸، [2] شرح الصدور: ۱۲۶، کتاب الروح: ۵ اور ۱۳، اور حیات الموات: ۳۵ زرقانی: ۵: ۳۳۴، [3] شرح الصدور: ۱۲۶ اور کتاب الروح: ۵ اور ۱۳، اور زرقانی: ۵: ۳۳۴،

دیتی ہے اور اسے پہچانتی ہے، اور اگر کسی ایسے شخص کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے، جسے وہ نہ جانتا تھا۔ اور سلام کرتا ہے، تو میّت اس کے سلام کا جواب دیتی ہے،

اربعین طائیہ کی روایت اربعین طائیہ میں ہے۔ کہ روایت کی گئی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

آنَسُ مَا يَكُوْنُ الْمَيِّتُ فِي قَبْرِهٖ اِذَا زَارَهٗ مَنْ كَانَ يُحِبُّهٗ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا

میت کو دنیا میں جن لوگوں سے محبّت ہوتی ہے، اگر ان میں سے کوئی اسکی زیارت کو آئے۔ تو میّت بہت انس محسوس کرتی ہے،

ابن ابی الدنیا اور صابونی کی روایت ابن ابی الدنیا نے اَلْقُبُوْر میں اور الصابُونی نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے، کہ ابورزین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! میرا گذر قبرستان سے ہوتا ہے، لہٰذا مجھے کیا کہنا چاہیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جب تو ان پر سے گذرے تو یوں کہا کرو،

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ ۔

ابورزین کہتے ہیں، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ کیا یہ سنتے ہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- سنتے تو ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے۔ نیز فرمایا:- اے ابورزین کیا تو اس پر راضی نہیں۔ کہ جتنی تعداد ان مردوں کی ہے، اتنی قدر فرشتے تمہارے سلام کا جواب دیں،

سیوطی کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ وہ جواب نہیں دے سکتے اس سے یہ مراد ہے، کہ وہ اس طرح جواب نہیں دے سکتے کہ زندہ لوگ سن سکیں ورنہ درحقیقت مُردے سلام کا جواب دیتے ہیں

صنعانی کا بیان غیرمقلدین کے امام محمد اسمٰعیل الامیر الیمنی الصنعانی متوفی ۱۱۸۲ھ حضرت ابن [illegible] سے مروی حدیث مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُوْرِ الْمَدِيْنَةِ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ:-

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ،

رواہ الترمذی وقال حسن،

کی شرح میں فرماتے ہیں[1]

فِيْهِ اَنَّهٗ يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ اِذَا اَتَى الْمَقْبَرَةَ وَاِنْ لَمْ يَقْصِدِ الزِّيَارَةَ لَهُمْ۔ وَفِيْهِ اَنَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ بِالْمَارِّ بِهِمْ وَسَلَامِهٖ عَلَيْهِمْ وَاِلَّا كَانَ اِضَاعَةً،

اس حدیث میں دو باتیں پائی جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ جب مسلمان کسی قبرستان کے پاس سے گذرے خواہ ان کی زیارت کا ارادہ نہ بھی ہو، تب بھی انہیں سلام کہے اور دوسری یہ کہ اموات کو ان کے پاس سے گذرنے والوں کا اور ان کے سلام کرنے کا علم ہوتا ہے، کیونکہ اگر ان کو علم نہ ہوتا تو سلام

[1] اصل کتاب میں یہاں "اِنَّ كَلَامَهٗ عَلَى الْمَوْتٰى" کے الفاظ ہیں شرح الصدور: ۱۳۶ ا سبل السلام: ۲: ۱۶۴،

کرنا ہے کار ہوتا،

ابن قیم کا بیان | ابن قیم فرماتے ہیں، کہ حدیث اور آثار سے پتہ چلتا ہے، کہ جب کوئی شخص میت کی زیارت کو آتا ہے، تو میت کو اس کا علم ہوتا ہے اور وہ زیارت کنندہ کے کلام کو سنتی ہے، اس سے انس محسوس کرتی ہے، اور سلام کا جواب دیتی ہے، اور یہ بات شہدا اور غیر شہدا سب میں مشترک ہے، اور اس میں وقت کی کوئی تعیین نہیں، اور یہ بات ضحاک کی اس روایت سے جس میں وقت کی تعیین کی گئی ہے۔ زیادہ صحیح ہے نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کیلئے اہل قبور کو اسی طرح سلام کہنے کا حکم دیا ہے جس طرح ہم آپس میں سلام کہتے اور ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو مردوں کو اسی طرح مخاطب کرنا ایسا ہوتا جیسے کوئی معدوم چیز یا جمادات کو خطاب کر رہا ہو۔ سلف کا اس پر اجماع ہے، اور اس بارے میں احادیث میں تواتر پایا جاتا ہے، کہ میت کو زندہ لوگوں کے زیارت کو آنے کا علم ہوتا ہے۔ اور وہ خوش ہوتی ہے،[۱]

حجرۂ مبارک میں حضرت عمرؓ کے دفن ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ کا پردہ کے ساتھ اندر آنا، | احمد اور حاکم نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے، کہ وہ فرماتی ہیں۔ کہ میں اپنے حجرہ میں داخل ہو کر اوپر کے کپڑے اتار دیا کرتی تھی۔ اس خیال سے کہ یہاں کون ہے، یہاں میرا باپ اور خاوند ہی تو مدفون ہیں، مگر جب حجرۂ مبارک میں حضرت عمرؓ بھی مدفون ہوئے تو حضرت عمرؓ سے حیا کی وجہ سے جب بھی اندر آتی تھی تو کپڑا رکھ کر آتی تھی،[۲]

آپ نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ سے اسی طرح حیا کیا۔ جیسے وہ ان کی زندگی میں کیا کرتی تھیں، اس کی وجہ یہی تھی کہ عام مردگاں کو زیارت کنندگاں کا علم ہوتا ہے، چہ جائیکہ مقرب لوگ اور پھر حضرت عمرؓ جن کی وفات شہادت سے ہوئی،

ابو عثمان نہدی کا بیان | یزید بن ہارون کہتے ہیں۔ کہ مجھ سے سلیمان تیمی نے ابو عثمان نہدی سے روایت کی کہ ابن ساس ایک دن اجلے سے کپڑے پہنکر ایک جنازے کے ساتھ نکلا اور ایک قبر تک پہنچا، ابن ساس کہتے ہیں، کہ میں نے دو رکعتیں پڑھیں اور قبر پر تکیہ لگا لیا، اللہ کی قسم میں ابھی بیدار ہی تھا، کہ میں نے قبر سے آواز سنی۔ دور ہٹو، مجھے دکھ نہ دو، تم لوگ عمل کرتے ہو، مگر تمہیں کچھ علم نہیں، ہمیں علم ہے مگر عمل نہیں کر سکتے اگر میں تمہارے جیسی دو رکعتیں پڑھ سکوں تو کوئی چیز بھی اس کے برابر نہ ہوگی،[۳] اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن قیم لکھتے ہیں۔ کہ اس ...

---

[۱] کتاب الروح: ۷ اور ۸ اور شرح الصدور: ۱۵۱ [۲] جذب القلوب: ۱۴۶ اور شرح الصدور: ۳۶، اور وفاء الوفاء ۱: ۳۸۵، سمہودی لکھتے ہیں، کہ بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں دیوار کھینچ کر حجرہ کے دو حصے کر دیئے گئے ایک حصہ میں قبریں تھیں اور دوسرا حصہ حضرت عائشہؓ کی رہائش کے لئے تھا۔ [۳] کتاب الروح: ۸، اور مشکوٰۃ باب الجنائز باب زیارت القبور کی اس حدیث کے تحت شیخ عبدالحق لکھتے ہیں۔ دریں حدیث دلیلی واضح است بر حیات میت و علم وی و آں دال است احترام میت نزد زیارت وی خصوصا صالحاں و مراعات ادب بر قدر مراتب ایشاں چنانچہ در حیات ایشاں بود زیرا کہ صالحاں را مدد بلیغ است مر زیارت کنندگاں را بر اندازہ ادب ایشاں د شرح مشکوٰۃ فارسی ۱: ۳۶۳،

بعض اموات کا قرآن مجید اور نماز پڑھنا

آپ اوپر پڑھ چکے ہیں، کہ ہمیں اموات کو بعینہٖ اسی طرح سلام کہنے کا حکم دیا گیا ہے، جس طرح ہم زندوں کو کہتے ہیں؛ نیز یہ کہ وہ ہمارے سلام کا جواب دیتے ہیں، خواہ ہم اسے سن سکیں یا نہ اور یہ کہ اموات زائرین کی زیارت سے خوش ہوتے ہیں، یہ تو عام اموات کا حال ہے، پھر خواص کی اور ہی کیفیت ہے، وہ قبروں میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھتے ہیں، چنانچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے متعلق صریح احادیث میں آیا ہے، کہ وہ اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، جیسا کہ اس کا ذکر اپنے باب میں آئیگا، انشاءاللہ تعالیٰ صلحاء امت کو بھی یہ شرف حاصل ہوا ہے، کہ وہ ان اعمال کو قبروں میں کرتے ہیں،

سید انور شاہ رحمہ اللہ کا بیان | سید انور شاہ آنحضرت کے فرمان "نم صالحاً" پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں، "نم صالحاً" کے الفاظ سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے، کہ قبروں میں کوئی عمل وغیرہ نہ ہوگا۔ حالانکہ قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً اذان اور اقامت دارمی کے ہاں، قراءۃ قرآن ترمذی کے ہاں اور حج بخاری کے ہاں ملاحظہ ہو شرح الصدور، قرآن مجید کے الفاظ سے دونوں باتوں کا وہم گذرتا ہے، چنانچہ سورہ یسین میں ہے مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا هٰذَا ، ہمیں اس مرقد سے کس نے اٹھایا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے، کہ قبر میں کوئی احساس نہ ہوگا۔ اور سب سوئے ہوئے ہوں گے اور دوسری جگہ قرآن مجید میں یوں ہے، اَلنَّارُ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا، یہ آیت پہلی آیت کے خلاف ہے میرے نزدیک اس کی تشریح یوں ہے کہ برزخ میں اموات کے ان اعمال کے اعتبار سے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے، ان کا حال بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔ چنانچہ بعض تو اپنی قبروں میں سوئے ہوئے ہوں گے، اور بعض نازونعمت میں ہوں گے، برزخی حالت کو نیند سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے، کہ عربی زبان میں کوئی اور ایسا لفظ نہ تھا، جو اس کے صحیح مفہوم کو ادا کر سکے، لہٰذا ایسا لفظ اختیار کیا گیا جو کسی قدر اس کے مفہوم کو ادا کر سکے، نیند سے بڑھ کر کوئی اور حالت برزخی زندگی سے مشابہت نہیں رکھتی، اسی لئے تو حدیث میں آیا ہے، النَّوۡمُ اَخُو الۡمَوۡتِ اور اسی لئے قرآن میں نیند اور موت کو ایک ہی لفظ کے تحت لایا گیا اور وہ لفظ "تَوَفِّی" کا لفظ ہے، پھر موت اور نیند میں فرق کر دیا گیا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ نیند اور موت میں کوئی نہ کوئی مشترک بات بھی پائی جاتی ہے اور امتیازی بات بھی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا وَالَّتِىۡ لَمۡ تَمُتۡ فِىۡ مَنَامِهَا‌ فَيُمۡسِكُ الَّتِىۡ قَضٰى عَلَيۡهَا الۡمَوۡتَ وَيُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰٓى (الآیۃ)

---

[۱] فیض الباری: ۱: ۱۸۳،

القصہ اس دنیا کی زندگی کے خاتمہ اور ایک نئی زندگی کی ابتداء کا نام برزخ ہے۔ یہی بات نیند میں بھی ہے، کہ اس میں بھی دنیا سے ایک طرح کا انقطاع پایا جاتا ہے،

قاضی ابوبکر ابن العربی کا بیان | قاضی ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں[1]،

ہم نے کتب اصول میں بیان کر دیا ہے۔ کہ موت ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونے اور ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنے کا نام ہے، اور ہم نے سراج المریدین جو تفسیر قرآن میں لکھی ہے کی چوتھی قسم میں اس کے عجیب و غریب حالات بیان کئے ہیں،

اب میں یہاں ان لوگوں کے واقعات پیش کرتا ہوں جن کی قبروں میں نماز وغیرہ پڑھنے کی شہادت پائی جاتی ہے،

ثابت بنانی کا قبر میں نماز پڑھنا | ابن سعد طبقات میں، ابن ابی شیبہ مصنف میں اور امام احمد الزہد میں لکھتے ہیں

اخبرنا عفان[2] بن مسلم قال حدثنا حماد[3] بن سلمۃ عن ثابت[4] البنانی کہ انہوں نے دعا مانگی کہ اے خدا اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کا شرف عطا کیا ہے، تو مجھے بھی یہ شرف عطا کرنا[5]،

دوسری روایت | ابو نعیم نے یوسف سے روایت کی ہے، کہ عطیہ نے انہیں بتایا کہ میں نے ثابت کو حمید الطویل کو یہ کہتے سنا، کہ کیا تجھے یہ روایت پہنچی ہے، کہ انبیاء کے سوا کوئی اور بھی قبر میں نماز پڑھتا ہے، حمید نے جواب دیا، نہیں، اس پر ثابت نے کہا:۔ خدایا تو نے اگر کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، تو مجھے بھی اجازت دینا[6]

روایت مذکورہ کی شہادت | ابو نعیم نے جبیر سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں قسم ہے خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے ہی ثابت بنانی کو قبر میں اتارا تھا، اور میرے ساتھ حمید الطویل تھے، جب ہم نے اینٹیں چن دیں تو ایک اینٹ گر پڑی، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہا ہے، یہ اس دعا کی برکت تھی جو وہ زندگی میں کیا کرتا

---

[1] شرح ترمذی، ۷: ۱۴۲ — ۱۴۳، [2] عفان بن مسلم بصری: عجلی کہتے ہیں، کہ عفان بصری ثقہ، مثبت اور متبع سنت ہیں معاذ بن معاذ نے ان سے کہا، کہ آپکو دس ہزار دینار دونگا، اگر آپ فلاں شخص کے متعلق صرف اپنی رائے نہ دیں، نہ یہ کہیں کہ عادل ہے اور نہ غیر عادل مگر انہوں نے یہ کہکر انکار کر دیا، کہ میں حق بات کو باطل نہیں کر سکتا، مامون نے اسحاق بن ابراہیم الطاہری کو حکم دیا، کہ عفان کو بلاؤ اگر وہ خلق قرآن کے قائل ہوں تو بہتر ورنہ ان کا پانچسو درہم ماہوار کا وظیفہ بند کر دو، عفان اسحاق کے پاس گئے مگر انہوں نے اسکی بات نہ مانی اور کہا، کہ میرا رزق اللہ کے ہاں ہے، امام احمد نے ان سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں، یہ بخاری کے بھی استاد تھے، انکی پیدائش ۱۳۴ھ میں اور وفات ۲۱۹ھ میں ہوئی، تہذیب التہذیب ۷: ۲۳۰ — ۲۳۵، [3] حماد بن سلمہ بصری:۔ انہیں ابدال میں شمار کیا جاتا ہے، ابدال ہونے کی یہ نشانی ہے، کہ انکے ہاں اولاد نہیں ہوتی، انہوں نے ستر عورتوں سے شادی کی، مگر کسی ایک سے بھی اولاد نہیں ہوئی ۱۶۷ھ میں ان کی وفات ہوئی، تہذیب التہذیب: ۳: ۱۱ — ۱۶، [4] ثابت بن اسلم بنانی بصری، تابعی ہیں، انہوں نے حضرت انسؓ اور دیگر صحابہؓ سے روایت کی ہے، اور ان سے حمید الطویل اور دیگروں نے، یہ چالیس سال حضرت انسؓ کی صحبت میں رہے، شعبہ کہتے ہیں، کہ ایک دن اور رات میں قرآن ختم کیا کرتے تھے، اور صائم الدھر تھے، ابوبکر المزنی کہتے ہیں، کہ ہم نے اس سے زیادہ عابد کسی کو نہیں پایا، انکی وفات ۱۲۷ھ میں ہوئی، تہذیب التہذیب: ۲: ۲-۴۔

کہ اے اللہ اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کا شرف بخشا ہے، تو مجھے بھی یہ شرف بخشا اور اللہ اسکی دعا کو رد کرنے والا نہیں[۱]

ایک اور شہادت | ابن جریر نے تہذیب الآثار میں اور ابو نعیم نے ابراہیم بن الصمد المہلبی سے روایت کی ہے، کہ جو لوگ علی الصباح قبرستان جبق کے پاس سے گذرتے تھے، انہوں نے بیان کیا کہ جب ہم ثابت بنانی کی قبر سے گذرتے تو ہم قرآن پڑھنے کی آواز سنتے[۲]،

ایک اور روایت | ابن مندہ کہتے ہیں:-

اَنْبَأَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ السَّلَمِی اَنْبَأَنَا اَبُو اَحْمَدُ یُوْسُفَ الْخَفَاجِی اَنْبَأَنَا الْقَاضِی اَبُو اَحْمَدُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرَ بْنِ مُحَمَّدِ الْاَشْعَرِی سَمِعْتُ سَلَمَۃَ بْنَ شَبِیْب، وہ کہتے ہیں، کہ میں نے ابو حماد گورکن کو جو ایک ثقہ اور پرہیزگار انسان تھا، یہ کہتے ہوئے سُنا، کہ میں جمعہ کے دن دوپہر کے وقت قبرستان گیا، تو کیا دیکھتا ہوں، کہ جس قبر کے پاس سے گذرتا ہوں اس میں سے قرآن پڑھنے کی آواز سنائی دیتی ہے[۳]

ایک صحابی کا قبر میں قرآن پڑھنا | ترمذی نے روایت کی ہے، اور اس نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، نیز حاکم اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، کہ کسی ایک صحابی نے قبر پر خیمہ لگایا، مگر انہیں معلوم نہ تھا کہ وہاں قبر ہے، انہیں اس میں سے سُوْرَۃُ الْمُلْک پڑھنے کی آواز سنائی دی یہاں تک کہ اس نے سورۃ ختم کی، اس کے بعد وہ صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور واقعہ بیان کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورۃ نجات دینے والی اور عذاب قبر سے بچانے والی ہے[۴]،

ابو القاسم سعدی کتاب الروح میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصدیق کردی ہے، کہ میت قبر میں قرآن پڑھتی ہے، کیونکہ یہاں حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی[۵]،

امام کمال الدین زملکانی "کتاب العمل المقبول فی زیارۃ الرسول" میں فرماتے ہیں، کہ اس حدیث میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، کہ میت قبر میں سُوْرَۃُ الْمُلْک پڑھ رہی تھی، چنانچہ روایت میں ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنا کرم بعض ولیوں پر کرتے ہیں، تو وہ قرآن مجید پڑھتے ہیں، اور بعض پر کرم کرتے ہیں تو وہ نماز پڑھتے ہیں، اور وہ زندگی میں یہی دعا مانگا کرتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں پر یہ کرم کیا، کہ انہیں قبر میں عبادت کرنے کی قدرت دی، تو انبیاء میں بطریق اولیٰ یہ قدرت ہونی چاہیئے[۶]

ابن رجب کا بیان:- حافظ زین الدین ابن رجب کتاب احوال القبور میں فرماتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ اہل برزخ

---

۱ شرح الصدور: ۱۲۶، ۲، ۳ شرح الصدور ۱۲۷، ۴ شرح الصدور: ۱۲۷، ۵ شرح الصدور: ۱۲۷ اور کتاب الروح: ۹۹،

آخر میں لکھا ہے، قال الترمذی ھذا حدیث حسن غریب اور خازن سورۃ الملک کی ابتداء میں اور وہاں بھی دیا ہے کہ اخرجہ الترمذی وقال حدیث غریب، ۶ شرح الصدور: ۱۲۷

پر اپنا کرم کرتے ہیں، تو وہ برزخ میں اعمال صالحہ کرتے ہیں، اگرچہ انہیں اس کا ثواب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ موت سے عمل
منقطع ہو جاتا ہے، مگر ان لوگوں کے لئے یہ عمل صرف اس لئے جاری رہے گا، تاکہ جس طرح ملائکہ اور اہل جنت جنت میں
اللہ کے ذکر سے لذت اندوز ہوں گے، یہ بھی اس سے حظ حاصل کر لیں، اگرچہ انہیں ان اعمال صالحہ کا ثواب نہ ملے گا
مگر ذکر اور عبادت بذاتہٖ ان لوگوں کے لئے دنیا کی تمام نعمتوں سے بڑھکر ہے، ان کے نزدیک تو ذکر اور طاعت
خداوندی جیسی کوئی نعمت نہیں[1]،

ابن براء کا بیان

ابوالحسن بن براء نے کتاب الروضہ میں عبداللہ بن محمد بن منصور سے روایت کی ہے، کہ
ابراہیم حفار (گورکن) نے بیان کیا میں نے ایک قبر کھودی تو ایک اینٹ دکھائی دی اور جب وہ اینٹ کھل گئی تو
دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا قبر میں قرآن پڑھ رہا ہے[1]،

ابن رجب کی ایک اور روایت

ابن[2] رجب کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوالحجاج یوسف محدث سُرّ مَن رأیٰ نے بیان کیا کہ اس سے
ابوالحسن علی بن الحسین سامری نے جو سامرا کا خطیب اور صالح آدمی تھا، بیان کیا اور مجھے سامرا کی قبروں میں سے ایک
قبر کی جگہ بتا کر کہا کہ اس جگہ سے ہمیں ہمیشہ سورۃ تبارک کے پڑھنے کی آواز سنائی دیتی ہے،

عبداللہ بن عمرو بن حرام صحابی کا قبر میں نماز پڑھنا

ابن مندہ، ابواحمد اور حاکم نے الکنیٰ میں سند ضعیف سے طلحہ بن عبیداللہ سے روایت
کی ہے، کہ میری زمین غابہ میں تھی، میں وہاں جا رہا تھا، کہ راستہ میں رات ہوگئی، میں نے
عبداللہ بن حرام کی قبر کے پاس ڈیرا ڈالدیا، مجھے قبر سے قرآن مجید کے پڑھنے کی آواز سنائی دی، میں نے اس سے بہتر قرأت
نہ سنی تھی، اس کے بعد میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر اس کا ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا: یہ عبداللہ[3]
تھا، جو قرآن پڑھ رہا تھا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ ان کی ارواح کو قبض کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو زبرجد
یاقوت کی قندیلوں میں ڈال کر جنت کے وسط میں لٹکا دیتے ہیں، جب رات ہوتی ہے، تو ان کی ارواح انہیں لوٹا دی جاتی
ہیں، اور طلوع فجر تک وہیں رہتی ہیں، اور جب فجر ہوتی ہے، تو ان کی ارواح کو اپنی جگہ لوٹا دیا جاتا ہے[3]،
نسائی حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ میں سو گیا تھا اپنے آپ کو جنت میں پایا۔ نسائی کے یہ الفاظ ہیں کہ جنت میں داخل ہوا۔ تو قرآن کے پڑھے
جانے کی آواز سنائی دی، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جو قرآن پڑھ رہا ہے، جواب ملا یہ حارثہ بن نعمان ہے، اس پر

---

[1] شرح الصدور: ۱۲۷، اور کتاب الروح: ۹۹،
[2] ان کا نام زین الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن شہاب الدین احمد المعروف بہ ابن رجب البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی ۷۳۶ھ تا ۷۹۵ھ
[3] شرح الصدور: ۱۲۸ اور اصابہ: ترجمہ حارثہ بن نعمان نمبر ۱۵۳۶، اور کتاب الروح: ۱۳۶،
[4] عبداللہ بن عمرو بن حرام غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے، یہ حضرت جابر کے والد ہیں، ان کا ذکر شہداء کے باب میں
پھر کیا جائیگا۔

رسول اللہ نے فرمایا: ماں باپ کی تابعداری ایسی ہوتی ہے، یہ الفاظ تین بار فرمائے، اس لئے کہ حارثہ اپنی والدہ کے بہت ہی تابعدار تھے۔[1]

ابو ہریرہ کی روایت بیہقی نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا۔ ابھی جنت میں ہی تھا۔ کہ کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز سنائی دی میں نے پوچھا یہ کون قرآن پڑھ رہا ہے؟ جواب ملا یہ حارثہ بن نعمان ہے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- والدین کی اطاعت ایسی ہی ہوتی ہے، اور یہ الفاظ تین بار فرمائے،

ایک اور واقعہ حافظ ابن مندہ نے عاصم سقطی سے روایت کی ہے، کہ ہم نے بلخ میں ایک قبر کھودی تو وہ ایک دوسری قبر کی طرف کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑھا قبر میں ہے، اس کا منہ قبلہ کی طرف ہے، اور سبز رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے ہے، اردگرد سبزہ زار ہے، اور گود میں قرآن لئے اسے پڑھ رہا ہے۔[2]

---

[1] شرح الصدور: ۱۲۸ اور اصابہ: ترجمہ حارثہ بن نعمان نمبر ۱۵۲۹، اور کتاب الروح: ۱۲۲۔

[2] شرح الصدور: ۱۲۹۔

ارواح آپس میں ملاقات کرتی ہیں

ابن قیم کہتے ہیں[1]، کہ روحیں دو قسم کی ہیں، یا عذاب میں یا نعمتوں میں، جو عذاب میں ہیں، وہ تو اس عذاب کی وجہ سے ایک دوسرے کی زیارت و ملاقات نہیں کرسکتیں، اور جو نعمتوں میں ہیں ان میں سے جو آزاد ہیں، اور محبوس نہیں ہیں، وہ آپس میں ملتی بھی ہیں، اور ایک دوسرے سے دنیا کے احوال کا تذکرہ بھی کرتی ہیں، چنانچہ ہر روح اپنی اس رفیق روح کے ساتھ ہوتی ہے جس کے اعمال اس جیسے ہوتے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح رفیق اعلیٰ میں ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں؛

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ

اور یہ معیت تینوں گھروں میں ثابت ہے، اس دنیا میں بھی، برزخ میں بھی، اور آخرت میں بھی،

احادیث میں صراحۃً بیان کیا گیا ہے، کہ ارواح آپس میں ملتی اور ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں، چنانچہ ابن ابی الدنیا میں ہے: حدثنی عبد اللہ بن بزیغ اخبرنی فضیل بن سلیمان النمیری حدثنی یحیی بن عبد الرحمن بن ابی لبیبۃ عن جدہ کہ

جب بشر بن براء بن معرور فوت ہوا تو اس کی والدہ کو اس کی وفات کا سخت غم ہوا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! بنی سلمہ میں سے کوئی نہ کوئی مرتا ہی رہیگا، کیا اموات ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، تاکہ میں بشر کو سلام بھیجوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا؛ اے بشر کی ماں قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اموات ایک دوسرے کو اسطرح پہچانتے ہیں، جس طرح درختوں پر پرندے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، چنانچہ بنی سلمہ میں سے جب کبھی کوئی شخص مرنے کے قریب ہوتا تو بشر کی والدہ اس کے پاس آتیں اور کہتیں میرے بیٹے بشر کو میرا سلام کہنا[2]،

ابن ماجہ کی روایت | ابن ماجہ نے محمد بن المنکدر سے روایت کی ہے، کہ جب جابر بن عبد اللہ کی وفات کا وقت آیا تو میں ان کے پاس گیا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام[3] کہنا،

ابن ابی الدنیا اور طبرانی کی روایت | ابن ابی الدنیا اور طبرانی نے اوسط میں ابو ایوب انصاری سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب مومن کی روح قبض ہو جاتی ہے، تو اللہ کی

---

[1] کتاب الروح: ۱۹، اور شرح الصدور: ۱۳۷،
[2] کتاب الروح: ۲۲ اور شرح الصدور ۵۹،
[3] شرح الصدور: ۵۹،

رحمت والے بندے اس کا اسی طرح استقبال کرتے ہیں، جس طرح دنیا میں خوشخبری دینے والے کا استقبال کیا جاتا ہے، پھر کہتے ہیں، کہ اسے ذرا مہلت دو تاکہ یہ آرام کر لے کیونکہ اسے بہت تکلیف ہوئی ہے، اس کے بعد اسے پوچھنا شروع کرتے ہیں، کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے، اور فلاں عورت کا کیا حال ہے؟ کیا اس کی شادی ہو گئی، جب کسی ایسے شخص کے متعلق سوال کرتے ہیں، جو اس سے پہلے مر چکا ہو، تو مردہ کہتا ہے، کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر چکا ہے، اس پر اموات اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارے پاس نہیں آیا، جہنم میں گیا ہو گا،

یہ بُرا ٹھکانا ہے[1]،

نیز کہا کہ تمہارے اعمال تمہارے ان رشتہ داروں اور قبیلہ والوں کو پیش کئے جاتے ہیں، جو پہلے مر چکے ہیں، اگر اچھے ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کو بشارت دیتے ہیں، اور کہتے ہیں، یا اللہ یہ تیرا فضل اور رحمت ہے، تو اپنی رحمت اس پر مکمل کر اور اسی پر اس کو موت دے، اسی طرح بدکاروں کے اعمال بھی انہیں پیش کئے جاتے ہیں، تو اموات کہتے ہیں، خدایا اسے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے، جن سے تو خوش ہو، اور جن سے تیرا قرب حاصل ہو،

بخاری کی روایت | بخاری نے اپنی تاریخ میں خالدہ بنت عبداللہ بن انیس سے روایت کی ہے کہ ابوقتادہ کی بیٹی ام البنین اپنے باپ کے مرنے کے چھ ماہ بعد عبداللہ بن انیس کے پاس آئی جب وہ ابھی بیمار ہی تھا، اور کہا چچا میرے والد کو میرا سلام کہنا[2]،

اشرف علی تھانوی صاحب کا فتویٰ[3] | سوال: بعض جگہ دستور ہے کہ جب مردہ کو نہلا کر کفن پہنایا جاتا ہے، اس وقت مردے کے کان میں کہدیتے ہیں، کہ میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہنا، یہ کیسا ہے؟

الجواب: بعض سلف سے ثابت ہے، کہ مردہ کے ہاتھ برزخ والوں کو سلام کہدیتے تھے، اس بنا پر جائز ہے، مگر اسی حالت میں ہو سکتا ہے، جب مردہ بات سوچنے سمجھنے کے لائق ہو، یعنی موت کے قبل ہوش میں ہو، نہ کہ بعد کفنانے کے کہ محض جہل ہے، (تتمہ اول ص۱۴۷)

احمد اور حکیم ترمذی کی روایت | احمد اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ دو مومنوں کی روحیں ایک دن کی مسافت پر بھی ایک دوسرے سے ملاقات کرتی ہیں، حالانکہ اس سے پہلے ان کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی ہوتی ہے[4]

بزار کی روایت | بزار نے سند صحیح سے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کی وفات کا وقت آتا ہے، اور جو کچھ وہ اس وقت دیکھتا ہے، چاہتا ہے کہ اس کی روح جلدی نکل جائے اور اللہ تعالیٰ بھی ملنا پسند کرتے ہیں، اور جب مومن کی روح آسمان کو چڑھ جاتی ہے، تو مومنین کی ارواح اس سے ان لوگوں

---

[1] شرح الصدور: ۵۹ اور کتاب الروح: ۲۲ - ۲۳، کتاب الروح میں اس حدیث کی سند یوں درج ہے ذکر معویۃ بن یحیٰی عن عبداللہ بن سلمہ ان ابارہم المسمعی حدثہ ان ابا ایوب الانصاری حدثہ، [2] شرح الصدور ۵۹،

[3] امداد الفتاوٰی: ج ۱: ۵۰۷ سوال نمبر ۴۷۶ [4] شرح الصدور: ۵۹ - ۶۰،

کے متعلق دریافت کرنے کو آتی ہیں، جنہیں وہ جانتی تھیں، اگر وہ کہے کہ ابھی زندہ ہے، تو ارواح خوش ہوتی ہیں اگر وہ کہے کہ وہ تو مر چکا ہے۔ تو کہتی ہیں، وہ تو ہمارے پاس نہیں آیا[1]،

ابن ابی الدنیا نے صالح مری سے روایت کی ہے، کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے، کہ موت کے وقت روحیں آپس میں ملتی ہیں، اور نئے مرنے والے کی رُوح سے دریافت کرتی ہیں، کہ تمہارا پیچھے کیا حال ہے، اور یہ کہ تو کس جسم میں تھی، طیب میں تھی یا خبیث میں[2]،

صنعانی کا بیان محمد بن اسمٰعیل یمنی صنعانی کہتے ہیں[3] کہ مُردوں کو اچھے کفن پہنانے کا ذکر احادیث میں آیا ہے اور احادیث میں اچھے کفن پہنانے کی وجہ بھی بتا دی گئی ہے، چنانچہ دیلمی نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت نے فرمایا،

اَحْسِنُوْا اَكْفَانَ مَوْتَاكُمْ فَاِنَّهُمْ يَتَبَاهُوْنَ وَيَتَزَاوَرُوْنَ بِهَا فِيْ قُبُوْرِهِمْ،

میت کو اچھا کفن پہنایا کرو، کیونکہ اموات آپس میں مفاخرت کرتے ہیں، اور ایک دوسرے کی زیارت کو جاتے ہیں،

مُسلم کی روایت صحیح مسلم میں ہے۔ اِذَا وَلِيَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهٗ،

جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا ولی بنے تو اُسے اس کو اچھا کفن پہنانا چاہیے،

ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ترمذی، ابن ماجہ اور محمد بن یحییٰ ہذلی نے اپنی صحیح میں اور ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابو قتادہ سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا ولی بنے تو اسے اچھا کفن پہنائے اس لئے کہ مُردے قبروں میں ایک دوسرے کی زیارت کو جاتے ہیں[4]

عقیلی اور خطیب نے تاریخ میں حضرت انس سے اسی قسم کی روایت دی ہے،

اموات کو اپنے زندہ رشتہ داروں کے اعمال کا پتہ ہوتا ہے ابن قیم فرماتے ہیں کہ میت کو اپنے زندہ رشتہ داروں اور برادری کے آدمیوں کے اعمال کا علم ہوتا ہے، عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ ثور بن یزید نے ابراہیم سے روایت کی کہ ابو ایوب نے بتایا، کہ زندوں کے اعمال اموات پر پیش کئے جاتے ہیں، اگر انہیں نیک اعمال نظر آئیں، تو خوش ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کو بشارت دیتے ہیں، اور اگر بُرے ہوں تو دعا کرتے ہیں، کہ خدا انہیں ان اعمال سے لوٹا دے[5]،

ابن قیم نے عبداللہ بن مبارک کی یہ روایت پیش کرنے کے بعد بہت سے خواب پیش کئے ہیں جن میں اسی بات کا ذکر ہے، میں ان میں سے صرف ایک خواب اس جگہ پیش کرتا ہوں،

قَالَ ابن ابی الدنیا وحدثنی محمد بن الحسین حدثنی خالد بن عمرو الاموی حدثنا صدقة بن سلیمان الجعفری، وہ کہتے ہیں[6] مجھ میں ایک بُری خصلت تھی، میں نے اپنے باپ کے

---

[1] شرح الصدور، ۲۰ [2] سبل السلام: ۲: ۱۳۳ اور شرح الصدور ۱۲۹۔ شرح الصدور میں ہے کہ اس حدیث کو حارث بن اسامہ نے اپنی مسند میں اور عقیلی اور دیلمی نے تاریخ میں جابر سے روایت کیا ہے۔ [3] شرح الصدور: ۱۲۹۔
[4] کتاب الروح: ۷۔ [5] کتاب الروح: ۷۔

مرنے کے بعد اس سے توبہ کرلی لیکن کچھ عرصہ بعد میں نے پھر لغزش کھائی اور میں نے اپنے باپ کو خواب میں دیکھا، میرے باپ نے مجھ سے کہا :- بیٹا! میں تمہارے اعمال سے کس قدر خوش ہوتا تھا، جب تمہارے اعمال میرے سامنے پیش ہوتے تو میں انہیں صالحین کے اعمال سے مشابہت دیا کرتا تھا، مگر جب اب کی بار تمہارے اعمال پیش ہوئے تو مجھے انتہا درجہ کی شرمندگی اٹھانی پڑی، بیٹا! مجھے ان اموات کے سامنے جو میرے آس پاس ہیں رسوا نہ کرو، راوی کہتا ہے کہ صدقہ کوفہ میں میرا پڑوسی تھا اس کے بعد میں اسے سحر کے وقت یوں دعا مانگتے سنا کرتا :-

" اے اللہ مجھے ایسی توبہ عطا کر جس کے بعد اس سے نہ پھروں، اور نہ پہلی حالت کو لوٹوں

یا مُصْلِحَ الصَّالِحِینَ وَ یَا هَادِیَ الْمُضِلِّینَ وَیَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِینَ[1]"

ابو العباس بستی کا واقعہ | ابو العباس عبد اللہ بن محمد بن نافع بستی مشہور زاہد ہوئے ہیں، انہیں وراثت میں بہت سا مال ملا، مگر انہوں نے تمام کا تمام نیک کاموں میں خرچ کر دیا۔ بہت بڑے زاہد اور عابد تھے، محرم ۳۸۳ھ میں پچاسی برس کی عمر میں وفات پائی، جس رات ان کی وفات ہوئی اس رات، ایک عورت نے اپنی والدہ کو جو پہلے مر چکی تھی، خواب میں دیکھا کہ اس نے عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور آرائش کر رکھی ہے، اس نے پوچھا اماں! یہ زینت کیسی؟ اس نے جواب دیا عبد اللہ بن محمد زاہد بستی کی آمد کی وجہ سے آج ہم عید منا رہے ہیں[2]،

زندوں کی روحوں کی ملاقات مُردوں کی روحوں سے ہوتی ہے

ابن قیم کتاب[1] الروح میں فرماتے ہیں کہ اس کے لاتعداد شواہد پائے جاتے ہیں، اور ہم آئے دن مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، کہ زندوں اور مردوں کی روحوں کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ط

اللہ تعالیٰ نفسوں کی موت کے وقت انہیں قبض کر لیتا ہے، اور ان نفسوں کو بھی قبض کر لیتا ہے جو نیند میں ہوتے ہیں، اور مرے نہیں ہوتے لہذا جن کے متعلق موت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے، انہیں تو اللہ روک لیتا ہے، اور دوسرے نفسوں کو مدت مقررہ تک چھوڑ دیا جاتا ہے، اس میں سوچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں

ابن عباسؓ کی روایت | ابو عبد اللہ بن مندہ کہتے ہیں[1]

ثنا احمد بن محمد بن ابراہیم ثنا عبد اللہ بن حسین الحرانی ثنا جدی احمد بن شعیب ثنا موسٰی بن اعین عن مطرف عن جعفر بن ابی المغیرۃ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس، کہ انہوں نے اس آیت کے سلسلہ میں فرمایا :- کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ زندوں اور مردوں کی روحیں خواب میں ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ اور ایک دوسرے سے دریافت کرتی

---

[1] کتاب الروح : ۲۳ [2] البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۳۱۳ +

ہیں، اللہ تعالیٰ مُردوں کی روحوں کو روک رکھتے ہیں، اور زندوں کی روحیں انکے جسموں میں لوٹا دی جاتی ہیں،

ابن قیم نے اس کی شہادت میں بہت سی خوابیں بیان کی ہیں صرف چند ایک پیش کرتا ہوں،

صعب بن جثامہ اور عوف بن مالک کا معاملہ

صعب بن جثامہ اور عوف بن مالک دونوں صحابی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچکر ان دونوں کو بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ ان کی آپس میں بہت دوستی تھی، صعب نے عوف سے کہا۔ بھائی ہم میں سے جو بھی پہلے مرے وہ دوسرے کو خواب میں ضرور دکھائی دے، عوف نے کہا: کیا ایسا بھی ہوتا ہے؟ صعب نے کہا: ہاں۔ صعب پہلے مر گئے۔ عوف نے انہیں خواب میں دیکھا۔ پوچھا بھائی کیا حال ہے، کہا سخت مصیبتوں کے بعد مغفرت ہوئی۔ اور میں نے اس کی گردن میں ایک سیاہ نشان دیکھا، میں نے پوچھا یہ سیاہ نشان کیسا ہے؟ اس نے جواب دیا میں نے فلاں یہودی سے دس دینار قرض لئے تھے، وہ میرے ذمہ ہیں، انہیں ادا کر دیا جائے۔ اے بھائی یاد رکھو میرے مرنے کے بعد میرے گھر والوں کو جو واقعہ بھی پیش آیا ہے مجھے اس کا علم ہو گیا ہے، یہاں تک کہ ہماری جو بلی تھی اسکا بھی مجھے علم ہے، کہ چند دن ہوئے مر گئی ہے، اور یہ بھی یاد رکھو کہ میری بیٹی چھ دن تک مر جائیگی، اس کا خیال رکھنا جب دن ہوا تو میں نے کہا کہ اس خواب کی چند علامات ہیں، میں اس کے گھر گیا وہ میرے آنے سے بہت خوش ہوئے اور بطور گلہ کہنے لگے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کے گھر والوں سے یہی برتاؤ کیا جاتا ہے؟ جب سے صعب مرا آپ آئے ہی نہیں، عوف کہتے ہیں کہ میں نے عام دستور کے مطابق عذر پیش کیا۔ پھر صعب کی ایک تھیلی میں سے دینار نکلے اور یہودی کو رقم ادا کر دی میں نے دل میں کہا ایک بات تو یہ درست ہوئی،

پھر میں نے گھر والوں سے پوچھا، کہ صعب کی وفات کے بعد کوئی واقعہ پیش آیا۔ انہوں نے کچھ واقعات بیان کئے، اور ان میں بلی کے مرنے کا بھی ذکر کیا۔ میں نے کہا یہ دوسری بات ہوئی

پھر میں نے کہا میرے بھائی کی بیٹی کہاں ہے! انہوں نے جواب دیا کہ وہ کھیل رہی ہے۔ جب اسے لایا گیا۔ اور میں نے اسے چھوا تو دیکھا۔ کہ اسے بخار ہو رہا ہے میں نے انسے کہا اس کا خیال رکھنا، اور وہ چھ دن میں مر گئی[1]

ثابت بن قیس کی شہادت کے بعد ابوبکر کا ان کی وصیت کو جائز قرار دینا

ثابت[2] بن قیس بن شماس بڑے پائے کے صحابی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطباء میں سے تھے، جب آیت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

مسلمانو! اپنی آواز کو نبی کی آواز سے زیادہ بلند مت ہونے دو۔ (الآیہ)

نازل ہوئی تو چونکہ ان کی آواز بہت بلند تھی۔ یہ ڈر کے مارے گھر میں گھس گئے اور باہر نہ نکلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] کتاب الروح: ۱۵ — ۱۶ ابن حجر نے اصابہ میں عوف کے حال میں پورا خواب نہیں دیا۔ مگر اس کا ذکر کیا ہے،

[2] البدایہ والنہایہ: ۶:۳۲۴۔ کتاب الروح: ۱۶ - ۱۷ اور اصابہ ترجمہ ثابت۔ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں المعجم الکبیر کا حوالہ دیا ہے، کہ وہاں بھی یہ خواب دیا ہے

نے جب انہیں کچھ دن نہ دیکھا تو ان کی طرف آدمی بھیجکر سبب دریافت کیا۔ ثابت نے کہا کہ میری آواز بلند ہے، اس لئے مجھے ڈر ہے، کہ کہیں میرے اعمال ضائع نہ ہو جائیں، اس کے بعد إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (اللہ تعالیٰ مغرور اور فخر کرنیوالے کو پسند نہیں فرماتے۔) نازل ہوئی تو انہوں نے پھر دروازہ بند کرکے رونا شروع کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سبب دریافت کیا، تو عرض کیا۔ کہ میں خوش پوشی کو پسند کرتا ہوں اور قوم کا سردار بننا چاہتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس آیت کا اطلاق تم پر نہیں ہوتا۔ تو تو اچھی زندگی بسر کرے گا۔ اور شہادت کی موت مریگا۔ اور جنت میں جائیگا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں یہ جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور شہادت پائی شہادت کے وقت یہ ایک عمدہ زرہ پہنے ہوئے تھے، ایک مسلمان نے اس زرہ کو اتار لیا۔ اور لے کر چلا گیا۔ حضرت ثابت ایک اور شخص کو خواب میں آئے اور کہا میں تجھے ایک وصیت کرنے آیا ہوں۔ کہیں اسے خواب سمجھکر رد نہ کر دینا۔ کل جب میں شہید ہوا۔ تو ایک مسلمان میرے پاس سے گذرا اور میری زرہ لیکر چلدیا۔ اس کا گھر سب سے دور ہے اس کے خیمے کے پاس ایک گھوڑا مع رسی کے دوڑ رہا ہے، اس مسلمان نے زرہ پر ایک ہنڈیا اوندھا رکھی ہے، اور ہنڈیا کے اوپر پالان ڈال رکھا ہے، تو خالد بن ولید سے جاکر تمام قصہ سنا دینا۔ اور کہنا کہ میری زرہ منگوالے، اور جب تو ابوبکر صدیق خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ پہنچے تو انہیں کہنا کہ قیس کے ذمہ اتنا قرضہ ہے، اور گھر میں بان کے اندر دس دینار ہیں۔ اور میرا فلاں غلام آزاد ہے، وہ مسلمان خالد کے پاس گیا اور اس نے تمام خواب بیان کر دیا۔ خالد نے آدمی بھیج کر زرہ منگوالی۔ اور گھر کے بان سے ایک تھیلی نکلی اسے جھاڑا گیا۔ تو دس دینار اس میں سے نکلے جو یہودی کو ادا کر دیئے گئے، اور ابوبکر صدیق کے پاس پہنچکر سارا خواب بیان کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس وصیت کو جائز قرار دیا۔ راوی کہتا ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ ثابت بن قیس کے سوا مرنے کے بعد کسی اور کی وصیت جائز قرار دی گئی ہو،

ابوبکر صدیقؓ اور خالد بن ولیدؓ دونوں نے اس خواب پر عمل کرکے وصیت کو جاری کرنے اور زرہ والے سے زرہ واپس لینے پر اتفاق کیا۔ یہ ان کی فہم و فراست تھی،

سعید بن المسیب کی روایت | سعید بن المسیب فرماتے ہیں[۵]۔ کہ عبد اللہ بن سلام کی سلمان فارسیؓ رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی ایک نے دوسرے سے کہا اگر تو مجھ سے پہلے مر جائے تو مجھے ملنا اور مجھے بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے کیا معاملہ کیا، اور اگر میں پہلے مروں گا تو تجھے ملوں گا۔ اور تجھے بتلا دوں گا، کہ مجھ سے کیا ماجرا ہوا۔ دوسرے نے کہا:۔ کیا مردے زندوں سے ملتے ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں! ان کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں، مگر جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں،

---

۵ کتاب الزہد ، ۲۵۱۔

مرنے کے بعد ارواح کہاں ہوتی ہیں؛

ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ کہ مرنے کے بعد ارواح کہاں ہوتی ہیں۔ ایک بڑا بھاری مسئلہ ہے، جس کو لوگوں نے بحث کی ہے، اور اس میں اختلاف پایا جاتا ہے، حالانکہ اس مسئلہ کا تعلق عقل کے ساتھ نہیں بلکہ سمع کے ساتھ ہے[۱]،

شہاب الدین ابن حجر الہیتمی المکی (۹۰۹ھ تا ۹۷۳ھ) سے بھی یہی سوال کیا گیا تھا۔ میں سوال کو اور جو جواب انہوں نے دیا یہاں نقل کرتا ہوں[۲]۔

س:۔ روحوں کے قبض ہونے کے بعد ان کا کہاں مقام ہے؟

ج:۔ ابن رجب کہتے ہیں۔ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم کی ارواح اعلیٰ علیین میں ہوتی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان:۔ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی، سے

اس کی تائید ہوتی ہے، اکثر علماء اس طرف گئے ہیں۔ کہ شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے اندر ہوتی ہیں۔ جن کے لئے عرش کے ساتھ قندیلیں لٹکی ہوتی ہیں۔ وہ جنت میں جہاں چاہیں پھرتی رہتی ہیں۔ جیسا کہ مسلم وغیرہ میں ہے،

عام مومنین کی ارواح کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ نے صراحۃً بیان کیا ہے، کہ جو بچے سن بلوغ کو نہیں پہنچے ہوتے ان کی روحیں جہاں چاہیں جنت میں ہوتی ہیں۔ اور عرش سے لٹکی ہوئی قندیلوں کے پاس آکر آرام کرتی ہیں۔ اسے ابن ابی حاتم نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے،

مکلفین کی ارواح کے بارے میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے، مجاہد فرماتے ہیں۔ کہ ارواح میت کے دفن ہونے کے سات دن بعد تک قبروں پر رہتی ہیں۔ اور اس کے بعد وہاں نہیں ہوتیں۔ اور یہ قول قبروں پر سلام کہنے کی مسنونیت کے خلاف نہیں ہے، اس لئے کہ جن احادیث میں سلام کا حکم آیا ہے، ان میں یہ نہیں کہا گیا کہ ارواح قبروں کے صحنوں پر ہمیشہ رہتی ہیں۔ کیونکہ انبیاء اور شہداء کی قبروں پر بھی سلام کہا جاتا ہے، مگر ان کی ارواح تو اعلیٰ علیین میں ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود ارواح کا بدنوں سے نہایت سرعت سے اتصال ہوتا جس کی حقیقت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

ابن ابی الدنیا نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: مجھے یہ روایت ملی ہے کہ ارواح آزاد ہوتی ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں[۳]۔

---

[۱] کتاب الروح: ۱۱۲ [۲] الفتاوی الحدیثیہ: ۳-۴ [۳] نیز ملاحظہ ہو شرح الصدور: ۱۵۹ مگر وہاں مومنین کے لفظ کا اضافہ ہے۔ یعنی ارواح المومنین، اور امام مالک کی مراد بھی یہی ہے۔

ابن عمر سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔

مَا مِنْ اَحَدٍ يَمُرُّ بِقَبْرِ أَخِيهِ الْمُؤْمِنِ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِلَّا عَرَفَهُ وَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ اور جرید تین والی حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ روح قبر پر ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا۔ ان سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے، کہ حقیقت نفسانیہ کا اتصال روح کے ساتھ رہتا ہے،

بعض کہتے ہیں کہ ارواح قبروں پر ہمیشہ آتی رہتی ہیں۔ اسی لئے جمعہ کی رات، جمعہ کے دن اور ہفتہ کی صبح کو قبروں کی زیارت کرنا سنت ہے۔ انتہیٰ۔

ابن عبدالبر نے اس قول کو ترجیح دی ہے، کہ غیر شہداء کی ارواح صحنوں میں ہوتی ہیں۔ اور جہاں چاہتی ہیں۔ چلتی پھرتی ہیں،

ابن قیم نے کتاب الروح[1] میں اس مسئلہ پر بہت بسط سے بحث کی ہے، اور اس سلسلہ میں تمام اختلافات کا ذکر کیا ہے، اختلافات کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان اقوال کے حسن و قبح پر بھی بحث کی ہے، میں یہاں صرف مشہور اقوال پیش کرتا ہوں،

۱۔ مومنین کی ارواح خواہ شہید ہوں خواہ غیر شہید جنت میں ہوتی ہیں۔ بشرطیکہ کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے انہیں جنت میں جانے سے روک نہ دیا گیا ہو، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رحم سے معاف بھی نہ کیا ہو، یہ ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر کا مذہب ہے

۲۔ مومنین کی ارواح جنت کے دروازہ کے قریب ہوتی ہیں۔ اور وہ جنت کی ٹھنڈی ہوا، رزق اور نعمتیں حاصل کرتی رہتی ہیں،

۳۔ ارواح قبروں پر ہوتی ہیں،

۴۔ امام مالک فرماتے ہیں، کہ ارواح آزاد ہوتی ہیں۔ جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔

۵۔ امام احمد کا قول ہے۔ جیسا کہ ان کے بیٹے عبداللہ نے ان سے روایت کیا ہے، کہ کفار کی ارواح دوزخ میں اور مومنین کی جنت میں ہوتی ہیں۔

۶۔ کعب الاحبار فرماتے ہیں۔ کہ مومنین کی ارواح ساتویں آسمان پر علیین میں ہوتی ہیں۔ اور کفار کی سجین میں۔

۷۔ سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ مومنین کی ارواح برزخ میں ہوتی ہیں۔ جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں، اور کفار کی ارواح سجین میں ہوتی ہیں۔ حضرت سلمان سے ایک روایت یوں ہے کہ مومن کی روح جہاں چاہے زمین پر چلتی پھرتی ہیں۔

پہلے قول والوں کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے،

فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ

اس آیت میں بدن سے نکلنے کے بعد روح کی حالت کا ذکر فرمایا ہے، اور اللہ نے ارواح کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں

---

[1] کتاب الروح: ۱۱۲ تا ۱۲۵۔

۱ - مقربین جن کے لئے فرمایا کہ جنت نعیم میں ہیں،
۲ - اصحاب یمین جن کے لئے سلامتی کا حکم فرمایا، اور اس حکم سے ان کا عذاب الٰہی سے محفوظ ہونا ثابت ہوتا ہے،
۳ - گمراہ اور جھٹلانے والی ارواح جن کے متعلق فرمایا کہ گرم پانی سے ان کی ضیافت کی جائے گی، اور یہ دوزخ میں جائیں گی،

یہ تمام باتیں یقیناً اس وقت ہوں گی جب رُوح بدن سے جدا ہو چکی ہوگی۔

دوسرا قول دوسرا قول مجاہد کا قول ہے، کہ ارواح جنت میں تو نہیں مگر یہ جنت کے پھل اور جنت کی ہوا کھاتی ہیں۔ ان کی دلیل امام احمد کی وہ حدیث ہے، جسے انہوں نے اپنی مسند میں عن ابن اسحٰق عن عاصم بن عمر عن محمود بن لبید عن ابن عباس روایت کیا ہے، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

الشُّهَدَاءُ عَلٰى بَارِقٍ - نَهْرٌ بِبَابِ الجنة - فِي قُبَّةٍ خَضْرَاءَ يَخْرُجُ عَلَيْهِمْ رِزْقُهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا،

شہداء سبز گنبدوں میں بارق پر ہیں۔ اور بارق جنت کے دروازہ پر ایک نہر ہے، انہیں دن رات جنت سے رزق پہنچتا ہے،

مگر اس حدیث میں ان کے جنت میں ہونے کی نفی نہیں پائی جاتی، اس لئے کہ یہ نہر بھی تو جنت ہی کی نہر ہے، پھر رزق بھی جنت ہی کا ملتا ہے۔ البتہ اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت میں اپنے مقام پر نہیں ہیں۔ لہٰذا مجاہد کے قول میں صرف اس بات کی نفی کی گئی ہے، کہ وہ کامل طور پر جنت میں داخل ہو چکے ہیں،

تیسرا قول جن لوگوں نے یہ کہا ہے، کہ ارواح قبروں پر ہوتی ہیں۔ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ وہ یہیں رہتی ہیں اور یہاں سے قطعاً جدا نہیں ہوتیں تو یہ غلط ہے، کیونکہ اس کی تردید نص قرآن اور سنت رسول اللہ میں کئی طرح سے پائی جاتی ہے، اور اگر ان کی مراد یہ ہے، کہ ارواح کچھ مدت تک قبروں میں ہوتی ہیں۔ یا یہ کہ ان کی توجہ قبروں کی طرف لگی رہتی ہے، مگر خود اپنی قرار گاہ میں ہوتی ہیں تو یہ درست ہے،

ابو عمرو بن عبد البر اس بات کے قائل ہیں۔ کہ ارواح قبروں میں ہوتی ہیں، چنانچہ ابن عمر کی حدیث کہ "جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے، تو صبح و شام اسے اس کا مقام پیش کیا جاتا ہے"، کی شرح میں انہوں نے اپنی دونوں کتابوں میں لکھا ہے، کہ اس حدیث سے اُن لوگوں نے استدلال کیا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ ارواح قبروں میں ہوتی ہیں۔ اور یہی قول ابن عمر کی روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے درست معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس بارے میں صحیح اور متواتر احادیث پائی جاتی ہیں، اور جن احادیث میں قبروں پر سلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے،

ابن قیم کہتے ہیں۔ کہ اس قول کی تردید ان صحیح احادیث اور آثار سے ہوتی ہے، جن کی کوئی تردید نہیں کر سکتا۔ ہم ان احادیث کو پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور جو دلائل ابن عبد البر نے دیئے ہیں ان سب میں ارواح کا

ذکر ہے، جو نص صریح کے مطابق جنت اور رفیق اعلیٰ میں ہیں۔ ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ یہ کہنا کہ میت کو جنت یا دوزخ میں اس کا مقام پیش کیا جاتا ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رُوح ہمیشہ کے لئے اور ہر اعتبار سے قبر میں یا صحن قبر میں ہے بلکہ اس سے یہ مراد ہے، کہ روح کی نظر اور اس کا تعلق قبر سے رہتا ہے، بس صرف اس اعتبار سے اس کا مقام پیش کیا جاتا ہے، اس لئے کہ رُوح کی کچھ اور ہی شان ہے، یہ رفیق اعلیٰ میں اعلیٰ علیین میں بھی ہے، اور بدن سے بھی اس کا تعلق قائم ہے چنانچہ جب کوئی شخص آکر میت کو سلام کہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس کی رُوح اُسے لوٹا دیتے ہیں۔ اور میت سلام کا جواب دیتی ہے حالانکہ رُوح ملاء اعلیٰ میں ہوتی ہے، اکثر لوگوں کو اسبات کی غلطی لگی ہے، وہ سمجھے ہوئے ہیں۔ کہ رُوح کا حال بھی جسم کا سا ہے، کہ اگر ایک جگہ میں ہو تو دوسری جگہ میں نہیں ہو سکتی، حالانکہ ان کا خیال سراسر غلط خیال ہے، صحیح بات یہ ہے کہ رُوح اعلیٰ علیین میں آسمانوں سے اوپر ہوتی ہے۔ اور اسے قبر میں لوٹایا جاتا ہے، اور یہ سلام کا جواب دیتی ہے، اور اسے سلام کرنے والے کا علم ہوتا ہے، حالانکہ یہ اپنی جگہ اعلیٰ علیین میں ہوتی ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح مبارک بھی رفیق اعلیٰ میں چکر لگاتی رہتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اسے قبر میں لوٹا دیتے ہیں۔ تو یہ سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتی ہے، اور اس کا کلام بھی سنتی ہے،

نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السّلام کو اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا۔ اور پھر انہیں چھٹے یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا۔ لہٰذا اس کی یا تو یہ وجہ ہوگی کہ رُوح آنکھ جھپکنے کی طرح نہایت ہی سریع الحرکت اور ایک جگہ سے دوسری جگہ چلی جانے والی ہے، یا یہ کہ رُوح میں سے جو حصہ قبر یا صحن قبر سے تعلق رکھتا ہے، وہ بمنزلہ سورج کی شعاع کے ہے، حالانکہ سورج کا جرم آسمان میں ہوتا ہے، یہ بھی ثابت ہو چکا ہے۔ کہ خوابیدہ انسان کی رُوح بلند ہو کر ساتوں آسمانوں کو چیر جاتی ہے، اور عرش پر پہنچکر اللہ کو سجدہ کرتی ہے، مگر پھر تھوڑے وقت میں بدن میں لوٹا دی جاتی ہے، اسی طرح میت کی رُوح کو لیکر ملائکہ ساتوں آسمانوں سے اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ اور اللہ کے حضور میں اسے ٹھہراتے ہیں۔ رُوح اللہ کو سجدہ کرتی ہے، اور اپنے بارے میں فیصلہ سنتی ہے۔ فرشتے اسے وہ تمام نعمتیں دکھاتے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ نے اس کیلئے جنت میں تیار کر رکھی ہوتی ہیں پھر رُوح نیچے اترتی ہے۔ اور اپنی تجہیز و تکفین وغیرہ کا مشاہدہ کرتی ہے،

عبد اللہ بن عمرو بن حرام کا واقعہ جیسا کہ ابن مندہ نے طلحہ سے روایت کیا ہے، کہ طلحہ اپنی زمین کی طرف جو غابہ میں تھی جا رہے تھے۔ راستہ میں رات پڑھ گئی اور انہوں نے عبد اللہ بن عمرو کی قبر پر قیام کیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ قبر میں سے قرآن پڑھنے کی آواز آرہی ہے، میں نے اس سے بہتر آواز نہ سنی تھی۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسبات کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: یہ عبد اللہ ہیں کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی ارواح قبض کر کے انہیں زبرجد اور یاقوت کی قندیلوں میں رکھکر جنت کے وسط میں لٹکا دیتا ہے جب رات ہوتی ہے تو ان کی ارواح انہیں لوٹا دی جاتی ہیں۔ رات بھر اسی طرح رہتی ہیں۔ تا آنکہ جب فجر طلوع ہوتی ہے تو ارواح کو ان

(ع ٥ ۔ حاشیہ ملاحظہ ہو صفحہ ۸۹ پر) ۔١

کی اپنی جگہ لوٹا دیا جاتا ہے۔

اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، کہ ارواح عرش سے فرش کو کس سرعت سے منتقل ہوتی ہیں۔ اور پھر تیزی سے اپنی جگہ کو چلی جاتی ہیں۔ اسی لئے تو امام مالکؒ اور دیگر ائمہ کہتے ہیں۔ کہ ارواح آزاد ہوتی ہیں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں

اہل قبور کو سلام اور خطاب کرنا

اب رہا یہ سوال کہ ہم اہل قبور کو سلام کرتے اور انہیں خطاب کرتے ہیں۔ تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کی ارواح جنت میں نہیں ہیں، اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ قبروں میں ہیں، چنانچہ سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اعلیٰ علیین میں رفیق اعلیٰ میں ہے، اور آپؐ کی قبر پر آپ کو سلام کہا جاتا ہے اور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔ ابو عمر رحمہ اللہ نے اس بات سے اتفاق کیا ہے، کہ شہداء کی ارواح جنت میں ہیں مگر ان کی قبروں پر بھی اسی طرح سلام کہا جاتا ہے جس طرح غیر شہید کو جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سلام کرنے کا طریقہ سکھلایا ہے، اور جس طرح صحابہ رضوان اللہ علیہم شہداء احد کو سلام کیا کرتے تھے، اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ ان کی ارواح جنت میں ہیں۔ جہاں چاہتی ہیں چلتی پھرتی ہیں۔

آپ کہیں پریشان نہ ہوں کہ یہ معاملہ کیا ہے، کہ روح جنت میں بھی ہو پھر سلام کرنیوالوں کا سلام بھی سنے۔ اور انہیں جواب بھی دے۔ یاد رکھیں کہ روح کی کیفیت بدن کی سی نہیں ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں، ان میں سے صرف دو مشرق سے لے کر مغرب تک چھائے ہوئے تھے۔ اور دوسری طرف یہ بھی آیا ہے کہ جبرئیلؑ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ آپؐ کے گھٹنوں پر رکھے۔ مجھے امید نہیں کہ تو یہ مان لے کہ اس وقت جبرئیل باوجود اس قدر قرب کے اپنی قرار گاہ ملاء اعلیٰ میں ساتوں آسمانوں سے اوپر تھے۔ کیونکہ اس قسم کی باتوں پر ایمان رکھنے کے لئے خاص دل پیدا

(بقیہ حاشیہ متعلق ص۸۸) ع۔ چنانچہ متنبی کہتا ہے، كالشمس في كبد السماء وضوؤها يغشى البلاد مشارقا ومغاربا

لہ کتاب الروح: ۱۲۶ اور شرح الصدور: ۱۶۹ ۔ (صفحہ ۸۸ کا حاشیہ یہاں ختم ہوا) (آگے حاشیہ اسی صفحہ سے متعلق ہے)

لہ کتاب الروح: ۱۲۶ - ۱۲۷ ع۔ یہ بات قریب کو معلوم ہے کہ جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکثر آتے جاتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں بھی کیا کرتے تھے۔ اور جب تک انسانی شکل میں نہیں ہوتے تھے، انہیں شاذونادر ہی کوئی دیکھ سکتا تھا۔ مسند احمد اور طبرانی کی روایت ہے، کہ حارثہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو آپ کے پاس جبرئیلؑ تھے میں نے سلام عرض کیا جب واپس آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔ کہ جو شخص میرے پاس تھا۔ کیا تو نے اسے دیکھا میں نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا یہ جبرئیل تھے، انہوں نے تمہارے سلام کا جواب دیا ہے۔ (اصابہ ترجمہ حارثہ بن نعمان) دحیہ بن خلیفہ کلبی نہایت خوبصورت صحابی تھے جبرئیل عموماً انہی کی شکل میں آیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جبرئیل کو دو بار دیکھا، ایک بار آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے پھر واپس گئے تو اپنے باپ عباسؓ سے جاکر ذکر کیا کہ آنحضرتؐ کے پاس ایک آدمی تھا حضرت عباسؓ نے آکر ذکر کیا۔ یا رسول اللہ آپ کے پاس کون تھا جسے عبداللہ نے دیکھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا جبرئیل تھے اور کیا عبداللہ نے اسے دیکھ لیا ہے۔ عباسؓ نے عرض کیا ہاں آنحضرتؐ نے فرمایا اس کی بینائی جاتی رہیگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور آخر عمر میں حضرت عبداللہ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ دیکھیں البدایہ والنہایہ: ۸: ۲۹۷، ۲۹۸ - اسیطرح حارثہ بن نعمان کی بینائی بھی آخر عمر میں جاتی رہی تھی۔

کہہ گئے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی معرفت کا اہل بنا رکھا ہوتا ہے، اور جو شخص اسباب کو ماننے کیلئے تیار نہ ہو، بھلا یہ ماننے کو کیسے تیار ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر رات دنیا کے آسمان پر اترتے ہیں، حالانکہ وہ آسمانوں کے اوپر عرش پر ہیں۔ وہ ہر چیز سے اوپر ہیں۔ اور بلندی اس کی ذات کا لازمہ ہے، اسی طرح یہ بھی حدیث میں آیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ عرفہ کی رات اہل موقف کے قریب آتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ احادیث جن میں اللہ تعالیٰ کے نیچے اترنے اور اوپر چڑھنے کا ذکر ہے،

ارواح قوت وضعف اور صغر وکبر کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں،

آپ کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ ہم نے جو روح کی کیفیت بیان کی ہے، اس میں قوت و ضعف اور چھوٹی اور بڑی ہونے کے اعتبار سے روحوں کی حالت مختلف ہوتی ہے روح عظیم کی جو کیفیت ہوگی وہی کیفیت دیگر ارواح کی جو اس سے ادنی میں نہیں ہوسکتی[1] چنانچہ ہم دنیا کے اندر دیکھتے ہیں۔ کہ ارواح میں بلحاظ قوت وضعف اور سرعت وسستی کسقدر تفاوت پایا جاتا ہے، مگر جب روح بدن کی قید اور تمام رکاوٹوں اور تعلقات سے آزاد ہو جاتی ہے۔ تو اُسے قدرت سریان وہمت، قوت اور تصرف وغیرہ اس قدر حاصل ہو جاتا ہے، جو بدن میں محبوس روح کو حاصل نہیں ہوسکتا جب بدن میں مقید ہوتے ہوئے روح کی یہ کیفیت ہے۔ تو بدن سے الگ ہوکر اس کی کیا حالت ہوگی۔ بالخصوص جبکہ روح بلند، پاک عالی ہمت اور بڑی ہو[2]، بدن سے جدا ہونے کے بعد تو ارواح کی اور ہی شان اور اور ہی کیفیت ہو جاتی ہے، **چنانچہ مختلف لوگوں** کو لاتعداد خواب آئے ہیں جن میں مرنے کے بعد روحوں نے وہ کام کئے ہیں جنہیں یہ ارواح بدن میں رہ کر نہ کر سکتیں تھیں۔ مثلاً ایک یا دو یا بہت کم تعداد کے..... ساتھ بڑی بڑی فوجوں کو شکست دینا کئی بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گیا۔ اور آپؐ کے ساتھ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی ہوتے تھے آپ کی ارواح نے کفار کی فوجوں پر حملہ کیا۔ اور باوجود اس کے کہ مومنین کی فوج کمزور اور ان کی تعداد کم ہوتی۔ کفار کی فوجیں مغلوب اور شکست خوردہ ہو جاتیں، پھر فی الواقعہ بھی ایسا ہی ہوتا۔

ابن قیم تمام مختلف اقوال پر بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اگر تو ان سنن و آثار پر غور کرے جو اس بارے میں مروی ہیں۔ اور ان میں دلچسپی بھی لے تو تجھ پر بات واضح ہو جائیگی۔ اور تجھے ان احادیث میں تعارض کے پائے جانے کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا یہ احادیث سب کی سب صحیح اور ایک دوسری کی مؤید ہیں ہیں، ہمیں تو صرف انکی کیفیت، نفس اور اس کے احکام کو پہچاننے کی ضرورت ہے، نیز یہ کہ روح کی کیفیت اور ہے اور بدن کی اور باوجود اس کے کہ روح جنت میں ہوتی ہے یا آسمان پر ہوتی ہے اور قبر میں اس کا اتصال بدن کے ساتھ بھی قائم ہوتا ہے، اور روح ایک نہایت سریع الحرکت چیز ہے، یہ ایک جگہ سے دوسری

---

[1] اور اس بات میں تو کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح عظیم ترین روح ہے۔ اس لئے جو کیفیت اور قوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو حاصل ہوگی۔ وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ ملاحظہ ہو خزینہ معارف صفحہ ۹۲،

[2] کتاب الروح: ۱۲۷،

جگہ منتقل ہوتی ، اوپر چڑھتی اور نیچے اترتی ہے، اور ان کی مختلف قسمیں ہیں، آزاد، مقید[1]، علوی[2] اور سفلی[3]، پھر بدن سے جدا ہونے کے بعد روح کو وہ تندرستی، بیماری، لذت، نعمت اور درد حاصل ہوتا ہے، جو بدن سے اتصال کی حالت میں کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ بدن میں محبوس روح کی مثال اس بدن کی ہے، جو ابھی ماں کے بطن میں ہو اور بدن سے جدا ہونے کے بعد اس کی وہی حالت سمجھو جو پیٹ سے نکل کر دنیا میں آنے کی ہوتی ہے[4]

حافظ ابن حجر کا بیان

حافظ ابن حجر اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں[5]

مومنین کی ارواح علیین میں ہیں اور کفار کی سجین میں، مگر ہر روح کا اپنے جسم کے ساتھ معنوی اتصال ہوتا ہے، اور یہ اتصال ایسا نہیں ہوتا۔ جیسا دنیاوی زندگی میں ہوتا ہے، مگر اگر کسی چیز میں مشابہت پائی جاتی ہے، تو وہ خوابیدہ انسان کی حالت کے ساتھ ہے۔ اگرچہ جسم کے ساتھ میت کی روح کا تعلق خوابیدہ انسان کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط ہوتا ہے

حافظ فرماتے ہیں، کہ یہ جو وارد ہوا ہے کہ ارواح کا مقام علیین میں ہے، یا سجین میں اس میں اور جو بیان عبدالبر نے جمہور سے نقل کیا ہے، کہ ارواح قبروں کے صحنوں میں ہوتی ہیں۔ میرے مذکورہ بالا بیان سے موافقت پیدا ہو جاتی ہے، پھر فرماتے ہیں: اس کے باوجود ارواح کو تصرف کرنے (فَهِيَ مَاذُوْنٌ لَهَا فِي التَّصَرُّفِ) کی اجازت ہوتی ہے، اور اپنے مقام علیین یا سجین میں قرار پاتی ہیں۔

سیوطی فرماتے ہیں[6] کہ ابن عبدالبر کے نزدیک امر مرجح یہی ہے، کہ شہدار کی ارواح تو جنت میں ہیں۔ اور دیگر مومنین کی ارواح قبرستانوں میں ہوتی ہیں۔ اور جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، اس کی دلیل میں وہ اُن احادیث کو پیش کرتے ہیں جن میں اموات کو سلام کہنے کا حکم ہے، اور جن میں یہ ذکر ہے کہ میت، کو اس کا مقام پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ ان احادیث میں کوئی ذکر نہیں کہ ارواح جنت میں نہیں ہیں اس لئے کہ روح تو جنت میں بھی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ اس کا جسم کے ساتھ اتصال رہتا ہے، اس لئے اس کے جسم کو اس کا مقام پیش کیا جاتا ہے، اسی طرح اہل قبور کو سلام کہنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ ان کی ارواح قبرستان میں ہیں۔ کیونکہ انبیاء اور شہدار کی قبروں پر بھی سلام کہا جاتا ہے، حالانکہ ان کی ارواح اعلیٰ علیین میں ہیں، لیکن ان کے باوجود جسم کے ساتھ ان کا اتصال رہتا ہے، جس کی کیفیت اور حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ اس بات کی شہادت احادیث سے ملتی ہے، کہ خوابیدہ انسان کی روح عرش کو لے جائی جاتی ہے، حالانکہ اس کا تعلق بدن کے ساتھ قائم ہوتا ہے، اور جب انسان بیدار ہوتا ہے، تو یہ نہایت سرعت کے ساتھ لوٹ آتی ہے، لہذا جو روحیں بدن کی قید سے آزاد ہو چکی ہوتی ہیں۔ وہ بدرجۂ اولیٰ نہایت سرعت کے ساتھ آسمان کو بھی چڑھ سکتی ہیں۔ اور قبر کی طرف واپس آسکتی ہیں،

[1-4] کتاب الروح: ۱۴۴ [5] شرح الصدور: ۱۶۴ [6] شرح الصدور: ۱۷۰

شہداء زندہ ہیں

گذشتہ ابواب میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ ارواح خواہ کفار کی ہوں خواہ مومنین کی زندہ رہتی ہیں۔ انہیں موت نہیں آتی موت صرف بدن کے لئے ہے، ہم نے یہ بھی بیان کر دیا ہے، کہ میت کو غسل دیتے وقت قبر کو لے جاتے ہوئے دفن کرنے کے بعد اور جب کوئی زیارت کو آئے سب کا علم ہوتا ہے۔ نہیں بلکہ ان باتوں کا بھی علم ہوتا ہے، جو اس کے گھر والوں میں واقع ہوتی ہیں، اور بعض اموات تو قبروں میں نماز پڑھتے اور قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔ یہ تمام امور ان اموات کے متعلق ہیں، جن کے زندہ ہونے کے متعلق قرآن یا احادیث میں کوئی تصریح نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا اب ہم شہداء کی طرف آتے ہیں، کیونکہ ان کے بارے میں قرآن مجید میں بھی اور احادیث نبویہ میں بھی صاف اور واضح الفاظ میں کہا گیا ہے، کہ وہ زندہ ہیں، شہداء کے زندہ ہونے کے متعلق قرآن مجید میں دو جگہ ذکر آیا ہے،

۱ - وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں جان دی، انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔ مگر تم محسوس نہیں کرتے۔

(سورۃ بقرہ آیت : ۱۵۴)

۲ - وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(سورہ آل عمران آیت ۱۶۹ تا ۱۷۱)

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے انہیں مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ تو اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں، رزق دیئے جاتے ہیں، جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے پاس سے دیا ہے، وہ اس پر خوش ہوتے ہیں، اور پیچھے رہ جانے والوں میں جو لوگ ان کے ساتھ نہیں ملے، ان سے خوش ہوتے ہیں، کہ انہیں نہ خوف ہے نہ غم، وہ اللہ کی نعمتوں اور فضل پر خوش ہوتے ہیں، اور اس خیال پر بھی خوش ہیں۔ کہ اللہ مومنین کا اجر ضائع نہیں کرتا،

پہلی آیت میں ہمیں شہداء کو مردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور انہیں صریح الفاظ میں زندہ کہا گیا ہے ایسی زندگی جس کا ہمیں علم و شعور نہیں۔ دوسری آیت میں زیادہ تفصیل دی گئی ہے۔ اور ان کے زندہ ہونے کی مزید وضاحت کر دی گئی ہے۔ زندوں کے اوصاف ان کی طرف منسوب کر کے کہا ہے کہ وہ رزق حاصل کرتے، اپنے زندہ مومن بھائیوں اور اللہ کی نعمتوں سے خوش ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے ان واضح الفاظ سے گریز کی کوئی مجال نہیں اور نہ ہی ان میں تاویل کی گنجائش ہے

باب میں یہاں جو کچھ مفسرین نے ان آیات کے متعلق لکھا ہے پیش کرتا ہوں،

شوکانی کا بیان | محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اپنی تفسیر فتح القدیر میں زیر آیت:-
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا الآیہ لکھتے ہیں[1]

ومعنى الآية عند الجمهور انهم احياء حيوة محققة ثم اختلفوا فمنهم من يقول انها ترد اليهم ارواحهم في قبورهم فيتنعمون، وقال مجاهد :- يرزقون من ثمر الجنة اى يجدون ريحها وليسوا فيها، وذهب من عدا الجمهور الى انها حيوة مجازية والمعنى انهم في حكم الله مستحقون للتنعم في الجنة، والصحيح الاول ولا موجب للمصير الى المجاز وقد وردت السنة المطهرة بان ارواحهم في اجواف طير وانهم في الجنة يرزقون ويأكلون ويتمتعون۔

جمہور علماء کے نزدیک اس آیت کے یہ معنی ہیں، کہ شہداء حقیقی طور پر زندہ ہیں، حقیقی زندگی ماننے کے بعد اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں، کہ ان کی روحیں انہیں قبروں میں لوٹا دی جاتی ہیں، اور وہ ناز و نعمت میں ہوتے ہیں، مجاہد کہتے ہیں:-

انہیں جنت کے پھل دیئے جاتے ہیں، یعنی انہیں جنت کی ہوا آتی ہے، مگر وہ جنت میں نہیں ہیں جمہور کے علاوہ دیگر علماء کہتے ہیں، کہ شہداء کی زندگی حقیقی زندگی نہیں، بلکہ وہ مجازی طور پر زندہ ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک آیت کا یہ مطلب ہوا، کہ یہ لوگ اللہ کے نزدیک جنت کی نعمتوں کے مستحق ہیں۔ مگر صحیح وہی ہے جو جمہور علماء نے کہا یعنی یہ کہ وہ حقیقی معنوں میں زندہ ہیں، مجازی معنی لینے کی کوئی وجہ نہیں، سنت مطہرہ میں آیا ہے، کہ شہداء کی روحیں پرندوں کے اندر ہوتی ہیں، اور وہ کھاتے پیتے اور ناز و نعمت میں ہوتے ہیں،

یہاں قاضی شوکانی نے واضح طور پر کہدیا ہے، کہ شہداء کے زندہ ہونے سے ان کا حقیقی طور پر زندہ ہونا مراد ہے، مجازی طور پر نہیں،

ابن کثیر کا بیان | ابو الفداء اسمٰعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ زیر آیت وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ" لکھتے ہیں:-

اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں، کہ شہداء برزخ میں زندہ ہیں، اور رزق پاتے ہیں جس طرح صحیح حدیث میں آیا ہے، کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے معدوں میں ہوتی ہیں، جہاں چاہتی ہیں پھرتی رہتی ہیں، پھر عرش کے نیچے لٹکی ہوئی قندیلوں کے پاس آرام لیتی ہیں، اللہ ان پر جھانکتا ہے، اور پوچھتا ہے، تم کیا چاہتے ہو، وہ جواب دیتے ہیں اے ہمارے رب اب ہمیں اور کیا چاہیے، جبکہ تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا کی ہیں، جو کسی اور کو نہیں دی گئیں، اللہ تعالیٰ انہیں پھر یہی سوال کرتے ہیں، جب شہداء دیکھتے ہیں، کہ انہیں کچھ مانگے بغیر چھوڑا نہیں جائیگا۔ تو وہ کہتے ہیں:-

---

[1] فتح القدیر: ۱: ۳۶۵ [2] اخذ ہو کتاب الروح: ۱۱۶ اور صفحہ ۸۲ جہاں ہو مذکور قول نقل کیا ہے کہ ارواح مؤمنین جنت میں نہیں مگر جنت کی ہوا کھاتی ہیں۔

اے اللہ ہماری خواہش ہے کہ ہمیں ایک بار پھر دنیا میں بھیجدے۔ تاکہ ہم تیری راہ میں لڑیں اور ایکبار پھر شہید ہوں، وہ یہ درخواست اس ثواب و انعام کو دیکھکر کریں گے، جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ تو ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ میرا قطعی فیصلہ ہے، کہ انہیں دوبارہ دنیا میں نہ بھیجا جائے گا۔

اس حدیث میں ہے جسے امام احمد نے امام شافعی سے انہوں نے امام مالک سے انہوں نے زہری سے انہوں نے عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک سے انہوں نے اپنے باپ کعب بن مالک سے روایت کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَائِرٌ تَعَلَّقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَرْجِعَهُ اللهُ إِلَى جَسَدِهِ يَوْمَ يَبْعَثُهُ [له]

مومن کی روح پرندے کی طرح ہوتی ہے، جو جنت کے درختوں کا پھل کھاتی رہتی ہے، تا آنکہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اپنے جسم میں لوٹا دے،

اس حدیث سے عام مومنین کے زندہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ قرآن میں شہدار کا ذکر ان کے شرف و تعظیم کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے

ابن کثیر دوسری آیت:۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا کے تحت لکھتے ہیں [ٰ]

اللہ تعالیٰ شہدار کے متعلق بتا رہے ہیں۔ کہ اگرچہ وہ اس دنیا میں قتل ہو چکے ہیں، مگر ان کی روحیں جنت میں ہیں اور ان کو وہاں رزق بھی دیا جاتا ہے۔

محمد بن جریر کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن مرزوق نے بیان کیا۔ ان سے عمرو بن یونس نے عکرمہ سے روایت کرتے ہوئے بتلایا کہ ہم سے اسحٰق بن ابی طلحہ نے بیان کیا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابیوں کا ذکر کیا جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بئر معونہ والوں کے پاس بھیجا تھا۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ ان کی تعداد چالیس تھی یا ستر۔ اس کنوئیں پر عامر بن الطفیل جعفری تھا۔ اصحاب رسول اللہ کی یہ جماعت نکل کر اس غار پہ پہنچی، جو اس کنوئیں کے اوپر تھا۔ یہ لوگ غار میں بیٹھ گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ ان کنوئیں والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام کون پہنچائے گا۔ ابو ملحان انصاری نے کہا: میں پہنچاؤں گا۔ ابو ملحان غار سے نکل کر ان کے گھروں کے پاس پہنچے، اور ان گھروں کے سامنے چھپ گئے پھر کہا:۔ اے بئر معونہ والو! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی ہوں، اور اعلان کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، اس پر خیمہ کے ایک گوشے سے ایک آدمی نکل کر آیا اور ابو ملحان کے پہلو میں ایسا نیزہ مارا کہ دوسری جانب سے نکل گیا۔ ابو ملحان نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، اور کہا، رب کعبہ کی قسم میں تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد کنوئیں والے ابو ملحان کے

له یہ روایت موطا امام مالک کی ہے، نیز ملاحظہ ہو کتاب الروح: ۱۱۶۔

ٰ تفسیر ابن کثیر سورہ آل عمران ج ۱: ۴۲۶ - ۴۲۷۔

نشان قدم سے معلوم کرتے کرتے اس غار تک پہنچ گئے، جہاں ابوملحانؓ کے ساتھی تھے، اور عامر بن الطفیل نے ان سب کو قتل کر دیا،

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے انس بن مالکؓ نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان شہیدوں کے بارے میں یہ آیت نازل کی، بَلِّغُوْا عَنَّا قَوْمَنَا اَنَّا لَقَدْ لَقِیْنَا رَبَّنَا فَرَضِیَ عَنَّا وَرَضِیْنَا عَنْہُ عہ

مگر بعد میں یہ آیت منسوخ ہوگئی اور کچھ عرصہ پڑھے جانے کے بعد اٹھالی گئی، اور یہ آیت اتاری

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ (الآیہ)

انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا:۔ ان کی روحیں سبز پرندوں میں ہوتی ہیں، جن کے لئے عرش سے قندیلیں لٹک رہی ہوتی ہیں، جنت میں جہاں چاہتے ہیں پھرتے رہتے ہیں، اور ان قندیلوں کے پاس آکر آرام لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھ کر فرماتے ہیں، تمہیں کس چیز کی خواہش ہے، وہ جواب دیتے ہیں ہمیں اور کیا چاہیئے جبکہ جنت میں ہم جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے اسی طرح تین بار پوچھتا ہے، جب دیکھتے ہیں کہ انہیں جب تک کچھ مانگیں گے نہیں چھوڑا نہیں جائیگا تو کہتے ہیں: اے خدا ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیا جائے، تاکہ ہم تمہاری راہ میں ایکبار پھر شہید ہوں جب اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں، کہ ان کی کوئی حاجت نہیں جسے مانگیں تو انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے،

انسؓ اور ابوسعیدؓ نے اسی قسم کی ایک اور حدیث روایت کی ہے،

ایک اور حدیث امام احمدؒ فرماتے ہیں:۔

حدثنا عبد الصمد حدثنا حماد حدثنا ثابت عن انسؓ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن لوگوں کو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ہاں بھلائی حاصل ہوتی ان میں سے شہید کے سوا کوئی بھی دنیا میں واپس آنا پسند نہیں کرتا، اس لئے کہ جو شہادت کی فضیلت وہ دیکھتا ہے اس کی وجہ سے وہ چاہتا ہے، کہ دنیا میں دوبارہ جاکر ایک بار پھر اللہ کی راہ میں جان دوں، صرف مسلم نے اس حدیث کی روایت حماد کے طریق سے کی ہے

صحیحین اور دیگر کتب میں ہے، کہ جابرؓ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری غزوۂ احد میں شہید ہوئے، بخاری کہتے ہیں، کہ ابوالولید نے شعبہ سے اس نے ابن المنکدر سے روایت کی ہے، کہ میں نے جابرؓ کو یہ کہتے سنا کہ میرا باپ قتل ہوا تو میں اپنے باپ کے چہرہ سے کپڑا اٹھاتا اور روتا جاتا۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس سے منع کیا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ کہا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مت رو، یا یوں فرمایا: کیوں رو رہا ہے، فرشتے اس کو اپنے پروں سے سایہ کرتے رہے ہیں، یہاں تک اُسے اٹھالیا گیا[1]

ایک اور حدیث امام احمدؒ فرماتے ہیں، حدثنا یعقوب حدثنا ابی عن ابی اسحٰق حدثنا اسمٰعیل

عہ یہ ان آیات میں سے جن کی تلاوت بھی منسوخ ہو چکی ہے،

[1] نیز ملاحظہ ہو: بخاری کتاب الجنائز: ۲: ۹۰، فتح الباری: ۳: ۱۲۷ اور ۲: ۲۵،

بن امیہ بن عمرو بن سعید عن ابی الزبیر المکی عن ابن عباس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جب اُحد کے دن تمہارے بھائی مارے گئے، تو اللہ نے ان کے ارواح کو سبز پرندوں کے اندر داخل کر دیا۔ وہ جنت کی نہروں پر جا اترتے ہیں، اور جنت کے پھل کھاتے ہیں، اور عرش کے سائے میں سونے کی قندیلوں کے پاس جا کر آرام کرتے ہیں، جب انہوں نے وہاں کھانے پینے کی عمدہ چیزیں پائیں، اور اچھا آرام پایا تو کہنے لگے کاش ہمارے بھائیوں کو علم ہوتا، کہ اللہ نے ہم سے کیا برتاؤ کیا ہے، تاکہ وہ کہیں جہاد سے روگرداں نہ ہو جائیں، اور جنگ سے پیچھے نہ ہٹیں، اس پر اللہ نے فرمایا:- میں تمہاری طرف سے یہ بات ان تک پہنچاتا ہوں، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں،

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا (الآیات)

امام احمد نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے، ابن جریر نے یوں روایت کی ہے:-

عن یونس عن ابن وہب عن اسمٰعیل بن عیاش عن محمد بن اسحٰق، ابوداؤد اور حاکم نے اس کو اس طرح روایت کیا ہے، عن اسمٰعیل بن امیہ عن ابی الزبیر عن سعید بن جبیر عن ابن عباس اور یہ سند زیادہ معتبر ہے، اسی طرح سفیان ثوری عن سالم الافطس عن سعید بن جبیر عن ابن عباس، روایت کی ہے، کہ یہ آیات حمزہؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئیں، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق ہے، مگر انہوں نے اس کی روایت نہیں کی، قتادہ، ربیع اور ضحاک بھی یہی کہتے ہیں:- کہ یہ آیات مقتولین اُحد کے بارے میں نازل ہوئیں،

ایک اور حدیث ابوبکر بن مردویہ کہتے ہیں:- حدثنا عبد اللہ بن جعفر حدثنا ہارون بن سلیمان انبانا علی بن عبد اللہ المدینی انبانا موسیٰ بن ابراہیم بن کثیر بن بشیر بن الفاکہ الانصاری سمعت طلحۃ بن خراش بن عبد الرحمٰن بن خراش بن الصمت الانصاری وہ کہتے کہ میں نے جابر بن عبد اللہ کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک دن دیکھ کر فرمایا:- جابر تو مغموم کیوں دکھائی دیتا ہے؟ جابر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:- یا رسول اللہ میرا باپ شہید ہو گیا ہے، اور بہت سا قرض اور بیاں چھوڑ مرگیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی سے بھی اللہ نے بات کی پردہ میں کی، مگر تمہارے باپ سے بالمشافہ بات کی ہے، اللہ نے تمہارے باپ سے کہا:- مانگ کیا مانگتا ہے، تمہارے باپ نے جواب میں کہا، خدایا! میری یہی درخواست ہے، کہ میں دنیا کو لوٹا دیا جاؤں، تاکہ ایک بار پھر تمہاری خاطر جان دوں، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:- میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ کسی کو دنیا کی طرف لوٹایا نہ جائیگا۔ پھر تمہارے باپ نے عرض کیا:- اے خدا پھر ہماری حالت کی اطلاع ہمارے ساتھیوں کو دے دو، اس پر یہ آیات اتریں،

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ (الآیات)

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں علی المدینی کے طریق سے اسی طرح روایت کی ہے، بیہقی نے اس حدیث کو عن ابی عبادۃ عیسیٰ بن عبد اللہ الانصاری عن الزہری عن عروۃ عن عائشہؓ روایت کیا ہے، کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر سے کہا :- اے جابر کیا تمہیں میں خوشخبری نہ دوں ۔ جابر نے کہا ۔ یارسول اللہ خدا آپ کو خوشخبری دے ضرور دیں ، آنحضرتؐ نے فرمایا :- کیا تجھے معلوم ہے ، کہ اللہ نے تمہارے باپ کو زندہ کیا ۔ اور کہا مانگ کیا مانگتا ہے ، تمہارے باپ نے کہا : اے میرے پروردگار میں نے تو جیسا عبادت کرنے کا حق تھا ، ویسی تمہاری عبادت نہیں کی ۔ میری خواہش ہے کہ تو مجھے پھر دنیا میں بھیجدے تاکہ میں تمہارے نبی کے ساتھ ہو کر لڑوں اور ایکبار پھر شہید ہو جاؤں ، اس پر اللہ نے فرمایا : کہ میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ انہیں دنیا میں واپس نہ بھیجا جائے گا ،

ایک اور حدیث امام احمد کہتے ہیں :- حدثنا یعقوب ، حدثنا ابی عن ابن اسحٰق حدثنا الحارث بن فضیل الانصاری عن محمود بن لبید عن ابن عباس ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- شہداء بارق پر ہوتے ہیں ، بارق جنت کے دروازہ پر ایک نہر ہے ، وہاں سبز رنگ کا ایک گنبد ہے ، ان کیلئے صبح و شام جنت سے رزق آتا ہے ، اس حدیث کو اکیلے احمد نے روایت کیا ہے ، ابن جریر نے اسے اس سند سے روایت کیا ہے :- عن ابی کریب حدثنا عبد الرحمٰن بن سلیمان وعبیدۃ عن محمد بن اسحٰق اور یہ سند جید ہے ،

(اس کے بعد ابن کثیر کہتے ہیں کہ) شہداء کی کئی قسمیں ہیں ، بعض کی روحیں تو جنت میں چلتی پھرتی ہیں ، بعض جنت کے دروازہ پر اس نہر پر ہوتے ہیں ، اور ہو سکتا ہے ، کہ ان شہداء کی انتہاء سیر اسی نہر تک ہو ، اور یہ وہاں اکٹھے ہوتے ہوں ، اور وہاں ان کا رزق انہیں دن رات آتا ہو ، واللہ اعلم ،

مسند امام احمد میں ایک روایت ہے جس میں ہر مومن کو بشارت دی گئی ہے ، کہ اس کی روح جنت میں ہوگی ، جہاں سے چاہے گی جنت کے پھل کھاتی پھرے گی ۔ وہاں کی نعمتوں سے حظ اٹھائیگی اور جو انعامات اللہ نے اس کے لئے تیار کر رکھے ہیں ، ان کا مشاہدہ کرے گی ، اس حدیث کی سند نایاب اور بہت بڑی سند ہے ، جس میں اہل سنت کے چار اماموں میں سے تین امام جمع ہو گئے ہیں ، اس لئے کہ اس کی روایت امام احمد نے محمد بن ادریس شافعیؒ سے کی ہے ، اور انہوں نے امام مالک بن انس اصبحی سے عن الزہری عن عبد الرحمٰن بن کعب بن مالك عن ابیہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَائِرٌ يَعْلُقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَهُ اللهُ فِي جَسَدِهٖ يَوْمَ يَبْعَثُهُ

اس حدیث میں مومن کی روح کو پرندہ بتایا گیا ہے ، لیکن جیسا کہ بیان ہو چکا شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے معدوں میں ہوں گی ۔ لہٰذا عام مومنین کی ارواح کے مقابلہ میں ان کی ارواح ستاروں کی طرح ہیں کیونکہ یہ بذات خود اڑتی پھرتی ہیں ،

قاضی ناصر الدین بیضاوی کا بیان

قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ زیر آیت :-

لَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ (الآیہ)

ھ ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۸۹

فرماتے ہیں[1]:۔ اس آیت میں بتلایا گیا ہے، کہ لوگ بدن کے ساتھ زندہ نہیں اور نہ ہی ان کی زندگی ایسی ہے، جیسی دیگر جانداروں کی، بلکہ یہ تو ایسی زندگی ہے، جسے ہم عقل کے ذریعہ سے نہیں سمجھ سکتے یہ بات صرف وحی کے ذریعہ سے ہی سمجھی جا سکتی ہے،

حسن بصری سے روایت ہے، کہ شہداء اللہ کے ہاں زندہ ہیں، ان کی روحوں کو ان کے رزق پیش کئے جاتے ہیں جن سے ان کو راحت و فرحت حاصل ہوتی ہے، جس طرح آل فرعون کی ارواح کو دن رات دوزخ کا عذاب دیا جاتا ہے اور انہیں اس کا درد و الم محسوس ہوتا ہے،

دوسری آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا (الآیات) کے تحت قاضی بیضاوی لکھتے ہیں[2]:۔

ان مومنین کو معلوم ہے، کہ جب یہ مر جائیں گے یا قتل ہو جائیں گے، تو انہیں ایسی زندگی حاصل ہو جائے گی۔ جسے کسی قسم کا غم یا خوف مکدر نہ کر سکیگا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ جسم جسے ہم محسوس کرتے ہیں، اس کا نام انسان نہیں بلکہ یہ ایک مدرک بالذات جوہر ہے، جو بدن کے بوسیدہ ہو جانے سے فنا نہیں ہوتا، اور اس کا ادراک، دکھ، درد یا لذت کا احساس اس بدن پر موقوف نہیں، چنانچہ اللہ تعالےٰ آل فرعون کے متعلق فرماتے ہیں:۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ (الآیۃ)

تفسیر مظہری کا بیان

بیہقیٔ وقت قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ زیر آیت:۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فرماتے ہیں[3]:۔

يَعْنِيْ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعْطِيْ لِاَرْوَاحِهِمْ قُوَّةَ الْاَجْسَادِ فَيَذْهَبُوْنَ مِنَ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ وَالْجَنَّةِ حَيْثُ يَشَاءُوْنَ وَيَنْصُرُوْنَ اَوْلِيَاءَهُمْ وَيُدَمِّرُوْنَ اَعْدَاءَهُمْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمِنْ اَجْلِ تِلْكَ الْحَيٰوةِ لَا تَاْكُلُ الْاَرْضُ اَجْسَادَهُمْ وَلَا اَكْفَانَهُمْ،

یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو اجسام کی قوت عطا کر دیتے ہیں، لہٰذا وہ زمین اور آسمان اور جنت میں سے جہاں چاہیں چلے جاتے ہیں، اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں، اور دشمنوں کو فنا کرتے ہیں، بشرطیکہ اللہ کی مرضی ہو، اسی زندگی کی وجہ سے زمین نہ ان کے جسموں کو کھاتی ہے، اور نہ ان کے کفنوں کو،

بغوی کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ قیامت تک ان کی روحیں عرش کے نیچے ہر رات رکوع و سجود کرتی رہیں گی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب کوئی شخص شہید ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک بہترین جسم نازل کرتے ہیں، اور اس کی روح کو اس میں داخل ہونے کو کہا جاتا ہے، روح اپنے جسم کو دیکھتی ہے، کہ اس سے کیا برتاؤ کیا جاتا ہے، بولتی ہے اور خیال کرتی ہے، کہ لوگ اس کا کلام سنتے ہیں، ان کی طرف دیکھتی ہے، تو خیال کرتی ہے وہ بھی اسے دیکھ رہے ہیں، یہاں تک کہ حور عین میں سے اس کی بیویاں آ جاتی ہیں، اور اسے لے جاتی ہیں ابن منذر نے اس حدیث کو مرسلاً روایت کیا ہے،

صحیح مسلم میں ابن مسعود سے مرفوع روایت ہے، کہ اللہ کے ہاں شہداء کی ارواح سبز پرندوں میں ہیں جہاں چاہتی ہیں

[1] بیضاوی: ۱: ۲۰۱ [2] بیضاوی: ۲: ۵۳ [3] تفسیر مظہری: ۱: ۱۵۲-۱۵۳،

قال فی العبر فیہا ۵۱۳ھ۔ ظہر قبر ابراهيم خليل الله عليه الصلوٰة والسلام واسحق ويعقوب. رد ام جاعته لم تبل اجسادهم وعند هم فی تلك المغارة قناديل من ذهب وفضة (شذرات: ۴: ۳۵) (قالہ حمزة بن القلانسی فی تاریخہ)

جنت میں چلتی پھرتی ہیں، پھر ان قندیلوں کے پاس جاکر آرام کرتی ہیں جو عرش کے نیچے ہیں[۱]۔

علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے۔ کہ یہ زندگی شہداء کے لئے مخصوص ہے، لیکن میرے نزدیک حق بات یہ ہے، کہ یہ زندگی خاص شہداء کے لئے نہیں ہے، بلکہ انبیاء کی زندگی اس سے زیادہ قوی و اعلیٰ ہے، اور دنیا میں اس کے آثار واضح ہیں۔ یہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ازواج مطہرات سے نکاح کرنا جائز نہیں، اور یہ بات شہید میں نہیں پائی جاتی صدیقین بھی شہداء سے زیادہ بلند درجہ رکھتے ہیں اور صالحین یعنی اولیاء شہداء سے جا ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کا ذکر اسی ترتیب سے کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ؕ

اس لئے صوفیائے عالی مرتبت فرماتے ہیں، ہماری ارواح ہی ہمارے جسم ہیں، اور ہمارے جسم ہماری روحیں ہیں کثیر التعداد اولیاء کی نسبت یہ بات حد تواتر تک پہنچ چکی ہے، کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں۔ اور جیسا اللہ کی مرضی ہو ہدایت کرتے ہیں۔

مجدد رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے، جن لوگوں کو وراثتہً کمالات نبوت حاصل ہوتے ہیں (جنہیں لسان شرع میں صدیقون اور مُقَرَّبُوْن کہا جاتا ہے۔) انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وہبی وجود حاصل ہوتا ہے حاکم اور ابوداؤد نے اوس بن اوس سے حدیث روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ ؕ

(اللہ تعالے نے زمین کے لئے انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام قرار دیا ہے)

اس سے پتہ چلتا ہے، کہ زمین انبیاء اور شہداء اور بعض علماء کے جسموں کو نہیں کھاتی۔

ابن ماجہ نے ابوداؤد سے بھی یہی روایت کی ہے۔

امام مالک نے عبدالرحمٰن بن صعصعہ سے روایت کی ہے، کہ اسے یہ اطلاع ملی ہے، کہ عمرو بن الجموح اور عبداللہ بن جبیر انصاری کی قبر سیلاب سے کھد گئی۔ ان کی قبر گذرگاہ کے ساتھ ہی تھی، یہ دونوں غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے، اور انہیں ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا۔ انہیں دوسری جگہ دفن کرنے کی غرض سے نکالا گیا، دیکھا، ان میں کسی قسم کا تغیر واقع نہ ہوا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ ابھی کل ہی مرے ہیں، اور اس وقت واقعہ احد کو چھیالیس سال گذر چکے تھے

بیہقی نے بیان کیا ہے، کہ جب معاویہ[۲] نے نہر کظامہ جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اعلان کر دیا کہ جن لوگوں کے شہداء احد میں مدفون ہیں۔ وہ حاضر ہوں۔ لوگ نکل کر اپنے شہیدوں کے پاس آئے دیکھا تو ان کے جسم تروتازہ ہیں۔ اور

[۱] اور نیز ملاحظہ ہو مظہری ج ۱ : ۲۲۲۔ [۲] شاید کسی دل میں شبہ پیدا ہو کہ یہ واقعہ اور اس سے پہلے بیان شدہ واقعہ میں سے کونسا واقعہ درست ہے، میں کہتا ہوں کہ دونوں واقعات درست ہیں۔ پہلا واقعہ عمرو بن الجموح اور عبداللہ بن جبیر کے متعلق ہے اور یہ واقعہ حضرت حمزہ اور دیگر شہداء کے متعلق دونوں الگ الگ واقعے ہیں نیز ملاحظہ ہو دلائل النبوۃ اصبہانی : ۴۵۹۔ مگر وہاں کظامہ کی بجائے بطامہ چھپا ہے۔ پھر محشی نے "کافر" تجویز کیا ہے اور یہ دونوں غلط ہیں

اعضاء جدھر چاہو مڑ سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک کے پاؤں کو کدال لگی جس کیوجہ سے خون نکلنا شروع ہوگیا۔ جب وہ مٹی کھود رہے تھے اور ایک مٹی کا تودا کھودا تو اس میں سے کستوری کی خوشبو آئی، واقدی نے اپنے استادوں سے بھی یہی روایت کی ہے، ابن ابی شیبہ کی بھی یہی روایت ہے، بیہقی نے جابر سے .... جو روایت کی ہے، اس میں ہے، کہ کدال حضرت حمزہ کے پاؤں کو لگا تھا۔ اور اس کے پاؤں سے خون نکلنا شروع ہوگیا تھا طبرانی نے ابن عمر سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ وہ مؤذن جو کار ثواب سمجھکر آذان دیتا ہے، وہ خون میں لتھڑے ہوئے شہید کیطرح ہوگا جب مرے گا اس کے جسم میں کیڑے نہ پڑیں گے،

ابن مندہ نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

جب حامل قرآن مرجاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دیتے ہیں کہ اس کے گوشت کو نہ کھائے۔ زمین عرض کرتی ہے، اے میرے رب! میں اس کے جسم کو کیسے کھاؤں گی۔ جب کہ تمہارا کلام اس کے اندر ہے،

ابن مندہ کہتے ہیں، اسی سلسلہ میں ابوہریرہ اور ابن مسعود سے بھی روایات آئی ہیں۔

قاضی محمد ثناء اللہ فرماتے ہیں۔ شاید حامل قرآن سے مراد صدیق سے ہے، اس لئے کہ قرآن مجید سے چھونے کی برکات اسی کیلئے مختص ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ط

مروزی نے قتادہ سے روایت کی ہے، کہ انہوں نے فرمایا:۔

مجھے یہ روایت ملی ہے، کہ زمین کو اس شخص کے جسم پر مسلط نہیں کیا جاتا۔ جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ شاید "جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو" سے مراد صالحین ہوں، میری مراد اولیاء اللہ سے ہے، کیونکہ وہ گناہوں سے محفوظ و مغفور ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے دل اور جسم دونوں صالح ہوجاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ط فرمایا ہے، اس میں اسبات کیطرف اشارہ ہے کہ ان کی زندگی ایسی نہیں کہ ہر کوئی اسے محسوس کرسکے، یہ ایسی زندگی ہے جس کا ادراک نہ عقل سے ہوسکتا ہے، نہ حس سے، اس کا ادراک صرف وحی اور فراست صحیحہ سے ہوسکتا ہے، جو نور نبوت اور وحی سے حاصل کی گئی ہو،

اس کے بعد زیر آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا (الآیات) لکھتے ہیں[1]

ابن مندہ نے طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، کہ غابہ میں اس کی زمین تھی، وہاں گئے راستہ میں رات پڑ گئی عبداللہ بن عمرو بن حرام کی قبر پر ڈیرہ لگایا، تو قبر میں سے قرآن مجید کے پڑھنے کی آواز آئی، میں نے اس سے بہتر قرات نہ سنی تھی، اس کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں حاضر ہوا۔ اور میں نے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا:۔ یہ عبداللہ میں، کیا تجھے معلوم نہیں ہے، کہ اللہ نے ان کی روحوں کو قبض کرکے زبر جد و یاقوت کی قندیلوں میں ڈال دیا ہے، اور پھر اسے جنت کے وسط میں لٹکا دیا گیا ہے، جب رات ہوتی ہے تو ان کی روحیں لوٹا دی جاتی ہیں، رات بھر وہاں رہتی ہے، پھر جب صبح طلوع ہوتی ہے، تو انہیں اپنی جگہ پر لوٹا دیا جاتا ہے، اس روایت کی بنا پر شہید موت کے

---

[1] تفسیر مظہری سورۃ آل عمران: ۲: ۱۷، [2] تفسیر مظہری: ج ۱: ۲۲۳-۲۲۵ سورہ تطفیف،

بعد بھی درجات اور عبادت کا ثواب حاصل کرتے ہیں۔ شہید کا جسم قبر میں بوسیدہ نہیں ہوتا اور نہ اسے زمین کھاتی ہے، یہ بھی زندگی کی علامات میں سے ایک علامت ہے،

بیہقی نے اپنے طریقہ سے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، اور ابن سعد اور بیہقی نے جابر سے اور طریقوں سے روایت کی ہے، اور محمد بن عمرو نے اپنے شیوخ کی سند سے جابر سے روایت کی ہے، کہ جب معاویہ نے نہر جاری کی تو ہمیں شہداء احد کے لئے بلایا گیا۔ ہم نے آکر ان کو نکالا۔ دیکھا تو وہ تر و تازہ ہیں۔ ان کے اعضاء مڑ سکتے تھے،

محمد بن عمرو کے شیوخ کہتے ہیں۔ کہ جابر کے والد کو انہوں نے اس حالت میں پایا۔ کہ ان کا ہاتھ زخم پر رکھا تھا، جب ہاتھ زخم سے اٹھایا گیا تو خون بہنے لگ گیا۔ ہاتھ کو اپنی جگہ پر لوٹا دیا گیا۔ تو خون ختم گیا۔ جابر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو قبر میں دیکھا۔ تو معلوم ہو رہا تھا کہ وہ سو رہا ہے، اور جس دھاری دار چادر میں انہیں کفنایا گیا تھا ویسی کی ویسی ہی تھی۔ حالانکہ اس پر چھیالیس سال گذر چکے تھے۔ ابوسعید خدری کہتے ہیں، کہ ان واقعات کے بعد کسی کو انکار کی گنجائش نہیں رہتی جب وہ مٹی کھود رہے تھے تو جو تو دہ خاک بھی کھودا جاتا اس میں سے کستوری کی خوشبو آتی،

بغوی لکھتے ہیں، عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ جنگ احد سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصعب بن عمیر کے پاس سے گذرے وہ قتل ہوئے پڑے تھے آپ ٹھہر گئے۔ اور ان کے لئے آپ نے دعا کی اور یہ آیت پڑھی،

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ

(مسلمانوں میں ایسے آدمی ہیں، جنہوں نے اللہ سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا)

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے ہاں حاضر ہوں گے (شہداء) ان کے پاس آیا کرو، ان کی زیارت کیا کرو، اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ قیامت تک جو شخص بھی انہیں سلام کرنے آئیگا۔ یہ اس کی سلام کا جواب دیں گے۔

قاضی محمد ثناء اللہؒ زیر آیت وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّوْنَ كِتَابٌ مَّرْقُوْمٌ يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ فرماتے ہیں[1]:۔

ارواح کے جنت میں رہنے اور عرش کے نیچے قندیلوں میں ہونے میں کوئی منافات نہیں پائی جاتی کیونکہ عرش جنت کے لئے بمنزلہ آسمان کے ہے،

پھر فرماتے ہیں: یہ حکم شہداء کے ساتھ خاص نہیں ہے، کیونکہ انبیاء اور صدیقین ان سے زیادہ بلند مرتبہ ہیں، بلکہ حدیث میں تو مطلق مومنین کے لئے بھی یہی حکم آیا ہے،

مالک اور نسائی نے سند صحیح سے کعب بن مالک سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

---

[1] تفسیر مظہری: ج ۱۰۱ : ۲۲۳-۲۲۴ سورہ تطفیف،

إِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَائِرٌ يَعْلَقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتَّى تَرْجِعَ إِلَى جَسَدِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
مومن کی روح پرندہ ہے، جو جنت کے درختوں کا پھل کھاتی رہتی ہے، یہاں تک کہ قیامت کے دن یہ اپنے جسم کو لوٹ آئے،

اسی طرح احمد اور طبرانی نے ام ہانی سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
روحیں پرندے ہیں جو جنت کے درختوں کا پھل کھاتی رہتی ہیں، جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو ہر روح اپنے جسم میں داخل ہو جائیگی۔

ابن عساکر نے ابو معروف کی بیوی ام بشر سے بھی یہی روایت کی ہے،

ابن المبارک، حکیم ترمذی ابن ابی الدنیا اور ابن مندہ نے عن سعید بن المسیب عن سلیمان روایت کی ہے، کہ مومنین کی ارواح برزخ زمین میں ہوتی ہیں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں، اور کافر کی روحیں سجین میں ہوتی ہیں

شعبی بحر الکلام میں فرماتے ہیں ارواح کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ انبیاء کی ارواح :۔ یہ اپنے جسموں سے نکل کر اسی شکل کی سی کستوری اور کافور بن جاتی ہیں، اور جنت میں کھاتی ہیں پیتی ہیں، اور نعمت میں ہیں، اور رات کے وقت ان قندیلوں کے پاس جاکر آرام کرتی ہیں، جو عرش سے لٹکی ہوئی ہیں،

۲۔ شہداء کی ارواح یہ اپنے جسموں سے نکلتی ہیں اور جنت میں سبز پرندوں کے اندر ہوتی ہیں یہ بھی کھاتی پیتی ہیں اور رات کے وقت ان قندیلوں میں آرام کرتی ہیں، جو عرش سے لٹکی ہوئی ہیں،

۳۔ اطاعت گذار مومنوں کی ارواح :۔ ان کا ڈیرہ تو جنت میں ہوتا ہے، مگر نہ کھاتی اور نہ لذت اٹھاتی ہیں، مگر جنت میں انہیں رکھا جاتا ہے،

۴۔ نافرمان مومنین کی ارواح :۔ یہ آسمان اور زمین کے درمیان ہوا میں معلق رہتی ہیں، اب رہی کفار کی ارواح تو وہ ساتویں زمین کے نیچے سجین میں سیاہ پرندوں کے اندر ہوتی ہیں،

قاضی صاحب فرماتے ہیں :۔ شعبی نے انبیاء کی ارواح کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، کہ یہ اسی جیسی کافور و مشک کی صورت بن جاتی ہیں، اس سے یہ مراد ہے کہ انسان کے بدن جیسا ان کا بدن ہوتا ہے، انہیں مشک و کافور سے ان کی خوشبو کی وجہ سے تعبیر کیا گیا ہے، مجدد رحمہ اللہ نے ان جسموں کو جسم موہوب سے تعبیر کیا ہے، اور موت سے پہلے ہی انبیاء اور ان صدیقین کے اجسام جو ان کے کامل طور پر متبع ہوں اسی طرح کے ہوتے ہیں۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بعض احادیث میں سے تو یوں معلوم ہوتا ہے، کہ مومنین یہاں تک کہ انبیاء کی ارواح اور

۱؎ اصل کتاب میں یہاں التعلق دیا ہے، جو غلط چھپا ہے ۲؎ اصل کتاب میں طباعت کی غلطی سے یہاں شجرۃ چھپا ہے

کافروں کی روحیں سب قبروں میں ہوتی ہیں، جیسا کہ براء کی طویل حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کے حق میں فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا اعمالنامہ علیین میں لکھدو اور اسے زمین پر لوٹا دو، کیونکہ میں نے انہیں اسی سے پیدا کیا اور اسی میں لوٹاؤں گا، اور اسی سے ایک بار پھر نکالوں گا۔ اور اس کی روح جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ اور کافر کے متعلق بھی اسی طرح فرمایا۔ کہ اس کی روح قبر میں لوٹا دی جاتی ہے، ابن عبدالبر کہتے ہیں صحیح ترین قول یہی ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے، جو شخص میری قبر پر آ کر سلام کرتا ہے، میں اسے سنتا ہوں، اور جو غائبانہ سلام کرتا ہے، وہ مجھے پہنچا دی جاتی ہے۔ لہٰذا ان دونوں میں تطبیق کیسے دی جائے گی،

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ مومنین کی ارواح کا مقام علیین یا آخری آسمان وغیرہ میں ہے، جیسا کہ ذکر ہوا۔ اور کفار کی ارواح سجین میں ہیں، مگر اس کے باوجود ہر روح کا اتصال قبر میں بدن کیساتھ قائم رہتا ہے جس کی حقیقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، اسی کے اتصال کی وجہ سے یہ کہنا درست ہے، کہ انسان جو جسم اور روح سے مرکب ہے، اسے جنت یا دوزخ کا اپنا مقام پیش کیا جاتا ہے، اور وہ لذت اور درد کو محسوس کرتا ہے، اور زیارت کنندہ کے کلام کو سنتا ہے اور نکیرین کے سوال کا جواب دیتا ہے، وغیرہ وغیرہ جو کتاب و سنت سے ثابت ہو چکا ہے، بعینہ اسی طرح جس طرح جبرئیل کی اپنی جگہ تو آسمانوں میں ہے، مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنا قریب آجاتا تھا کہ اپنے ہاتھ آنحضرتؐ کی رانوں پر رکھ دیتا تھا۔

شعبی بحر الکلام میں کہتے ہیں: ارواح کا اپنے جسموں سے اتصال رہتا ہے، لہٰذا روحوں کو عذاب ہوتا ہے، اور جسم اس کا درد محسوس کرتے ہیں جس طرح سورج کہ خود آسمان میں ہے، مگر اس کی روشنی زمین پر ہے۔ واللہ اعلم

قاضی ابوبکر ابن العربی کا بیان

قاضی ابوبکر ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ زیر آیت

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ فرماتے ہیں[1]:-

اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ شہید کو غسل نہ دیا جائیگا۔ اور شہید زندہ ہیں، امام مالک اور امام شافعی یہی فرماتے ہیں، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائیگی، چونکہ شہید پر زندوں کے احکام جاری نہیں ہوں گے، اس لئے نہ انہیں غسل دیا جائیگا، اور نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی، کیونکہ غسل دینے کا مقصد تو میت کو پاک کرنا ہوتا ہے، اور مومن شہید ہو کر پاک ہو چکا ہوتا ہے، اسی طرح نماز جنازہ میت کے لئے شفاعت ہوتی ہے، اور شہید کو اسکی شہادت نے شفاعت سے مستغنی کر دیا ہوتا ہے[2]، اس کی مزید تائید اس مسئلہ سے ہوتی

---

[1] احکام القرآن: ۱: ۲۰ طبع مصر، [2] یاد رہے کہ ابوبکر ابن العربی مالکی المذہب ہیں لہٰذا وہ مالکیہ کا مسئلہ بیان کر رہے ہیں، اور اسی کی تائید کر رہے ہیں، لیکن حنفیہ کے ہاں جیسا کہ انہوں نے خود بیان کیا ہے، شہید کو غسل تو نہیں دیا جائیگا۔ مگر نماز جنازہ ہوگی۔ آگے چل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے باب میں بیان ہوگا۔ کہ آنحضرتؐ کی نماز جنازہ ہوئی۔ حالانکہ انبیاء زندہ ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ اعظم ہیں۔

ہے، کہ جب باوجود قدرت کے طہارت ساقط ہو جائے تو نماز بھی ساقط ہو جاتی ہے، اس لئے کہ طہارت نماز کیلئے شرط ہے۔ لہذا جب شرط ساقط ہو گئی تو مشروط بھی ساقط ہو گیا۔

طبرانی کی روایت | طبرانی نے الاوسط میں ابن عمر و سے روایت کی ہے۔ کہ غزوۂ احد سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر مصعب بن عمیر پر ہوا، آپ مصعب اور ان کے ساتھی شہداء کے پاس آکر ٹھہر گئے، اور فرمایا۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ کے ہاں زندہ ہو، لوگو! ان کی زیارت کیا کرو، انہیں سلام کیا کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، قیامت تک جو شخص بھی انہیں سلام کہے گا۔ یہ اس کا جواب دیں گے۔[۱]

حاکم اور بیہقی کی روایت | حاکم نے روایت کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے، نیز بیہقی نے ابو ہریرہ سے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احد سے واپس آئے تو مصعب بن عمیر اور ان کے ساتھیوں کے پاس آکر ٹھہر گئے اور فرمایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ کے ہاں شہید ہو۔ لہذا لوگو! تم ان کی زیارت کیا کرو، ان پر سلام کہا کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کہ قیامت تک جو شخص انہیں سلام کہیگا۔ یہ اس کا جواب دیں گے۔[۲]

شیدلہ کا بیان | البرہان فی علوم القرآن میں شیدلہ لکھتے ہیں، کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ مردہ بھی ہوں اور زندہ بھی،

ہم کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں قبروں میں زندہ کر دیتے ہوں، اور ان کی ارواح ان کے بدنوں کے ایک حصہ میں داخل ہوں جس کی وجہ سے سارا بدن ناز و نعمت محسوس کرتا ہو جس طرح دنیا میں ایک زندہ انسان کا سارا اس ٹھنڈک یا حرارت کو محسوس کرتا ہے، جو اس کے بدن کے ایک حصہ میں ہوتی ہے

بعض کہتے ہیں کہ ان کے جسم قبروں میں نہ بوسیدہ ہوتے ہیں اور نہ ہی الگ الگ ہوتے ہیں لہذا وہ قبروں میں زندوں کی طرح ہیں،

ابو حیان کا بیان | ابو حیان اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:۔

اس زندگی کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے، کہ ان کی ارواح باقی رہتی ہیں نہ کہ جسم کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے جسم فنا بھی ہوتے ہیں، اور فاسد بھی دوسرے کہتے ہیں کہ شہید جسم اور روح دونوں کے ساتھ زندہ ہوتا ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم اسے محسوس کرتے ہیں یا نہیں، کیونکہ ہم انہیں مردوں کی طرح دیکھتے ہیں حالانکہ وہ زندہ ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ

---

[۱] شرح الصدور ۱۳۹ زرقانی ۸: ۳۱۲ زرقانی میں ہے کہ اس حدیث کی روایت بیہقی نے ابو ہریرہ سے کی ہے، نیز البدایہ والنہایہ ۴: ۵۴ [۲] شرح الصدور ۱۳۷،

اسی طرح ہم سوتے ہوئے انسان کو ایک حالت میں دیکھتے ہیں، حالانکہ خواب میں وہ کبھی مزے لیتا ہے، اور کبھی دکھ محسوس کرتا ہے، میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے تو فرمایا ہے:-

بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

مومنین کو ان الفاظ میں خطاب کر کے تنبیہ کردی ہے کہ تم اپنے مشاہدہ اور احساس کے ساتھ اس زندگی کا ادراک نہیں کرسکتے، اسی زندگی سے شہیداور غیر شہید میں امتیاز ہوتا ہے، اور اگر محض رُوح کی زندگی مراد ہوتی تو پھر شہید اور غیر شہید میں کوئی فرق نہ ہوتا، کیونکہ رُوح کی زندگی میں تو تمام اموات یکساں ہیں، اس لئے کہ مسلمانوں کو معلوم ہے کہ تمام ارواح زندہ ہیں، اسیطرح اس صورت میں وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کا کوئی مطلب نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے بعض اولیاء کو شہداء کی زندگی کا علم بذریعہ کشف عطا کر دیتا ہے، تو وہ انہیں آنکھوں سے زندہ دیکھ لیتے ہیں۔

بیہقی کا بیان | بیہقی کتاب الاعتقاد میں کہتے ہیں، جان قبض ہونے کے بعد نبیوں کو ان کی رُوحیں لَوٹا دی جاتی ہیں، لہٰذا شہداء کی طرح وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، اور جب نفخہ اولیٰ ہوگا تو تمام انبیاء پر غشی طاری ہوگی، اور یہ غشی کسی صورت سے بھی موت نہیں کہلا سکتی، صرف شعور باقی نہ ہوگا۔ اگر اس صعقہ سے موسیٰ علیہ السلام کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، تو ان کے حواس اس وقت قائم رہیں، انہیں کوہ طور پر جو غشی طاری ہوئی تھی، اسی کو یہاں حساب میں لے لیا گیا ہے[1]

سیّد انور شاہ کشمیری کا بیان | سیّد انور شاہ علیہ الرحمۃ آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا، کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں[2]،

یاد رکھیں کہ ہم پہلے شہداء اور انبیاء کے زندہ ہونے پر بحث کرچکے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے، کہ ان کے زندہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ زندوں جیسے کام کرتے ہیں، ورنہ روحیں تو سب کی سب زندہ ہے، خواہ کفار کی روحیں کیوں نہ ہوں۔ مگر کفار کی ارواح تو زندگی کے افعال سے معطل ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیث میں جہاں کہیں ان کے زندہ ہونے کا ذکر آیا ہے، وہاں زندگی کے کسی نہ کسی فعل کا بھی ضرور ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ اس آیت میں بھی یہی کہا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝

یہاں فرما دیا۔ کہ وُہ رزق حاصل کرتے ہیں اور رزق کھانا زندوں کے افعال میں سے ہے، لہٰذا معنی یوں ہوئے کہ اگرچہ غیر شہداء بھی زندہ ہیں، مگر شہداء کو رزق ملتا ہے، اور وہ زندگی کے افعال کرتے ہیں، لہٰذا اوروں کے مقابلہ میں یہ زندہ کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں، حدیث میں ہے، کہ شہداء سبز رنگ کے پرندوں کے معدوں میں داخل ہو کر جنت میں جاتے ہیں۔ موطا کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، کہ شہداء کو سبز پرندوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ نہ کہ سبز رنگ کے پرندوں میں ان کی ارواح ہوں گی، اور وہ ان کے اندر ظرف کا کام دیں گے۔

---

[1] شرح الصدور: ۱۳۷ - ۱۳۸ [2] البدور السافرہ: ۱۵ اور شرح الصدور: ۱۳۷ [3] فیض الباری: ۳: ۴۲۵، کتاب الجہاد باب فضل قول اللہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا اَمْوَاتًا

مزید برآں امام مالک نے اپنے مؤطا کے باب الشہداء صفحہ پر ذکر کیا ہے،

إِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَيْرٌ يَعْلُقُ فِي الْجَنَّةِ الخ

اس سے تو معلوم ہوتا ہے، کہ رزق حاصل کرنا شہداء کے علاوہ عام مومنین کی صفت ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں، کہ میرے نزدیک شہداء کے متعلق اس صفت کا ذکر ان کے عمل کی وجہ سے ہوا ہے، ہو سکتا ہے، کہ غیر شہداء میں کچھ لوگ ایسے ہوں جن میں وہی شہداء والی صفات پائی جاتی ہوں، مزید براں یہ ان کے مثالی بدن ہوں گے، وہ ارواح مجردہ نہیں ہیں، ممکن ہے کہ قیامت سے پہلے ہی ان کا رزق انہیں دے دیا جاتا ہو۔ اور غیر شہداء کے لئے ان نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونا قیامت پر انحصار رکھتا ہو،

یہ بھی یاد رکھیں کہ مومن والی حدیث میں کھانے پینے کو نسمہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، نہ کہ جسم و بدن کی طرف اس لئے کہ جسم تو مٹی میں ہے، یہاں سے معلوم ہوا کہ نسمہ اور جسم دو مختلف چیزیں ہیں، اور وہ روح بھی نہیں ہے، کیونکہ جب تک روح کا اتصال مادی یا مثالی جسم کے ساتھ نہ ہو اس کے ساتھ کھانے پینے کا تعلق نہیں ہو سکتا، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا:

إِنَّ أَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِينَ طَيْرٌ الخ

بلکہ نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ فرمایا ہے،

مختصر یہ کہ آیت کا مقصد صرف یہ بتانا ہے، کہ وہ زندہ ہیں، اور میں نے یہ بھی بتلا دیا ہے، کہ یہاں صرف اتنا مقصد نہیں کہ وہ زندہ ہیں، بلکہ وہ رزق بھی پاتے ہیں، کیونکہ ارواح کا زندہ ہونا تو معلوم ہی ہے، اسی لئے حدیث میں فرمایا۔ يَعْلُقُ فِي الْجَنَّةِ،

اسی طرح انبیاء بھی قبروں میں ... نماز پڑھتے ہیں، چنانچہ حدیث میں زندگی کی علامات ... طرف توجہ دی گئی، مثلاً کھانا اور نماز پڑھنا ... کی تلاوت کرنے اور نماز پڑھنے وغیرہ وغیرہ کا ذکر ہے۔ حج اور نماز کا ذکر تو انبیاء کے لئے ہے، اور تلاوت قرآن کا غیر انبیاء کے لئے لہٰذا مقصود ان افعال کا ذکر کرنا ہے، نہ کہ نفس حیات کا۔ یہاں سے معلوم ہو گیا، کہ ان کے زندہ ہونے سے کیا مراد ہے، یعنی یہی کہ وہ زندوں جیسے افعال کرتے ہیں اور معطل نہیں ہیں، قرآن نے بھی يُرْزَقُونَ کا لفظ کہہ کر اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے، اور حدیث نے يُصَلُّونَ کا لفظ کہہ کر، تاکہ متعین ہو جائے کہ حیات سے کیا مراد ہے، اور تاکہ ان کی زندگی اور دیگر لوگوں کی زندگی میں امتیاز ہو سکے۔

شہداء کے زندہ ہونے کے متعلق علماء کے بیانات دینے کے بعد اب میں یہاں اس کے واقعات اور شواہد پیش کرتا ہوں،

پہلا واقعہ | ابن ابی الدنیا نے کتاب مَنْ عَاشَ بَعْدَ الْمَوْتِ اور بیہقی نے الدلائل میں عطاف بن خالد سے روایت کی ہے کہ مجھ سے میری خالہ نے بیان کیا۔ کہ میں ایک شہید کی قبر کی زیارت کے لئے گئی اور میں ان کی زیارت کو اکثر جایا کرتی تھی،

وہ کہتی ہیں کہ میں حمزہ کی قبر کے پاس جاکر اتری اور وہاں نماز پڑھی، اس وقت وہاں کوئی اور نہ تھا، نماز سے فارغ ہوکر میں نے السلام علیکم کہا اور میں نے سلام کا جواب سنا یہ جواب زمین کے نیچے سے آیا تھا، میں نے اس آواز کو اسی طرح پہچانا جس طرح میں یہ پہچانتی ہوں کہ اللہ میرا خالق ہے، اور جس طرح دن اور رات کو پہچانتی ہوں، یہ سن کر میرا بال بال کھڑا ہوگیا[۵۱]

حاکم نے اسی عطاف کی سند سے روایت کی ہے، اور اسے صحیح قرار دیا ہے، اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں عطاف بن خالد کی سند سے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن ابی فروہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے، کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے اُحد کی زیارت کو تشریف لائے اور کہا اے خدا، تیرا بندہ اور نبی اس بات کی گواہی دیتا ہے، کہ یہ لوگ شہید ہیں، اور قیامت تک جو کوئی بھی ان کی زیارت کو آئے گا۔ اور انہیں سلام کہے گا۔ یہ اس کا جواب دیں گے[۵۲]

دوسرا واقعہ عطاف کہتے ہیں کہ میری خالہ نے بتایا، کہ وہ شہداء کی قبروں کی زیارت کیلئے گئیں اور اس وقت ان کے ساتھ دو بچے بھی تھے، جو سواری کا خیال رکھ رہے تھے وہ کہتی ہیں کہ میں نے ان شہداء کو سلام کیا تو میں نے اس کا جواب سُنا، اور یہ بھی کہتے سنا کہ اللہ کی قسم ہم تمہیں اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح ہم ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ یہ سنکر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے، اور میں نے بچوں کو کہا خچر لاؤ، اور میں واپس چلی آئی[۵۳]

تیسرا واقعہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ میں نے جعفر بن ابیطالب کو فرشتوں کے ساتھ اڑتے دیکھا،

اس حدیث میں احتمال ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواب میں دیکھا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیداری میں دیکھا ہو، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، جس کی روایت دارقطنی نے ضعیف سند سے ابن عمرؓ سے کی ہے، کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، تو آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا۔ اور کہا:۔

وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ تو ایسا نہ کیا کرتے تھے، اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا: جعفر بن ابیطالب فرشتوں کی جماعت میں میرے پاس سے گذرا تھا، اور اس نے مجھے سلام کیا تھا۔ ابوہریرہ والی حدیث کی روایت ترمذی اور حاکم نے کی ہے، لیکن محمد بن سعد حافظ مشہور کے ہاں حضرت علی کی حدیث سے اس کی شہادت ملتی ہے[۵۴]

---

[۵۱] البدایہ والنہایہ: ۴: ۴۵ اور شرح الصدور: ۱۴۱۔ عطاف راوی مدنی ہیں، اور تابعی ہیں، امام مالک کے معاصرین میں سے تھے، ان کی پیدائش ۱۹۱ھ ہوئی امام مالک ان کے متعلق اچھی رائے نہ رکھتے تھے، مگر دیگر محدثین نے انہیں ثقہ اور صالح الحدیث لکھا ہے، (تہذیب التہذیب ۷: ۲۲۱-۲۲۲)

[۵۲] شرح الصدور: ۱۴۱ [۵۳] زرقانی: ۲: ۲۷۵ اس کی تائید ترمذی کی اس حدیث سے ہوتی ہے، جو انہوں نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رأیت جعفرا یطیر فی الجنۃ مع الملائکۃ (البدایہ والنہایہ: ۴: ۲۵۶- نیز زرقانی: ۲: ۲۷۵، زرقانی نے یہ بھی کہا ہے، کہ اس حدیث کی سند مسلم کی شرط کے مطابق ہے،

عبداللہ بن عمرو بن حرام حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو چھ ماہ بعد پلٹا اور دیکھا کہ ان کی کسی چیز میں تغیر نہ آیا تھا، داڑھی کے صرف چند بال جو زمین سے لگے ہوئے تھے، ان میں تھوڑا سا تغیر تھا۔[۱]

شہداء احد حضرت جابرؓ بن عبداللہ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام اور عمرو بن الجموح دونوں غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں عقد مؤاخاۃ قائم کیا تھا، اور دونوں میں باہم دوستی تھی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انہیں ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ ان دونوں پر دھاری دار چادریں تھیں، طغیانی نے ان کی قبر کو کھود ڈالا، جب انہیں دیکھا گیا تو ان کے بدن قطعاً متغیر نہ ہوئے تھے، موطا میں ان الفاظ کا اضافہ ہے، کہ جیسے یہ "کل ہی مرے ہیں"۔ عبداللہؓ کے چہرہ پر زخم لگا تھا اور ان کا ہاتھ اسی طرح اب تک زخم پر رکھا تھا۔ جب ہاتھ کو ان کے چہرہ سے ہٹایا گیا، تو خون بہنے لگ گیا، مگر جب ہاتھ چھوڑ دیا گیا تو پھر اپنی جگہ پر چلا گیا۔ اور خون تھم گیا۔ اس وقت غزوۂ احد کو چھیالیس سال گذر چکے تھے۔[۲]

حضرت عمرؓ کے پاؤں کا ننگا ہونا بخاریؒ نے ہشام بن عروہ عن ابیہ سے روایت کی ہے، کہ جب ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک کی دیوار گر گئی اور انہوں نے اعادۂ تعمیر شروع کیا، تو ایک پاؤں ننگا ہو گیا، لوگوں کو خیال ہوا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک ہے، اسلئے انہیں سخت گھبراہٹ ہوئی، کسی کو صحیح بات کا علم نہ تھا، یہاں تک کہ میں نے کہا اللہ کی قسم یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم نہیں ہے، یہ تو حضرت عمرؓ کا پاؤں ہے۔[۳]

یاد رہے کہ حضرت عمرؓ کو فیروز ابو لؤلؤ نے نماز پڑھتے ہوئے شہید کیا تھا اصل واقعہ جیسا کہ ابن کثیر نے دیا ہے، (البدایہ والنہایہ: ۹: ۷۴-۷۵) یوں ہے کہ ربیع الاول ۸۸ھ میں ولید بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو جو اس وقت مدینہ کے گورنر تھے، لکھا کہ مسجد نبوی کو گرا کر اس میں توسیع کی جائے، امہات المؤمنین کے حجرے اور اردگرد کے مکانات بھی اس میں شامل کر لئے جائیں، اور مسجد کو ۲۰۰ ہاتھ × ۲۰۰ ہاتھ بنا دیا جائے، جو اپنی مرضی سے اپنے مکانات بیچ دیں انہیں ان کی قیمت ادا کر دو، اور جو راضی نہ ہوں ان کے مکانات کی منصفانہ قیمت لگا کر انہیں دے دی جائے بالآخر وہ لوگ جن کے مکانات مسجد سے متصل تھے راضی ہو گئے، اور تعمیر شروع ہو گئی اور جب حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی شرقی جانب کی دیوار کھودی گئی، تو ایک پاؤں ظاہر ہوا اور تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ حضرت عمرؓ کا پاؤں تھا،

عبداللہ بن ثامر کی لاش حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں نجران کے ایک شخص نے کسی ویرانے کو کھودا[۴] تو نیچے سے...... عبداللہ بن ثامر کی لاش نکلی، عبداللہ بیٹھے ہوئے تھے، اور انہوں نے اپنا ہاتھ سر پر اس جگہ رکھا ہوا تھا جہاں انہیں چوٹ

---

[۱] اصابہ ترجمہ عبداللہ بن عمرو بن حرام، [۲] زرقانی: ۲: ۵۳ اور ۸: ۲۱۲: البدایہ والنہایہ: ۴: ۴۳، فتح الباری: ۳: ۱۶۸ و اصابہ ترجمہ عبداللہ بن عمرو بن حرام و موطا امام مالکؒ مع تنویر الحوالک: ۱: ۳۱۲، شرح الصدور: ۲۱۳ نیز ملاحظہ ہو ۹۹،
[۳] البدایہ والنہایہ: ج ۵ صفحہ ۲۸۲ اور زرقانی: ۸: ۲۹۵ فتح الباری: ۳: ۱۹۹ وفاء الوفاء: ۱: ۶۱، [۴] تفسیر ابن کثیر: ۴: ۴۹۵ سورۃ البروج زیر آیت قتل اصحاب الاخدود و ابن ہشام: ۱: ۳۷ و طبری اور خازن تفسیر سورۃ البروج و کامل ابن اثیر: ۱: ۲۵۳

لگی تھی، جب ان کے ہاتھ کو اس جگہ سے ہٹا دیا جاتا تو اس سے خون بہنے لگتا، مگر جب ہاتھ چھوڑ دیا جاتا تو وہ پھر اسی جگہ رکھ لیتے، اور خون رک جاتا، ان کے ہاتھ میں انگوٹھی تھی جس پر ربی اللہ کندہ تھا، اس شخص نے اس کے متعلق حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، حضرت عمرؓ نے جواب لکھا کہ عبداللہ کو اپنی حالت میں رہنے دیا جائے، اور انہیں اسی طرح مدفون کر دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا،

عبداللہ بن ثامر کے متعلق سہیلی کا بیان

سہیلی لکھتے ہیں کہ عبداللہ کے واقعہ کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے فرمان :-

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ (الآیۃ)

سے ہوتی ہے، اور ابتداء اسلام کے ان شہداء احد وغیرہم کے واقعات سے ہوتی ہے، جنہیں اسی صورت میں پایا گیا اور باوجود ایک طویل مدت گذر جانے کے ان میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا تھا، مثلاً حمزہؓ بن عبدالمطلب کیونکہ جب معاویہؓ نے نہر جاری کی تھی، تو انہیں بالکل درست حالت میں پایا گیا تھا، ان میں کسی قسم کا تغیر نہ واقع ہوا تھا۔ اور کدال ان کی انگلی پر لگ جانے سے ان کی انگلی سے خون نکل آیا تھا، یہی حال جابرؓ کے باپ عبداللہؓ بن حرام اور عمرو بن الجموح کا تھا، اور طلحہ بن عبیداللہ کی بیٹی عائشہ نے خواب میں دیکھا کہ طلحہؓ اسے کہہ رہا ہے، کہ مجھے نکال کر کہیں اور دفن کرو۔ تو عائشہ نے تیس سال کے بعد انہیں نکالا اور وہ ویسے کے ویسے ہی تھے، اس کا ذکر ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں کیا ہے، اور یہ تمام واقعات درست ہیں، نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ

(اللہ نے زمین کے لئے انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے)

یہ روایت سلیمان بن اشعث (ابوداؤد) کی ہے۔ ابوجعفر داؤدی نے کتاب النامی میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے، مگر اس میں شہداء، علماء اور مؤذنین کا بھی ذکر ہے (کہ زمین ان کے جسموں کو بھی نہیں کھاتی) اور یہ اضافہ عجیب ہے میں نے اس اضافہ کو کسی مسند میں نہیں پایا (مگر چونکہ) داؤدی ثقہ اور اہل علم میں سے ہے، (اس لئے اس کا اضافہ مقبول ہوگا)۔

مسند میں حضرت سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ يُصَلُّوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ

اس کی روایت ثابت بنانی نے انسؓ سے کی ہے، یہ بھی مروی ہے، کہ ثابت بنانی کو دفن کرنے کے بعد دیکھا تو وہ قبر میں نہ تھا، جب اس کا ذکر اس کی بیٹی سے کیا گیا۔ تو اس نے بتایا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہا تھا، اس لئے تم اسے نہ دیکھ سکے، وہ رات کو جب تہجد کے لئے اٹھا کرتا تھا۔ تو دعا کیا کرتا تھا۔ کہ اے اللہ مجھے ان لوگوں میں کر دے جو مرنے کے بعد قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور صحیح حدیث میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میرا گذر موسیٰؑ کے پاس سے ہوا، تو وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

سہیلی نے اس کے بعد عبداللہ بن ثامر کا واقعہ نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ انہیں قتل کرنے کے بعد دفن کیا گیا، اور جب حضرت

قریش کے زمانہ میں انہیں نکالا گیا، تو ان کی انگلی جس طرح کہ انہوں نے قتل ہونے کے وقت اپنی کنپٹی پر رکھی تھی، ویسی کی ویسی پڑی تھی،
(الرَّوضُ الانف: ۱: ۳۴-۳۵)

الحارث بن مضاض جرہمی | ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی الدنیا کو ابو بلال اشعری نے بتلایا اور ان سے ابراہیم بن محمد بن جعفر بن ابی طالب نے بیان کیا، کہ کسی اہل علم نے ذکر کیا، کہ جب ابو موسیٰ نے اصفہان فتح کیا تو شہر کی ایک دیوار گر گئی، اس نے دیوار تعمیر کرادی، وہ پھر گر گئی، پھر بنائی اور وہ پھر گر گئی، کسی نے بتلایا، کہ اس دیوار کے نیچے ایک آدمی مدفون ہے جب اس کی بنیادوں کو کھودا گیا، تو ایک آدمی کو تلوار لیئے کھڑا پایا، تلوار پر لکھا تھا، کہ میں الحارث بن مضاض ہوں اصحاب الاخدود نے مجھ سے دشمنی کی تھی، ابو موسیٰ نے اسے وہاں سے نکال لیا، اور پھر دیوار تعمیر کی، اور وہ قائم رہی،

ابن کثیر کہتے ہیں، کہ یہ شخص الحارث بن مضاض بن عمرو بن مضاض عمر الجرہمی تھا، جو جرہم کے بادشاہوں میں سے ایک تھا یہی جرہم وہی تھے، جو نابت بن اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ کی اولاد کے بعد کعبہ کے والی بنے، اسی حارث کا بیٹا عمرو بن الحارث بن مضاض جرہمیوں کا آخری بادشاہ ہوا ہے، بنی خزاعہ نے انہیں مکہ سے نکال کر یمن کی طرف جلاوطن کر دیا تھا، اسی نے وہ شعر کہے ہیں جن کے متعلق ابن ہشام کا خیال ہے، کہ یہ عربی زبان کے قدیم ترین اشعار ہیں۔

کَاَنْ لَمْ یَکُنْ بَیْنَ الْحُجُوْنِ اِلَی الصَّفَا ۔۔۔ اَنِیْسٌ وَلَمْ یَسْمُرْ بِمَکَّۃَ سَامِرٌ
بَلٰی نَحْنُ کُنَّا اَھْلَھَا فَاَبَادَنَا ۔۔۔ صُرُوْفُ اللَّیَالِیْ وَالْجُدُوْدُ الْعَوَاثِرُ

مقتل اصحاب الاخدود کی تشریح میں اسباط نے سدی سے نقل کیا ہے، کہ یہ خندقیں تین تھیں، ایک عراق میں ایک شام میں اور ایک یمن میں،

یہ تو شہداء کے اجسام کا حال ہے، مگر اللہ تعالیٰ بعض صلحاء امت کو بھی یہ اعزاز بخشتے ہیں، کہ ان کے اجسام صحیح و سالم رہتے ہیں، چنانچہ ابن الجوزی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے، کہ ۱۷۶ھ میں ایک ریت کے ٹیلے کے پھٹ جانے سے سات قبریں ظاہر ہوئیں جو حوض کی طرح تھیں، ان سات قبروں میں سات شخص تھے جن کے بدن بالکل ٹھیک تھے، اور ان کے کفنوں سے کستوری کی خوشبو آرہی تھی، ان میں ایک لاش نوجوان کی تھی جس کی لٹیں لمبی تھیں، اور اس کے ہونٹوں پر تری تھی، یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس نے پانی پیا ہے، اور اس کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا معلوم ہوتا تھا، اور اس کی کمر میں چوٹ لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی، حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کے بال لینے چاہے، دیکھا کہ زندہ انسان کی طرح مضبوط تھے،

لہ تفسیر ابن کثیر میں یہاں طباعت کی غلطی سے اخثر تھمر دیا ہے، صحیح الخس جثتھم ہے،
لہ الحارث بن سا صحاب الاخدود کے خوف سے بھاگ کر اصفہان پہنچا ۱۳ اصل کتاب میں بلی کی بجائے بل چھپا ہے غلط ہے
لہ اصل کتاب میں یہاں کانت الاخدود دیا ہے جو غلط ہے صحیح کانت الاخادید ہے۔ ۵ شرح الصدور: ۱۳۷
(نیز ملاحظہ ہو حاشیہ جو کتاب کے خاتمہ پر دیا گیا ہے)

انبیاءؑ کی زندگی اس دُنیا میں بھی اہل جنّت کی زندگی ہوتی ہے ؟

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی زندگی اسی دنیا کے اندر اہل جنت کی زندگی ہوتی ہے، اگر ہم ابتدار سے انتہا تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بغور مطالعہ کریں، تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ اسی دنیا میں اہل جنّت کی زندگی بسر کرتے تھے چنانچہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

ابو نعیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کے چالیس آدمیوں کی قوت عطار کی گئی تھی، پھر ترمذی میں ہے، کہ اہل جنت کے ایک مرد کی قوت دنیا کے سو آدمیوں کے برابر ہوگی، چالیس کو ضرب دینے سے چار ہزار بنتے ہیں، سیوطی نے بھی اسی طرح دیا ہے۔ سید انور شاہ فرماتے ہیں، کہ الفاظ کے اختلاف اور روات کی تعبیرات سے قطع نظر کر کے میرے نزدیک تحقیق شدہ امر یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ دنیا میں ہی اہل جنت کے مردوں میں سے تھے، اس لئے آپؐ کو اس دنیا میں تمام وہ اوصاف عطا کئے گئے تھے جو اہل نسل کو جنت میں دئے جائیں گے[1]

یاد رکھیں کہ اسی زندگی میں انبیاء اہل جنّت کے طرز پہ ہوتے ہیں، چنانچہ زمین انبیاء کے براز کو نگل لیتی ہے، اور آنحضرتؐ کی قوت جماع اہل جنت کی طرح تھی، جیسا کہ بیان ہو چکا، اور یہ کہ اللہ نے زمین کے لئے ان کے جسموں کا کھانا حرام قرار دیا ہے، وغیرہ

احمد بن مبارکؒ ابریز میں لکھتے ہیں[2]،

ساتواں جزو جنتیوں کی سی زندگی بسر کرنا ہے، اس کا مطلب یہ ہے، کہ ذات رسول علیہ السّلام انہی انوار سے سیراب ہوتی ہے جن سے اہل جنت جنت میں داخل ہونے کے بعد سیراب ہوں گے، لہٰذا مرسلین علیہم السّلام کی ذات ایسی ہی ہوتی ہے، جیسے جنتی کی جنت میں اس کی شرح یہ ہے، کہ عالم دو ہیں، دار فنا اور دار بقا پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں، ظلمانی اور نورانی، دار البقار کی نورانی قسم جنت اور ظلمانی قسم دوزخ ہے، جب حجاب زائل ہو جائے تو دار بقار کی ہر قسم اپنی موافق نوع کو مدد پہنچاتی ہے، چنانچہ نورانی نورانی کو اور ظلمانی ظلمانی کو مدد پہنچاتی ہے، پھر یہ بات بھی ہے، کہ حجاب کے زائل ہونے کا محل مختلف ہوتا ہے، چنانچہ مرسلین علیہم السّلام میں یہ حجاب اسی دنیا میں پہلے ہی سے

---

[1] فیض الباری: ۱: ۳۵۵ - ۳۵۶ کتاب الغسل، باب اذا جامع ثم عاد قولہ قوۃ ثلاثین اور فیض الباری: ۴: ۱۰۱،
حافظ ابن حجر مسلم کی حدیث لکھ کر کہتے ہیں، کہ شاید یہ اس حدیث کا اختصار ہے جو نسائی میں آئی ہے۔ کہ زید بن ارقم نے بیان کیا۔ کہ اہل کتاب میں سے ایک آدمی آیا۔ اور کہا اے ابو القاسم آپ کہتے ہیں کہ اہل جنت کھائیں پئیں گے آپ نے فرمایا، ہاں ہر جنتی کو کھانے پینے اور جماع میں سو آدمی کی قوت دی جائے گی۔ فتح الباری: ۶: ۲۴۸،

[2] خزینہ معارف ترجمہ ابریز: ۱۰۸-۱۰۹،

زائل ہوچکا ہوتا ہے، جیسا کہ چھٹے جزؤ میں مذکور ہوچکا۔ اور مرسلین اس دنیا میں ہر نورانی سے بڑھ کر نورانی ہوگئے ہیں، اور ان کی ذات تشریف دار تھا، کے نورانی حصہ یعنی جنت سے مدد لیتی رہتی ہے، لیکن عامۃ الخلائق کے لئے حجاب صرف قیامت کے دن زائل ہوگا۔ اور اسی دن انہیں مدد بھی حاصل ہوگی، چنانچہ جو ایمان والا ہوگا وہ انوار جنت سے مدد حاصل کرے گا، اور سرکش نار جہنم سے مدد حاصل کرے گا۔ خدا ہمیں اپنے فضل وکرم سے دوزخ سے پناہ دے، مختصر یہ کہ استعداد کا انحصار زوال حجاب پر ہے، اور یہ حجاب مرسلین علیہم السلام سے زائل ہوچکا ہوتا ہے، اس لئے ان کی زندگی اہل جنت کی زندگی کی طرح ہوتی ہے،

رکانہ سے کشتی رکانہ اپنے زمانہ کا سب سے طاقتور پہلوان تھا، فتح مکہ کے دوران اس کی ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ کی پہاڑیوں میں ہوئی، اس نے کہا کہ اگر آپ مجھے گرادیں تو میں مسلمان ہوجاؤں گا۔ آنحضرت نے ایک منٹ میں اسے زمین پر دے مارا اور وہ اسلام لے آیا،[۱]

اس کے دل میں غالباً یہ خیال تھا کہ یہ نبی کچھ بھی کھاتا پیتا نہیں، اس نے کبھی کشتی گیری نہیں کی اور نہ ہی اس فن سے آشنا ہیں، پھر قوت کے اعتبار سے عرب بھر میں میرا لوہا مانا جاتا ہے اور میرے مقابلہ کا کوئی شخص نہیں، اسلئے اول تو آپ مجھ سے گریز کریں گے اور اگر کشتی پر آمادہ ہو بھی گئے، تو ان کو گرانا ایک معمولی بات ہے،

سورۂ قصص میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ،

(موسیٰ علیہ السلام نے اسے مکا مار کر اس کا کام تمام کر دیا)،

یعنی اس قوت سے مکا لگا کہ وہ ختم ہوگیا۔ حالانکہ مارنے کا نہ ارادہ تھا، نہ خیال مگر چونکہ قوت عام لوگوں کی سی نہ تھی، اسی لئے قبطی اسے برداشت نہ کرسکا، اور مرگیا،

اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام مدین پہنچتے ہیں، اور شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کی بکریوں کو پانی پلایا، جیسا قرآن مجید سورۂ قصص میں ہے، فَسَقَىٰ لَهُمَا

یہاں پر مختلف روایات ہیں، ایک روایت میں ہے، کہ چونکہ شعیب علیہ السلام کی قوم میں شریر لوگ تھے، انہوں نے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر کنوئیں کے منہ پر ایک پتھر رکھا جسے دس آدمی بمشکل ہلا سکتے تھے، مگر موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے اس پتھر کو ہٹا کر ان مویشیوں کو پانی پلایا، دوسری روایت میں ہے کہ وہاں ایک کنواں تھا جس کے منہ پر بہت بھاری پتھر پڑا تھا، جسے موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے اٹھا دیا تھا، ہر صورت میں موسیٰ علیہ السلام کی نبوی قوت کا پتہ چلتا ہے، اسی وجہ سے ان لڑکیوں نے اپنے باپ سے کہا، اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی خرق عادت سے بھری پڑی ہے، آپ کی زندگی کا کوئی شعبہ نہیں جس میں خارق عادت

---

[۱] ملاحظہ ہو رکانہ مطلبی کا ترجمہ اصابہ اور تہذیب التہذیب میں،

امور نہ نظر آتے ہوں، بچپن ہی کو لیجئے آپ دیکھیں گے کہ آپ ایک ماہ میں اتنے بڑھتے تھے کہ اور بچے ایک سال میں اتنا بڑھ نہیں سکتے، آگے چل کر ہم علامہ ابن قیم کی مکمل عبارت نقل کریں گے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

لٰکِنْ لَمَّا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَقَامِ خَرْقِ الْعَوَائِدِ حَتّٰی شُقَّ بَطْنُہٗ وَھُوَ حَیٌّ لَا یَتَأَلَّمُ بِذٰلِکَ،

"جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقام ہو کہ ہر دم خارق عادت امور کا آپ سے ظہور ہوتا رہتا ہو، یہاں تک کہ زندہ ہوتے ہوئے پیٹ چاک کیا گیا، مگر انہیں درد محسوس نہ ہوا۔"

پھر صرف ہجرت کے واقعہ کو لیں اور دیکھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح کفار کو اندھا بنا کر گھر سے نکلتے ہیں، اور ان کے درمیان میں سے ہو کر نکل جاتے ہیں، "غار ثور" پر مکڑی کا ایک رات کے اندر جالا تننا پھر اس کے اوپر کبوتری کا انڈے دینا، سراقہ بن مالک کا واقعہ کہ زمین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے سراقہ کو پکڑ لیا ام معبد کے خیمہ میں قیام کے دوران آپکی برکات، وغیرہ وغیرہ معجزات صاحب البصیرت کی چشمہائے دل کو وا کرنے کے لئے کافی ہیں،

عوام میں قوت کا دارومدار خوراک پر ہوتا ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات میں بھی ہمہ تن خرق عادت تھے مہینوں پر مہینے گذر جاتے اور آپ کے ہاں آگ نہ جلتی تھی، متواتر روزہ جاتا صحابہؓ نے آنحضرت کو دیکھ کر متواتر روزے رکھنے شروع کر دیئے، مگر چند دنوں کے بعد ان کے رنگ زرد اور چہرے پچک گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا،

اَیُّکُمْ مِثْلِیْ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَ یَسْقِیْنِیْ [۱]

(تم میں سے کون میرے جیسا ہے مجھے تو اللہ کھلاتا پلاتا ہے)

"ابن حجر فرماتے ہیں، "بعض محدثین اسے حقیقت پر محمول کرتے ہیں، یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان روزوں کی راتوں میں آپ کی تعظیم کیلئے اللہ کی طرف سے کھانے اور پینے کی اشیاء آتی تھیں۔"

مگر ابن بطال نے اس پر اعتراض کیا ہے، کہ اگر یہی بات ہو تو آپ کا روزہ صوم وصال نہ ٹھہرا، نیز یہ کہ ایک حدیث میں یَظَلُّ ...... کا لفظ ہے جس کے یہ معنی ہوئے کہ دن کے وقت آپ کے لیے کھانے اور پینے کی اشیاء آتی تھیں، اس صورت میں تو آپ روزہ دار بھی نہیں ٹھیرتے۔"

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے، کہ راجح روایت میں اَبِیْتُ کا لفظ ہے، اَظَلُّ نہیں، اگر مان بھی لیا جائے، کہ اَظَلُّ کا لفظ بھی ثابت ہے، تو پھر بہتر یہی ہے، کہ اَظَلُّ کے لفظ کو مجاز سمجھا جائے، بجائے اس کے کہ ہم کھانے اور پینے کو مجازی سمجھیں۔ چلیے ہم یہ بھی مان لیتے ہیں، کہ اَظَلُّ کا لفظ اپنے حقیقی معنوں میں ہے، اس لیے کہ جو جنت کا کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور

---

[۱] اس حدیث کی روایت مختلف الفاظ میں ہوئی ہے، مگر یاں سب کا ایک ہے، بخاری کے الفاظ میں لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ لِیْ مُطْعِمٌ یُطْعِمُنِیْ وَسَاقٍ یَسْقِیْنِیْ ۔ یہ ابو سعید خدری کی روایت ہے، ابو ھریرہؓ کی روایت میں اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَ یَسْقِیْنِیْ ہے،

انعام واکرام کے عطا ہو، اس پر عام مکلفین کے احکام جاری نہیں ہو سکتے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو سونے کی طشت میں دھویا گیا، حالانکہ دنیا میں سونے کے برتنوں کا استعمال حرام ہے[1]،

نیز حدیث معراج میں ہے، اُتِیتُ بِطَستٍ مِن ذَھَبٍ: میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا، البدایہ والنہایہ ۶: ۲۳۲ یہاں تو آپ نے خود سونے کا طشت استعمال کیا، حالانکہ اہل دنیا کے لئے اس کا استعمال حرام ہے،

ابن المنیر حاشیہ میں فرماتے ہیں، جس کھانے سے شرعی طور پر روزہ ٹوٹتا ہے، وہ تو ہمارا وہ کھانا ہے جو ہمارا معمول ہے، لیکن جو کھانا خرق عادت کے طور پر ہو مثلاً وہ جو جنت سے آیا ہو، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اس کا کھانا اعمال میں شمار نہیں بلکہ یہ تو ثواب میں شامل ہے، جیسے جنت میں جنتیوں کا کھانا[2] نیز یہ کہ کرامت سے عبادت باطل نہیں ہوتی،

دیگر محدثین کہتے ہیں، اس بات سے کوئی مانع نہیں کہ ہم کھانے اور پینے سے حقیقی کھانا اور پینا مُراد لیں، اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ اس صورت میں آپ مواصل نہ رہے، بلکہ صحیح روایت تو ایسی ہی ہے، اگر رات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طعام وشراب کو کھا پی لیں جو آپ کے لئے جنت سے آتا ہو، تو اس سے آپ کے مواصل ہونے میں نقص نہیں آتا، اس لئے کہ یہ تو آپ کی خصوصیت ٹھہری، مطلب یوں ہوا کہ جب آپ سے یہ عرض کیا گیا، کہ آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: میں اس معاملہ میں تمہارے جیسا نہیں ہوں، کہ تم میں سے اگر کوئی کھا یا پی لے تو اس کا وصال ٹوٹ جاتا ہے، مگر مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے، اور اس سے میری مواصلت نہیں ٹوٹتی لہٰذا میرا کھانا اور پینا ظاہری طور پر بھی اور حقیقی طور پر بھی تمہارے کھانے اور پینے کی طرح نہیں ہے،

زین ابن المنیر فرماتے ہیں: اس کی یہی توجیہ ہو سکتی ہے، کہ اس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے اور پینے کی مثال ایک سوئے ہوئے انسان کی سی ہوگی، کہ خواب میں وہ کھاتا ہے اور پیتا ہے، اور بھوک اور پیاس رفع ہو جاتی ہے، اور جب تک وہ بیدار نہیں ہوتا، اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے، اور اس سے نہ تو اس کا روزہ ٹوٹتا ہے، نہ اسکی مواصلت صوم منقطع ہوتی ہے، اور نہ اس کا اجر کم ہوتا ہے،

مختصر یہ کہ ہے کہ اس حکم کو اس حالت پر محمول کیا جائیگا، جبکہ آپ حالت استغراق میں ہوتے تھے، تاکہ آپ کے بشری حالات کا آپ پر اثر نہ ہو[3]

---

[1] جنت میں سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال جائز ہوگا۔ اس سے بھی اسی بات کا ثبوت ملتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی دنیا میں اہل جنت کے آدمی تھے، [2] کہ وہ اعمال میں شمار نہ ہوگا، بلکہ ثواب میں ہوگا، [3] یہاں پر ابن حجر کا بیان ختم ہوتا ہے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۴: ۱۶۸ — ۱۶۹ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو سونے کے طشت میں دھونے کیلئے، فتح الباری: ۶: ۲۳۲ ز ... ز ۶: ۲۸۹ اور ۷: ۱۶۱،

عہ ثم اتیت بطست من ذھب (قال الحافظ ۷: ۱۶۱) یظہر لہا مناسبات: منہا انہ من اوانی الجنة ..... ولعل ذالک قبل ان یحرم استعمال الذھب فی ھذہ الشریعة۔ ولا یکفی ان یقال ان المستعمل لہ کان ممن لم یحرم علیہ ذالک من الملئکة لانہ لو کان قد حرم علیہ استعمالہ لنزہ ان یستعملہ غیرہ فی امر یتعلق ببدنہ المکرم۔ ویمکن ان یقال ان تحریم استعمالہ مخصوص باحوال الدنیا وما وقع فی تلک اللیلة کان الغالب انہ من احوال الغیب فیلحق باحکام الآخرة ۱۲

ممتن

صنعانی کا بیان صنعانی سبل السّلام شرح بلوغ المرام: ج ۲: ۲۱۵ حدیث یطعمنی ربّی ویسقینی کے تحت فرماتے ہیں: کہا گیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے درحقیقت جنت کا کھانا آتا تھا، اور آپ اسکھاتے تھے، اس پر یہ اعتراض کیا گیا، کہ اس صورت میں تو آپ کا روزہ صوم وصال نہ کہلائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تعظیم کے لئے جو کھانا آپ کو جنت سے آتا تھا، اس پر دنیاوی کھانوں کے احکام جاری نہیں ہو سکتے اور نہ یہ مکلف ہونے کے منافی ہے،

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا بیان بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں[۱]؛

میرے نزدیک تحقیق شدہ امر وہی ہے، جو صوفیہ علیہ نے کہا ہے، کہ سلوک میں اہل اللہ کے دو طرح کے مقام ہوتے ہیں،

پہلا مقام مقام عروج ہے، اور وہ یہ ہے کہ انسان بشری صفات سے الگ ہو کر ملکی اور قدسی صفات کا لبادہ پہن لے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو صوم وصال سے منع فرماتے ہوئے کہا، "لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اَبِيْتُ عِنْدَ رَبِّيْ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ، اس وقت آپ کی کیفیت اسی مقام کو پیش کر رہی تھی، صوفیاء کی اصطلاح میں اس مقام عروج کو سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کہا جاتا ہے،

دوسرا مقام مقام نزول ہے، اور وہ یہ ہے کہ صفات بشریہ سے مکمل طور پر الگ ہو جانے کے بعد دوبارہ صفات بشریہ کو اوڑھ لینا یہی وہ مقام ہے جس میں اہل اللہ کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دے سکتے ہیں، اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں السَّيْرُ مِنَ اللهِ وَبِاللهِ کہا جاتا ہے،

مقام عروج سے مقام نزول میں آنے میں حکمت یہ ہے، کہ فیض دہندہ اور فیض لینے والے کے درمیان مناسبت کا ہونا ضروری ہے، تاکہ رنگ دینے اور رنگ حاصل کرنے کے طریقہ پر فیض حاصل کرنا آسان ہو جائے، یہی وجہ تھی کہ مخلوق کو دعوت دینے کیلئے انسانوں کو رسول بنا کر بھیجا گیا کیونکہ عوام کے لئے تو اسبات کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست فیض حاصل کر سکیں، اس لئے کہ ان میں تو کوئی مناسبت ہی نہیں، اور اللہ تمام مخلوق سے مستغنی ہیں،

راقم الحروف کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دونوں مقام حاصل تھے کبھی مقام عروج پر ہوتے اور کبھی مقام نزول پر جب دعوت خلق الی اللہ اور تشریع احکام کا وقت آتا تو آپ مقام نزول پر ہوتے تاکہ آپ اپنی مثال اور نمونہ پیش کر کے راہ حق دکھائیں، اور جب اس کا موقعہ نہ ہوتا تو مقام عروج پر ہوتے، بہرصورت یہ دونوں مقام آپ کی ذات میں پائے جاتے تھے

اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط

(خدا آپکو لوگوں سے محفوظ رکھے گا) یہ واضح کر دیا کہ آپ کو کوئی قتل نہیں کر سکتا، اور آپ کفار کی دستبرد سے محفوظ رہیں گے مگر اس کے باوجود غزوۂ احد میں آپ نے ایک دوسرے کے اوپر دو زرہیں پہن رکھی تھیں، یہ امت کے لئے ایک طریقہ جاری کرنے کے لئے تھا، نعوذ باللہ آپ نے زرہیں اس لئے نہیں پہنی تھیں کہ آپ کو وعدۂ خداوندی میں شک تھا، چنانچہ جس طرح طعام قدسی کھانے کے باوجود آپ کا صوم وصال نہیں ۔۔۔۔ ٹوٹتا تھا۔ اسی طرح خداوندی وعدہ کے باوجود کہ اللہ آپکو

---

[۱] تفسیر مظہری ج ۱: ۳۷۱ زیر آیت قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ

محفوظ رکھیگا، آپ کا جنگوں میں جانا جہاد کہلائے گا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ پر پتھر باندھنا،

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنّت سے کھانا آتا تھا، تو پھر آپ کو پیٹ پر پتھر باندھنے کی کیوں ضرورت ہوئی، جیسا کہ احادیث میں آتا ہے چنانچہ غزوۂ خندق میں جب آپ صحابہ کے ساتھ خندق کھود رہے تھے، تو آپ نے ایک کی بجائے دو پتھر باندھ رکھے تھے،

اس سوال کا جواب قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ کے بیان میں ضمناً آچکا ہے، یعنی یہ کہ اس حالت میں آپ مقام نزول پر ہوتے، یاد رکھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، دیگر انبیاء کے لئے "مقام نزول" پر آنا نہایت ضروری تھا جب انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات اس مقام پر ہوتے تو امت آپ سے احکام شریعت حاصل کرتی، اور ان کے لئے مسنون طریقوں کی تعلیم کیجاتی تھی، امت کے عوام میں انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے عروج کو سمجھنے اور برداشت کرنے کی قوت نہیں، اور پھر خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کا "مقام عروج" اسقدر بلند ہے کہ عقلیں اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہیں اسی "مقام نزول" کا دوسرا نام بشریّت ہے، اور اسی مقام کو مدّ نظر رکھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ:-

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ

اس مقام پر ہوتے ہوئے تمام احوال بشریت آپ پر طاری ہوتے، بھوک لگتی، بیمار ہوتے اور کسی حد تک رنج کا اثر بھی ہوا، اگر آپ ہر لحظہ اور ہر دم مقام عروج پر رہتے تو افادہ واستفادہ کی راہ جو انبیاء کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد حقیقی ہے، بالکل مفقود ہو جاتی، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھوک کو محسوس کرنا آپ کے اہل جنت میں سے ہونے کے منافی نہیں بلکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر آپ کے بشر ہونے کے منافی ہوتی،

بخاری میں حضرت ابن عباس کی لمبی حدیث ذکر ہے جس میں ہے[۵]

قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ ثُمَّ رَأَيْنَاكَ كَعْكَعْتَ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ عُنْقُوْدًا وَلَوْ أَصَبْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا،

صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ کوئی چیز لینے لگے ہیں، پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ گئے، آپ نے فرمایا: میں نے جنت دیکھی تھی، پھر میں انگوروں کا خوشہ لینے لگا تھا۔ اور اگر لے لیتا۔ تو جب تک دنیا رہتی تم اس میں سے کھاتے رہتے۔"

---

[۱] احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ پر پتھر باندھنے کا ذکر آیا ہے، مگر اس پتھر باندھنے کی کیفیت کیا تھی، اس کا حجم کیا تھا۔ اور کس طرح باندھا جاتا تھا، ان سب امور پر علمی بحث کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے میں نے یہاں اس بحث کو نہیں چھیڑا۔ [۵] بخاری مع فتح الباری: ۲: ۴۴۳

ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

رَأَیْتُ جَعْفَرًا یَطِیْرُ فِی الْجَنَّۃِ مَعَ الْمَلٰٓئِکَۃِ،

(میں نے جعفرؓ کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے دیکھا)

اسی طرح دیگر احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کہ جنت آنحضرتؐ کی سیرگاہ تھی، اور اسی دنیا میں رہتے ہوئے آپؐ کا ادھر آنا جانا رہتا،

اہل جنت کا پسینہ بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے ایک حدیث مروی ہے، جس میں جنّت کا ذکر کیا گیا ہے، اور جس کے آخر میں ہے، وَرَشْحُھُمُ الْمِسْكُ، (ان کا پسینہ کستوری کی طرح خوشبودار ہوگا)

آپ دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں اور بالخصوص گرمی کے موسم میں ہمارے پسینہ کی کیا کیفیت ہوتی ہے، اور کس قدر بُو بدن سے نکلنے لگتی ہے، مگر اہل جنت کے پسینہ میں بُو نہ ہوگی، بلکہ خوشبو ہوگی، اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کو لیں تو ہم دیکھتے ہیں، کہ اس کی خوشبو مشک وغیرہ کو مات کرتی تھی،

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کے متعلق جو احادیث آئی ہیں انہیں جمع کر دیا ہے، میں انہیں یہاں نقل کرتا ہوں،

پہلی حدیث قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ حَدَّثَنَا حُجَیْنُ بْنُ الْمُثَنّٰی ثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ یعنی ابْنَ اَبِیْ سَلَمَۃَ الْمَاجِشُوْنِ، عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَۃَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُ بَیْتَ اُمِّ سُلَیْمٍ فَیَنَامُ عَلٰی فِرَاشِھَا وَلَیْسَتْ فِیْہِ قَالَ فَجَاءَ ذَاتَ یَوْمٍ فَنَامَ عَلٰی فِرَاشِھَا فَاُتِیَتْ فَقِیْلَ لَھَا ھٰذَا رَسُوْلُ اللّٰہِ نَائِمٌ فِیْ بَیْتِكِ عَلٰی فِرَاشِكِ، قَالَ فَجَاءَتْ وَقَدْ عَرِقَ وَاسْتَنْقَعَ عَرَقُہٗ عَلٰی قِطْعَۃِ اَدِیْمٍ عَلَی الْفِرَاشِ فَفَتَحَتْ عَتِیْدَتَھَا فَجَعَلَتْ تُنَشِّفُ ذٰلِكَ الْعَرَقَ فَتَعْصِرُہٗ فِیْ قَوَارِیْرِھَا فَفَزِعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا تَصْنَعِیْنَ یَا اُمَّ سُلَیْمٍ؟ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ نَرْجُوْ بَرَکَتَہٗ لِصِبْیَانِنَا، قَالَ اَصَبْتِ[3]،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امّ سلیم کے گھر میں داخل ہوتے جب وہ وہاں نہ ہوتی، اور اس کے بستر پر سو جاتے ایک روز آپؐ تشریف لائے، اور اس کے بستر پر لیٹ گئے، جب وہ آئی تو کسی نے اسے بتایا، کہ رسول اللہ تمہارے بستر پر سو رہے ہیں، وہ آئی آپؐ کو پسینہ آیا ہوا تھا، اور بستر کے اوپر چمڑے کے ایک ٹکڑے میں آپؐ کا پسینہ جمع ہو رہا ہے، اس نے کپڑے سے جذب کر کے اسے شیشی میں ڈالنا شروع کر دیا

---

[1] بخاری مع فتح الباری: ۶: ۲۴۸ [2] البدایہ والنہایہ: ۶: ۲۵، [3] ابن کثیر اس کے بعد لکھتے ہیں: وروا ہ مسلم عن محمد بن رافع عن حجین بہٖ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر اٹھے، اور کہا اے ام سلیم کیا کر رہی ہو؟ اس نے عرض کیا یا رسول ہم اپنے بچوں کے لئے اس کی برکت کے امیدوار ہیں، آپؐ نے فرمایا تو ٹھیک کہتی ہے،

دوسری حدیث | وَقَالَ احمد: ثنا هاشم بن القاسم ثنا سليمان عن ثابت عن انس قال:

دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدَنَا فَعَرِقَ فَجَاءَتْ أُمِّي بِقَارُورَةٍ فَجَعَلَتْ تَسْلِتُ الْعَرَقَ فِيهَا فَاسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا هٰذَا الَّذِي تَصْنَعِينَ قَالَتْ عَرَقُكَ نَجْعَلُهُ فِي طِيبِنَا وَهُوَ مِنْ أَطْيَبِ الطِّيبِ[1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے، اور وہیں قیلولہ فرمایا، آپ کو پسینہ آگیا، میری والدہ شیشی لے آئیں اور انگلی سے پونچھ پونچھ کر آپؐ کا پسینہ شیشی میں ڈالنے لگیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور فرمایا: اے ام سلیم یہ کیا کر رہی ہو؟ اس نے عرض کیا یہ آپ کا پسینہ ہے جسے ہم اپنی خوشبو میں ڈالتے ہیں، اور یہ بہترین خوشبو ہے

مسلم نے اسی حدیث کو: عن زهير بن حرب عن ابى النضر هاشم بن القاسم، روایت کیا ہے،

تیسری حدیث | وَقَالَ احمد ثنا اسحق بن منصور، يعني السلولى، ثنا عمارة، يعني ابن زاذان عن ثابت عن انسؓ قال:-

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقِيلُ عِنْدَ أُمِّ سُلَيْمٍ وَكَانَ مِنْ أَكْثَرِ النَّاسِ عَرَقًا فَاتَّخَذَتْ لَهُ نِطْعًا وَكَانَ يَقِيلُ عَلَيْهِ وَخَطَّتْ بَيْنَ رِجْلَيْهِ خَطًّا وَكَانَتْ تُنَشِّفُ الْعَرَقَ فَتَأْخُذُهُ فَقَالَ: مَا هٰذَا يَا أُمَّ سُلَيْمٍ؟ قَالَتْ: عَرَقُكَ يَا رَسُولَ اللهِ أَجْعَلُهُ فِي طِيبِي: قَالَ: فَدَعَا لَهَا بِدُعَاءٍ حَسَنٍ،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم کے ہاں قیلولہ فرمایا کرتے تھے، آپ کو بہت پسینہ آیا کرتا تھا، ام سلیم نے آپؐ کے لئے ایک چمڑا بنایا، جسے آپؐ کے پاؤں کے درمیان رکھدیا۔ . . . . وہ آپؐ کا پسینہ پونچھ کر لے لیتی، آپؐ نے پوچھا، اے ام سلیم یہ کیا ہے، اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ آپ کے پسینہ کو اپنی خوشبو میں ڈالتی ہوں، اور آپؐ نے اس کے لئے دعائے خیر کی،

اس طریقہ سے صرف احمد نے روایت کی،

چوتھی حدیث | وَقَالَ احمد، ثنا محمد بن عبد الله ثنا حميد عن انس قال:-

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَامَ ذَارَ عَرَقٍ فَتَأْخُذُ عَرَقَهُ بِقُطْنَةٍ فِي قَارُورَةٍ فَتَجْعَلُهُ فِي مِسْكِهَا،

---

[1] ابن کثیر اس کے بعد لکھتے ہیں، ورواه مسلم عن زهير بن حرب عن ابى النضر، هاشم بن القاسم به

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سوتے تو پسینہ آتا، اُمّ سلیم آپؐ کے پسینہ کو روئی کے ذریعہ سے لیکر ایک شیشی میں ڈال لیتی، اور پھر اُسے اپنی خوشبو میں ڈالتی تھیں،

یہ ثلاثی اسناد ہے، جو شیخین کی شرط کے مطابق ہے، اور دونوں میں سے کسی ایک نے بھی اس کی روایت نہیں کی،

پانچویں حدیث

وَقَالَ الْبیھقیُ اخبرنا محمد بن عبد اللہ الحافظ حدثنا ابو عمرو المغربی ... أنا الحسن بن سفیان ثنا ابُو بکر ابن ابی شَیْبَة،

وَقَالَ مسلم ثنا ابوبکر بن ابی شیبة، ثنا عفّان، ثنا وُھیب، ثنا أیوب عن ابی قلابة عن انس عن ام سُلَیم اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کان یاتیھا فَیَقِیلُ عِنْدَھَا فَتَبْسِطُ لَہٗ نَطْعًا فَیَقِیْلُ عَلَیْہِ، وَکَانَ کَثِیْرَ الْعَرَقِ فَکَانَتْ تَجْمَعُ عَرَقَہٗ فَتَجْعَلُہٗ فِی الطِّیْبِ وَالْقَوَارِیْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اُمَّ سُلَیْمٍ مَا ھٰذَا؟ فَقَالَتْ: عَرَقُکَ اَدُوْفُ بِہٖ طِیْبِیْ، بلفظ مسلم

اُمّ سُلیم بیان کرتی ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے ہاں آکر قیلولہ فرمایا کرتے تھے، وہ آپؐ کے آرام کرنے کے لئے ایک چمڑا بچھا دیا کرتیں، آپؐ کو پسینہ بہت آتا تھا، وہ آپؐ کا پسینہ جمع کر کے خوشبو اور بوتلوں میں جمع کر لیا کرتیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام سلیم یہ کیا ہے، اس نے جواب دیا تم آپؐ کے پسینہ کو اپنی خوشبو میں ملاتی ہوں،

یہاں سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کی کیا کیفیت تھی، اور پسینہ بعینہ اسی قسم کا پسینہ تھا، جس قسم کا اہل جنت کا جنت میں ہوگا،

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی چیز بھی غیر طیب نہ تھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے باب میں حضرت علیؓ کا قول نقل کیا جائیگا، جس میں وہ فرماتے ہیں، طِبْتَ حیًا و مَیْتًا[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خون

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سینگھی لگوایا کرتے تھے، ایکبار سینگھی لگوائی تو عبد اللہ بن زبیر[2] کو خون پھینکنے کے لئے دیا، مگر وہ اُسے پی گئے، جب واپس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو پوچھا اے عبد اللہ اس خون کا کیا کیا۔ عبد اللہ کہتے ہیں، کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ میں نے اُسے

---

[1] اس مقام پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے، کہ یہاں تو یہ بیان کیا گیا۔ کہ آپ کی کوئی چیز ناپاک نہ تھی، اور آپؐ کا پسینہ بھی خوشبودار تھا، پھر کیا وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ کے کپڑوں میں جوئیں ہوتی تھیں، چنانچہ حدیث میں آتا ہے، کہ کَانَ یَفْلِیْ ثَوْبَہٗ، اس کا جواب یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کی خاطر ہر قسم کے لوگوں سے ملنا ہوتا، ان میں نشست و برخاست ہوتی، ان میں بدوی بھی ہوتے، اہل صفہ بھی، اور مساکین بھی، جن کے کپڑوں میں جوئیں ہوتیں، اور ان سے آپ کے کپڑوں میں آجاتیں، اس لئے آپ کو اپنے کپڑے دیکھنے کی ضرورت پڑتی تھی، یہ آپکی ذاتی جوئیں نہ ہوتی تھیں، اوروں کے بدن سے آئی ہوئی تھیں تبلیغ کی خاطر آپ کو

[2] البدایہ والنہایہ: ۸: ۳۴۲ - ۳۴۳۔

ایسی جگہ پر رکھا ہے، جہاں سے وہ لوگوں سے مخفی رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معلوم ہوتا ہے تو نے اسے پی لیا ہے میں نے عرض کیا: ہاں، آپ نے فرمایا: تجھے خون پینے کو کس نے کہا؟ وَيْلٌ لَكَ مِنَ النَّاسِ وَوَيْلٌ لِلنَّاسِ مِنْكَ

ایک مرتبہ سلمان فارسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عبداللہ بن زبیر دہلیز پر کھڑے ہاتھ میں طشت لئے اس میں سے پی رہے تھے، پھر سلمان اندر چلے گئے، اور عبداللہ بھی اندر آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، فارغ ہوگئے؟ عرض کیا: ہاں سلمان نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے اس کو سنگھیوں کا دھوون پھینکنے کو دیا تھا، سلمان نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کیساتھ بھیجا۔ اس نے تو وہ پی لیا ہے، آنحضرت نے پوچھا کیا تو نے پی لیا ہے۔ عرض کیا ہاں، آپ نے فرمایا: کیوں؟ عبداللہ نے جواب دیا میں چاہتا تھا، کہ رسول اللہ کا خون میرے پیٹ میں جائے، آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ عبداللہ بن زبیر کے سر پر رکھا اور فرمایا: وَيْلٌ لَكَ مِنَ النَّاسِ وَ وَيْلٌ لِلنَّاسِ مِنْكَ لَا تَمَسُّكَ النَّارُ إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ [۵۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے بھی اسی طرح دیکھ سکتے تھے جس طرح سامنے سے

اہل جنت جس طرف چاہیں گے دیکھ سکیں گے، ان کیلئے پیچھے کی طرف دیکھنا بالکل ایسا ہی ہوگا جس طرح سامنے کی طرف دیکھنا، ہم دنیا میں صرف ایک ہی جہت یعنے سامنے کی طرف دیکھ سکتے ہیں، ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ ہمارے پیچھے کیطرف کیا ہو رہا ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے سامنے اور پیچھے کی جہت دونوں ایک جیسی تھیں، چنانچہ فرماتے ہیں، إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ خَلْفِي كَمَا أَرَاكُمْ مِنْ إِمَامِي [۵۲]

(میں تمہیں پیچھے کی طرف سے اسی طرح دیکھ سکتا ہوں جس طرح سامنے کی طرف سے)

ان تمام امور کے بیان کرنے سے میرا مقصد یہ بتانا ہے، کہ انبیاءؑ دنیا کے اندر اہل جنت کے آدمی ہوتے ہیں، دنیا میں بشریت کا لبادہ اوڑھ کر آتے اور جب وہ مقصد جس کے لئے انہیں بھیجا گیا ہوتا ہے، پورا ہو جاتا ہے، تو انہیں اپنے اصلی مقام کی طرف واپس بلالیا جاتا ہے، اور یہی واپس جانا ان کے حق میں موت کہلاتا ہے ترجمان السنۃ میں ہے [۵۳]، وَفِي طَرِيقِهِ: أَنَا مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ تَنْبُتُ أَجْسَادُنَا عَلَى أَرْوَاحِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

(یعنی انبیاء کے اجسام اہل جنت کی ارواح کی طرح نشوونما پاتے ہیں)

---

۵۱ البدایہ والنہایہ: ۸: ۳۴۳، ۵۲ مشکوٰۃ طبع مجتبائی ۹۸ اور ۱۰۱ باب ما علی الماموم من المتابعۃ اور موطا امام مالک ج ۱ صفحہ ۱۳۹،

۵۳ ترجمان السنۃ: ۳: ۳۰۸،

رفیق اعلیٰ سے ملاقات کی تیاری

حضرت عائشہؓ سے صحیح حدیث میں مروی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کو دنیا اور آخرت میں سے ایک کو اختیار کر لینے کا اختیار دیا جاتا ہے۔

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا:۔

"اللہ نے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ ان دو میں سے کسی ایک کو اختیار کر لے یا دنیا کی زیبائش یا وہ انعام جو اس کے لئے آخرت میں اللہ کے ہاں ہوگا، اس بندے نے ان انعامات کو اختیار کر لیا جو اللہ کے پاس ہیں"۔

یہ سن کر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہا: یا رسول ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں"۔

ابو بکر صدیق کا ان الفاظ کے کہنے سے یہ مطلب تھا کہ آپؐ یہ کیا فرما رہے ہیں، اور آپ ہمیں چھوڑ کر کیوں چلے جائیں گے" ابو سعید کہتے ہیں کہ ہمیں انکے رونے پر اور ان کے ان الفاظ پر تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا اس بوڑھے کو دیکھو آنحضرتؐ تو کسی ایک بندے کا ذکر فرما رہے ہیں کہ اللہ نے اسے دنیا اور آخرت میں کسی ایک کو اختیار کر لینے کا اختیار دیا ہے، اور ابو بکرؓ کہہ رہے ہیں، کہ آپؐ پر ہمارے والدین قربان ہوں، حالانکہ یہ الفاظ مرنے والے کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

ابو سعید فرماتے ہیں کہ در اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ بندے تھے جنہیں یہ اختیار دیا گیا تھا۔ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بات کو ہم سے بہتر سمجھ رہے تھے[۱]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کا علم سب سے پہلے اس وقت ہوا جب سورہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ نازل ہوئی، اس سورۃ میں یہ بتایا گیا تھا، کہ اے ہمارے پیارے نبی جب اللہ آپؐ کو فتوحات عطا کرے اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگ جائیں، تو سمجھ لیں کہ جس مقصد کے لئے ہم نے آپکو بھیجا تھا، وہ پورا ہو چکا اور آپؐ نے اپنا فریضہ ادا کر دیا۔ اب آپؐ ان تمام تکالیف و مصائب کا جو آپ نے تبلیغ حق میں جھیلی ہیں، صلہ لینے کے لئے تیار ہو جائیں، کیونکہ دنیوی انعام مثلاً حکمرانی و جہانبانی سے وہ انعامات جو اللہ کے ہاں ہیں، بدرجہا بہتر ہیں، اور وہ انعامات آپؐ کو اسی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں، جب آپ اس جہان میں پہنچ جائیں، جہاں وہ انعامات تیار پڑے ہیں، لہٰذا حمد و استغفار کے ساتھ ہماری ملاقات کے لئے آمادہ ہو جائیں[۲]۔

اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد آپؐ کتنے دن زندہ رہے، اس میں بہت اختلاف ہے، اس لئے میں اس

---

[۱] ملاحظہ ہو بخاری مع فتح الباری: ۷: ۱۸۳ اور ۸: ۱۱۲ از ابن سعد جزو رابع: ۴۰: ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۴: ۳۰۹ - اور زرقانی: ۸: ۲۵۱،

[۲] زرقانی: ۸: ۲۴۹۔

بحث میں نہیں پڑتا،

دارمی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، کہ جب سورۃ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے اپنی بیٹی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور فرمایا۔ بیٹی! مجھے اپنی موت کی اطلاع دی گئی ہے، یہ سنکر وہ رو پڑیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیٹی مت رو، میرے گھر والوں میں سے سب سے پہلے تو میرے پاس پہنچے گی، یہ سن کر آپ مسکرائیں، اور بالآخر ایسا ہی ہوا، کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد آنحضرتؐ سے جا ملیں[۱]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد طریقوں سے یہ بتلا دیا گیا تھا، کہ اب آپؐ کی وفات کا وقت قریب آگیا ہے، انبیاء نہ تو اس دنیا کے آدمی ہوتے ہیں، اور نہ دنیا میں رہنے اور آرام و آسائش کے لئے آتے ہیں، وہ تو ایک مشن لیکر آتے ہیں، جب اس مشن کی تکمیل ہو گئی، تو وہ بھی کوچ کی ٹھان لیتے ہیں اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا:۔

جبرئیل ہر سال رمضان میں ایکبار میرے ساتھ قرآن دہرایا کرتے تھے، مگر اب کے انہوں نے دوبارہ قرآن دُہرایا ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ میری وفات کا وقت قریب آگیا ہے،

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر آیت:۔

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا

نازل ہوئی تو صحابہؓ نے بڑی خوشی منائی مگر رازدار جناب مصطفیٰ ابوبکر صدیقؓ اصل بات کو سمجھ گئے، اور زار و قطار رونا شروع کر دیا، یہ اور اس قسم کی دیگر آیات کا بس ایک ہی مقصد تھا، اور وہ یہ کہ اے ہمارے حبیبؐ آپؐ نے اپنا کام بہ تمام حسن و خوبی سرانجام دیا، اب ہماری طرف واپس چلے آؤ،

جب متعدد طریقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ اب رفیق اعلیٰ سے ملاقات کے لئے تیار ہونا ہے، تو اس سال پہلے آپ نے بجائے دس دن کے بیس دن اعتکاف کیا، اور آپؐ اٹھتے بیٹھتے سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمۡدِہٖ اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوۡبُ اِلَیۡہِ پڑھتے[۲]

شیخین نے عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، ان کیلئے دعا کی اور انہیں الوداع کہا[۳]، اس کے بعد منبر پر چڑھ کر فرمایا:۔

---

[۱] فتح الباری: ۸ : ۱۱۰ - ۱۱۱ اور زرقانی: ۸ : ۲۵۰، [۲] بیس دن کی روایت بخاری میں ابو ہریرہؓ سے ہے، نیز ملاحظہ ہو زرقانی: ۸ : ۲۵۱، [۳] ملاحظہ ہو فتح الباری، ۷ : ۲۸۰، یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ جب شہداء زندہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وفات کے بعد زندہ رہنا تھا، تو پھر اس الوداع کہنے سے کیا مقصد، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو الوداع کہنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ آئندہ میں اس صورت میں اور دنیاوی زندگی سے تمہاری ملاقات کیلئے نہ آیا کروں گا۔ نیز انہیں یہ اطلاع دینا تھا کہ اب میں

(بقیہ صفحہ ۱۲۳ پر ملاحظہ ہو)

میں تم سے پہلے اس دنیا سے چلا جاؤں گا۔ اور میں تمہارا گواہ ہوں گا یعنی تمہارے اعمال کی گواہی دوں گا۔ گویا پھر بھی آپ ان میں موجود رہیں گے تاکہ ان کے آخری شخص کے اعمال کا بھی مشاہدہ فرمالیں، اس لئے کہ خواہ آپ زندہ ہوں، یا وفات پا چکے ہوں، دونوں جہانوں میں آپ ان کے نگران ہیں[۱]

چنانچہ بزار نے جید سند سے ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

حَيَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ وَمَمَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ فَمَا كَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمِدْتُ اللّٰهَ عَلَيْهِ وَمَا كَانَ مِنْ سَيِّئٍ اسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ لَكُمْ،

میرا زندہ رہنا بھی تمہارے لئے اچھا ہے، اور وفات بھی اس لئے کہ تمہارے اعمال بدستور مجھ پر پیش کئے جاتے رہیں گے اچھے ہوں گے تو اللہ کا شکریہ ادا کروں گا، اور برے ہوں گے تو تمہارے لئے استغفار کروں گا[۲]

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپؐ لوگوں کو الوداع کہتے رہے جس کی وجہ سے اس حج کا نام حجۃ الوداع پڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا:۔

"لوگو مجھ سے مناسک حج سیکھ لو۔ شاید آئندہ سال ہم یہاں اکٹھے نہ ہوں[۳]"

پھر حجۃ الوداع سے واپس آتے ہوئے غدیر خم کے مقام پر تقریر فرماتے ہوئے کہا۔

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَنِي رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبُ[۴]

"لوگو! میں تو بشر ہوں، عنقریب اللہ کا قاصد میرے پاس آئیگا اور میں اس کا کہا مان لوں گا"

یہ تمام کھلے واضح اشارات تھے .... جن میں آنحضرت نے اپنی وفات کے قریب ہونے کی خبر دی تھی۔ مگر چونکہ صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شدید قسم کی گرویدگی تھی، اس لئے اس محبت کی وجہ سے انکا ذہن اس طرف نہ جاتا تھا، کہ اب آنحضرت کی روانگی کا وقت قریب آگیا ہے،

ابتداء مرض دوشنبہ ۲۹ صفر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ سے واپس آرہے تھے کہ راستہ ہی میں دردِ سر شروع ہوگیا۔ اور جیسا کہ مشہور ہے۔ آپ تیرہ دن بیمار رہے، دارمی کی روایت کے مطابق ابو سعید خدری سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲) تمہارے پاس اس سے کہیں بہتر طریقہ سے ملاقات کے لئے آرہا ہوں، تم استقبال کیلئے تیار ہو جاؤ، جیسا کہ ہم اہل قبور کو سلام کرتے وقت کہتے ہیں، السلام علیکم یا اھل القبور وانا سوف بکم لاحقون، درحقیقت یہ الوداع کا نہ تھا۔ بلکہ انہیں اپنی آمد کی خوشخبری دینا تھا، اس پیغام کے لئے شہداء کو ان کی فضیلت کے لئے منتخب کیا۔ نیز اس لئے کہ انکے زندہ ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا تصریحی حکم موجود ہے، اور انبیاء بھی بعد ممات زندہ ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] زرقانی: ۸: ۲۵۱، [۲] زرقانی: ۸: ۲۵۱ اور ۵: ۳۳۲ تا [illegible] [۳] اور مشارق الانوار: ۵۵ [۴] زرقانی: ۸: ۲۵۲۔

مروی مذکورہ بالا خطبہ اسی مرض کی ابتدا میں دیا گیا،

ابتداءِ مرض میں آپؐ عائشہؓ کے گھر تھے، حضرت میمونہؓ کے گھر مرض نے زور پکڑا اور آخری آٹھ دن پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گذرے،

شروع میں دردِ سر اور بخار رہا۔ پھر بخار نے زور پکڑا تو آپ ایک ٹب میں بیٹھا کر پانی کی سات[۱] مشکیں آپ پر ڈالی گئیں ایسا کرنے کا حکم خود آنحضرتؐ نے دیا تھا۔ بخار اس شدت کا تھا۔ کہ جو کمبل آپؐ نے اوپر رکھا تھا۔ اگر کوئی اس کے اوپر سے بھی ہاتھ رکھتا تو حرارت محسوس ہوتی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بخار کی شدت کا ذکر کیا گیا۔ تو فرمایا:۔

إِنَّا كَذٰلِكَ يُشَدَّدُ عَلَيْنَا الْبَلَاءُ وَيُضَاعَفُ لَنَا الْأَجْرُ،

ہم یعنی انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے، ہماری آزمائش سخت ہوتی ہے۔ اور اجر بھی کئی گنا ملتا ہے، اس حدیث کو ابن ماجہ۔ ابن ابی الدنیا اور حاکم نے ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے، اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

بخاری کی ایک معلق روایت ہے مگر ابن حجر کہتے ہیں۔ کہ بزار، حاکم اور اسماعیلی نے اسے متصل کر دیا ہے، بروایت عروہ بن زبیر از عائشہؓ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے جو کھانا (مراد زہر آلود کھانے سے ہے) خیبر میں کھایا تھا۔ اس کی تکلیف مجھے برابر ہوتی رہی مگر اب مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ اس زہر نے میری رگ ابہر (جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے) کاٹ ڈالی ہے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت شہادت کی موت ہوئی ہے[۲]

بیماری کے ایام میں عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ آئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی حضرت عائشہؓ نے چبا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی، اور آپؐ نے اسے استعمال کیا۔ بیماری کی شدت تھی، پاس ہی پانی کا برتن پڑا تھا۔ اور آپؐ اس میں ہاتھ ڈالتے اور منہ پر ملتے جاتے تھے، زبان پر رفیقِ اعلیٰ کا لفظ جاری تھا، کہ روحِ انور و مطہر جسدِ مقدس سے پرواز کر گئی،

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکراتِ موت سے تکلیف محسوس ہوئی اور آپؐ کی بیٹی نے آپؐ کو اس حالت میں دیکھا تو بے ساختہ زبان سے نکلا:۔ وَاكَرْبَ أَبَاهُ ہائے ابا جان کی تکلیف،

بیٹی کے الفاظ کو سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا:۔ "لَيْسَ عَلٰى أَبِيكِ كَرْبٌ بَعْدَ الْيَوْمِ" آج کے بعد تمہارے ابا کو کوئی تکلیف نہ ہوگی[۳]

---

[۱] زرقانی کہتے ہیں۔ کہ سات کی تعداد کی تعیین اس لئے کی گئی کہ سات کے عدد میں زہر اور جادو کے اثر کا دفعیہ پایا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علالت کے دوران میں فرمایا تھا۔ کہ اس زہر کا اثر ہے جو مجھے خیبر میں زینب زوجہ سلام بن مشکم نے دیا تھا، رگ ابہر کٹ گئی ہے اس وقت اس واقعہ کو تین سال گذر چکے تھے، حافظ ابن حجر نے (فتح الباری: ۸ : ۱۱۵) اس بات کی تائید میں کہ سات کے عدد میں اثر پایا جاتا ہے، اور احادیث بھی نقل کی ہیں۔ مثلاً (۱) مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ تَمَرَاتٍ عَجْوَةٍ لَمْ يَضُرَّهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ (۲) وَلِلنَّسَائِي فِي قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ عَلَى الْمُصَابِ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ (۳) وَلِمُسْلِمٍ اَلْقَوْلُ لِمَنْ بِهِ وَجَعٌ أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ سَبْعَ مَرَّاتٍ (۴) وَفِي النَّسَائِي مَنْ قَالَ عِنْدَ مَرِيضٍ

(بقیہ صفحہ ۱۲۵ پر ملاحظہ ہو)

مذکورہ بالا حدیث کے تحت حافظ ابن حجر اور زرقانی لکھتے ہیں کہ ایک شخص جس کا شمار اہل علم میں نہیں ہوتا کہتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لَيْسَ عَلٰى أَبِيكِ كَرْبٌ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ، کے الفاظ اس لئے استعمال کیے تھے، کہ آپ کو اس بات کا علم تھا، کہ آپ کی وفات کے بعد امت میں اختلافات اور فتنے بپا ہوں گے جس سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی، اس شخص کا یہ کہنا بالکل جہل اور لغو ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے وفات پا جانے سے آپ کی وہ شفقت جو آپ کو امت کے ساتھ ہے جاتی رہی ہے، حالانکہ ایسا نہیں، امت سے آپ کی شفقت تو قیامت تک باقی رہیگی امت کے اعمال آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، اگر ان کے اعمال اچھے ہوتے ہیں، تو آپ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور اگر برے ہوتے ہیں، تو ان کے لئے استغفار کرتے ہیں[۱]۔

طبرانی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، کہ ملک الموت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی مرض الموت میں آیا۔ آپ اس وقت حضرت علیؓ کی گود میں اپنا سر رکھے ہوئے تھے، عزرائیل نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا اور اندر آنے کی اجازت چاہی، حضرت علیؓ نے کہا۔ واپس چلے جاؤ کیونکہ ہم تو اپنے غم میں مبتلا ہیں، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو عزرائیل ہے، آجاؤ، عزرائیل نے اندر داخل ہو کر کہا: آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے[۲]،

احمد، بزار اور حاکم نے بسند صحیح حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے، کہ جب آپ کی روح مبارک جسد مقدس سے نکلی تو ایسی خوشبو آئی کہ کبھی نہ سونگھی تھی[۳]

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد ابن کثیر کہتے ہیں[۴]، کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے، اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے، مگر اس کے باوجود صحاح ستہ کے مصنفین میں سے کسی نے بھی اس کی روایت نہیں کی بیہقی نے اس کی روایت حنبل بن اسحاق عن عفان کی سند سے کی ہے۔

بیہقی نے ام سلمہ سے روایت کی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، میں نے اپنا ہاتھ آپ کے سینہ پر رکھا، اس کے بعد کئی جمعے گذر گئے، میں کھاتی بھی تھی وضو بھی کرتی تھی، مگر آپ کی خوشبو میرے ہاتھ سے نہ جاتی تھی[۵]

سہیلی کہتے ہیں، کہ میں نے واقدی کی کسی کتاب میں دیکھا ہے، کہ جب آپ حلیمہ سعدیہ کے ہاں دودھ پیتے بچے تھے تو سب سے پہلا کلمہ جو آپ نے تکلم فرمایا۔ وہ اللّٰهُ اَكْبَرُ تھا، اور آخری کلمہ جو بولا وہ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى تھا[۶]۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۴) لَمْ يَحْضُرْهُ أَجَلُهُ: أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيَكَ - سَبْعَ مَرَّاتٍ (زرقانی: ۸: ۲۴۰) [۲] فتح الباری: ۸: ۱۰۷ اور زرقانی: ۸: ۲۶۰ [۳] زرقانی: ۸: ۲۷۳ - اور فتح الباری: ۸: ۱۲۱،

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] فتح الباری: ۸: ۱۲۱ اور زرقانی: ۸: ۲۷۳ [۲] زرقانی: ۸: ۲۷۶ [۳] زرقانی: ۸: ۲۷۶،

[۴] البدایہ والنہایہ: ۵: ۲۲۱، [۵] روض: ۲: ۳۷۴، زرقانی: ۸: ۲۷۷ اور البدایہ والنہایہ: ۵: ۲۱ [۶] فتح الباری: ۶: ۱۱۳، اور الروض الانف: ۲: ۳۷۰ — ۳۷۱ [الروض الانف: ۲: ۳۷۷ - ومن تابعكم بعدی علی دینی فاقرءوه منی السلام فانی اشهدكم انی قد سلمت علی من تابعنی علی دینی من اليوم الی يوم القيمة]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن پٹی باندھ کر مسجد میں تشریف لائے اس وقت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے دیکھ کر صحابہؓ جگہ چھوڑنے لگے، اس سے ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ لہذا انہوں نے بھی اپنی جگہ سے پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ نماز جاری رکھو، آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی دائیں جانب بیٹھ کر نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے مختصر سا خطبہ دیا۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہوئے، تو ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپؐ بحمد اللہ بہتر معلوم ہو رہے ہیں، اس لئے اگر اجازت ہو تو سُنح جاکر اپنی بیوی بنت خارجہ کے پاس سے ہو آؤں۔ آپؐ نے اجازت دے دی[۱]۔

اسی دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ کہتے سُنا کہ آنحضرتؐ فوت ہو گئے ہیں، تو تلوار نکال لی اور کہا جو شخص یہ کہیگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں تو میں اسے قتل کر دونگا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا[۲] سے استنباط کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام اُمّت کے اعمال کی گواہی دیں گے، اس لئے جب تک آپؐ تمام اُمّت کے اعمال کا مشاہدہ نہ کرلیں گے، آپ کی وفات نہ ہوگی۔ اور کہا کہ آنحضرتؐ کو تو اللہ نے بلا بھیجا ہے، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو چالیس راتوں کے لئے بلا بھیجا تھا۔ اور مجھے اُمید ہے کہ عنقریب آکر منافقوں کے ہاتھ اور ٹانگیں کاٹیں گے۔

ادھر جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ہوئی تو وہ سُنح سے تشریف لے آئے سیدھے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا، اور گھٹنے ٹیک کر آنحضرتؐ کو بوسہ دیا[ع] اور رو پڑے، اور پھر کہا:-

طُوبَى وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ، مَا أَطْيَبَكَ حَيًّا وَمَيِّتًا

حافظ محبّ الدین طبری نے الریاض النضرۃ فی فضائل العشرۃ میں اس کا ذکر کیا ہے[۳]۔

بخاری نے الجنائز میں، مسلم نے وفات نبوی میں اور ابن ماجہ نے جنائز میں روایت کی ہے، کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ابوبکر گھوڑے پر سوار ہو کر سُنح سے آئے گھوڑے سے اتر کر مسجد میں گئے۔ اور کسی سے بات کئے بغیر حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچے، وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دھاری دار چادر میں لپٹا ہوا دیکھا۔ ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا۔ اور نیچے جھک کر آپؐ کو بوسہ دیا۔ اور رو کر کہا:-

بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي وَاللهِ لَا يَجْمَعُ اللهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا،

---

[۱] ابن ہشام: ۲: ۳۰۳-۳۰۴ [۲] [illegible] [۳] زرقانی: ۸: ۲۷۸،

[ع] شوکانی کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوبکرؓ کے بوسہ دینے سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ میّت کو تعظیم اور تبرک کی غرض سے بوسہ دینا جائز ہے۔ اس لئے کہ کسی صحابی نے ابوبکرؓ کے اس فعل کو برا نہیں سمجھا۔ گویا اس کے جواز پر اجماع ہو گیا۔ (تحفۃ الاحوذی علی جامع ترمذی۔ ۲: ۱۲۸ مطبوعہ جید برقی پریس دہلی) وقال الحافظ ابن حجر: فيه جواز تقبيل الميت تعظيما وتبركا (فتح الباری: ۳: ۸۹)

"آپ پر میرے والدین قربان ہوں، خدا کی قسم اللہ آپ پر دو موتیں اکٹھی نہ کرے گا جو موت آپ کے لئے لکھی گئی تھی وہ آپ پر آ گئی۔[۱]"

احمد بن نصر داؤدی المالکی شارح بخاری ابوبکرؓ کے قول لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ، کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ قبر میں جس طرح اور لوگوں کو موت آتی ہے، اس طرح آپ کو پھر موت نہ آئیگی۔ اس کے علاوہ وں کو تو سوال نکیرین کے لئے زندہ کیا جائیگا۔ اور پھر مر جائیں گے۔[۲]

بخاری نے مناقب صدیق اکبرؓ میں حضرت عائشہ سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اللہ کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں مرے اسکے بعد ابوبکر آئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھا کر بوسہ دیا اور کہا۔

بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُذِيقُكَ اللّٰهُ مَوْتَتَيْنِ أَبَدًا[۳]

حضرت ابوبکرؓ صدیق کا یہ قول نقل کرنے کے بعد زرقانی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے یہ الفاظ اس لئے کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہوں گے۔ اور پھر موت نہ آئے گی۔ جیسا کہ احمد بن نصر داؤدی کا قول اوپر نقل ہو چکا حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ کہ یہی احسن تاویل ہے، کیونکہ اس سے مراد وہ مشہور و معروف دو موتیں ہیں۔ جو انبیاء کے سوا اور لوگوں پر واقع ہوں گی۔ لہٰذا جن لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قبر میں زندہ رہنے سے انکار کیا ہے۔ ان کا یہ استدلال باطل ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو قبر میں زندہ ہونے کے بعد زندہ رہیں گے۔ اور پھر ان کے لئے موت نہ آئے گی۔ وَالْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ (اور انبیاء تو اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔[۴])

ابوبکر صدیقؓ کا ایک اور قول | ابن منیر نے اپنی کتاب معراج میں بیان کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بعض صحابہؓ کے حواس جاتے رہے، بعض کی عقل میں خلل پیدا ہو گیا۔ کوئی جکڑ اگیا۔ اور اٹھنے کے قابل نہ رہا۔ کوئی گونگا ہو گیا۔ اور بول نہ سکتا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ کی عقل میں خلل آگیا حضرت عثمانؓ آتے جاتے تھے۔ مگر بول نہ سکتے تھے، حضرت علی جکڑے گئے اور حرکت نہ کر سکتے تھے، اور عبداللہ بن انیس غم سے لاغر ہو کر مر گئے، صرف ابوبکرؓ مضبوط دل رہے، جب آئے تو آنسو جاری تھے، رونے رونے ہچکی بندھ گئی تھی، اور آہیں بھر رہے تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، آپؐ کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور کہا۔

---

[۱] بخاری کے الفاظ ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ فتح الباری: ۸ : ۱۱۸ – ۱۱۹ اور ۳ : ۸۹ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ: ۵ : ۲۴۲ میں وَاللّٰهِ لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ بتلا رہا ہے۔ ابن ہشام: ۴: ۳۰۶ پر یوں ہے۔ أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَ اللّٰهُ عَلَيْكَ فَقَدْ ذُقْتَهَا ثُمَّ لَنْ تُصِيبَكَ بَعْدَهَا مَوْتَةٌ" ابدا نیز ملاحظہ ہو ابن سعد جزء رابع صفحہ ۸۰ اور زرقانی ز ۸ : ۲۷۹، [۲] زرقانی: ۸: ۲۷۹، [۳] فتح الباری: ۷: ۲۱ اور طبقات ابن سعد جزء رابع صفحہ ۸۱ اور زرقانی: ۸: ۲۷۹ [۴] فتح الباری: ۷: ۲۱ ز ۸: ۱۱۸ ز ۳: ۸۸ – ۸۹ اور زرقانی: ۸: ۲۷۹،

"طِبْتَ حَيًّا وَ مَيِّتًا وَانْقَطَعَ لِمَوْتِكَ مَا لَمْ يَنْقَطِعْ لِمَوْتِ أَحَدٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلَكَ وَلَوْ أَنَّ مَوْتَكَ كَانَ اِخْتِيَارًا لَجُدْنَا لِمَوْتِكَ بِالنُّفُوسِ، اُذْكُرْنَا يَا مُحَمَّدُ عِنْدَ رَبِّكَ وَلْنَكُنْ مِنْ بَالِكَ"[۱]

آپؐ زندگی میں بھی پاک تھے، اور مرنے کے بعد بھی پاک ہیں، آپؐ کی وفات سے وہ چیز (نبوت و رسالت) منقطع ہوگئی۔ جو آپؐ سے پہلے کسی نبی کی وفات سے منقطع نہ ہوئی تھی، اگر آپؐ کی وفات میں ہمارے اختیار کو دخل ہوتا۔ تو ہم آپؐ کے بدلے کئی جانیں دے دیتے، اے محمدؐ! اپنے رب کے پاس ہمارا ذکر کریں، اور ہمیں دل میں یاد رکھیں"

آپ نے دیکھ لیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر باوجود عظیم صدمہ اور مصیبت کے ابوبکرؓ کسیقدر ثابت قدم اور ثابت القول رہے، اگر اس وقت آپؓ کی ذات نہ ہوتی تو نہ معلوم امت محمدیہ کی کیا حالت ہوتی، ان کی زبان سے کوئی کلمہ بے محل اور بے ضرورت نہ نکلا۔ اور نہ کوئی مہمل بات کہی۔ مذکورہ بالا قول میں ان کا یہ کہنا۔

اُذْكُرْنَا يَا مُحَمَّدُ عِنْدَ رَبِّكَ وَلْنَكُنْ مِنْ بَالِكَ

ایک نہایت اہم اور ضروری مسئلہ کی طرف ہمیں ہدایت کرتا ہے، حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یہ الفاظ کہہ رہے ہیں۔ وہ رازدار اسرار نبوی اور دانندہ نکات مصطفوی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا یہ کلام اس وقت ہو رہا ہے، جبکہ آپؐ اس دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں، انہیں چونکہ یقین تھا۔ کہ آپؐ سن رہے ہیں۔ اور قبر میں پہنچ کر زندہ ہوں گے۔ اسی لئے یہ الفاظ کہے،

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ حجرۂ اقدس سے باہر آگئے ہیں، حضرت عمرؓ کو بیٹھ جانے کو کہتے ہیں، مگر وہ نہیں مانتے، ابوبکرؓ انہیں اسی حالت میں چھوڑ دیتے ہیں۔ اور خود منبر پر چڑھ کر فرماتے ہیں۔

"أَمَّا بَعْدُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ"[۲]

(تم میں سے جو لوگ محمدؐ کی عبادت کرتے تھے انہیں معلوم ہونا چاہیئے، کہ وہ تو فوت ہو چکے اور جو اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے، اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا) اس کے بعد قرآن مجید کی یہ آیات تلاوت کیں،

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ

---

[۱] زرقانی: ۸: ۲۸۲۔ خفاجی: ۱: ۴۴۴ [۲] بخاری: ۳: ۸۹ ز ۸: ۱۱۹ [۳] یہاں سے کوئی کورباطن یہ سمجھ لے کہ صحابہؓ میں بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے تھے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے۔ کہ ہم تو اللہ کی پرستش کرتے تھے، آنحضرتؐ کی تو نہ کرتے تھے، اور اللہ زندہ ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے دین پر ثابت قدم رہنا چاہیئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اس میں کوئی فرق نہ آنا چاہیئے،

انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝

محمدؐ تو اللہ کے رسول ہیں، اس سے پہلے اور رسول بھی ہو چکے ہیں۔ کیا اگر ان کی موت واقع ہو جائے یا قتل ہو جائیں، تو تم پچھلے پاؤں واپس چلے جاؤ گے، اور جو ایسا کرے گا۔ وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اللہ شکر گذاروں کو جزا دے گا،

جب صحابہؓ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ آیات سنیں، اور چونکہ یہ برمحل پڑھی گئی تھیں، اس سے صحابہؓ کو یوں معلوم ہو رہا تھا۔ کہ یہ آیات پہلے نہ اتریں تھیں، اب کیا تھا، ہر شخص کی زبان پر یہ آیات تھیں، حضرت عمرؓ کہتے ہیں، کہ ان آیات کو ابوبکرؓ کی زبانی سن کر میری تو ٹانگیں کٹ گئیں۔ اور میں کھڑا ہونے کے قابل نہ رہا۔ اور یہ سن کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقعی فوت ہو گئے ہیں، میں زمین پر گر پڑا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پیر کے دن زوال کے قریب ہوئی، اور منگل کے دن زوال کے بعد دفن کیا جانے لگا،[ھ]

آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا جانے لگا۔ تو سوال یہ پیدا ہوا۔ کہ آیا۔ آنحضرتؐ کو کپڑوں سمیت غسل دیا جائے یا دیگر اموات کی طرح کپڑے اتار دیے جائیں، اس پر اختلاف رائے ہو گیا۔ تو سب کو اونگھ آگئی۔ پھر حجرۂ مبارک کی ایک جانب سے آواز آئی مگر یہ معلوم نہیں، کہ وہ کس کی آواز تھی[۱]، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دو، اس پر صحابہؓ نے اٹھ کر آنحضرتؐ کو کپڑوں سمیت غسل دیا۔ پانی قمیص کے اوپر ڈالتے اور قمیص سے آپؐ کا بدن ملتے تھے،

اس حدیث کی روایت بیہقی نے دلائل النبوۃ میں کی ہے، اصل روایت ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ اور ابن ماجہ میں بریدہؓ سے مروی ہے[۲]۔

صنعانی کا بیان

محمد بن اسمٰعیل الامیر الیمنی الصنعانی متوفی ۱۱۸۲ھ غیر مقلدین کے امام سبل السلام شرح بلوغ المرام میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں[۳]۔

---

[۱] اس آواز کے متعلق کہا جاتا ہے کہ خضرؑ کی آواز تھی۔ میں کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے۔ کہ یہ آنحضرت صلعم کی آواز ہو۔ میں اس سے پہلے صلحاء امت کے متعلق لکھ چکا ہوں۔ کہ مرنے کے بعد آنکھیں کھولیں، کسی نے دایاں ہاتھ پکڑا یا وغیرہ تو آنحضرتؐ اس غلطی کا ازالہ خود کیوں نہ کرتے، یہ امت کی رہنمائی کرنے کا موقعہ تھا۔ پھر کھلم کھلا یہ بات نہ کہی کہ امت کو آپؐ کی وفات کے متعلق شک نہ پیدا ہو جائے۔ جیسا کہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اس صورت میں آپؐ کے دفنانے میں دیر ہو جاتی۔ اور رفیق اعلیٰ سے ملاقات میں تاخیر ہو جاتی۔ اسی طرح اس میں اور راز بھی تھے، جن کا یہاں ذکر نہیں ہو سکتا،

ھ ایک روایت میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدھ کی رات دفن کیا گیا۔ علماء نے ان دونوں روایات میں یوں تطبیق دی ہے، کہ دفن کی ابتداء منگل کو دن کے آخری حصہ میں ہوئی۔ اور پھر ہوتے ہوتے رات کا کچھ حصہ بھی گذر گیا۔

[۲] زرقانی: ۸: ۲۸۹۔ [۳] سبل السلام: ۲: ۱۲۸،

وَفِیْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ كَغَيْرِهٖ مِنَ الْمَوْتٰى

"اس قصہ سے پتہ چلتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیگر اموات کی طرح نہیں ہیں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین غسل دئے گئے پہلا غسل خالص پانی سے دیا گیا۔ دوسرا پانی اور بیری کے پتوں سے، تیسرا پانی اور کافور سے[۱]،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آنحضرت کو غسل دیا حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹے فضلؓ حضرت علیؓ کی مدد کر رہے تھے، قثمؓ، اسامہ بن زید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام شقرانؓ پانی ڈال رہے تھے حضرت علیؓ کے سوا باقی تمام حضرات کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی،

بزار اور بیہقی نے روایت کی ہے، کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرماتے ہوئے کہا تھا، کہ تمہارے سوا مجھے کوئی غسل نہ دے اس لئے کہ جو کوئی میرے ستر کو دیکھیگا اندھا ہو جائے گا۔ آنحضرتؐ کے فرمان کا یہ مطلب تھا، کہ مجھے یقین ہے، کہ تو اپنی نگاہیں اٹھائے رکھیگا، اور وہ میرے ستر پر نہ پڑیں گی۔ اس لئے تمہارے متعلق مجھے خطرہ نہیں ہے، چنانچہ ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے، کہ جب حضرت علیؓ آنحضرتؐ کو غسل دے رہے تھے، تو آواز آئی اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھائے رکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اپنی نگاہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جمائے رکھیں[۲]

حضرت علیؓ فرماتے ہیں، کہ میں کسی عضو کو بھی غسل دینے کے لئے لیتا تو یوں معلوم ہوتا تھا، کہ گویا تیس آدمی میرے ہمراہ، ساتھ الٹتے پلٹتے ہیں، یہاں تک کہ میں آپؐ کے غسل سے فارغ ہو گیا[۳]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بیان میں حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد تم مجھے غسل دینا اور عباسؓ پانی ڈالیں اور تیسرے جبرئیل ہوں گے، مجھے تین نئے کپڑوں میں کفنانا پھر مجھے مسجد میں رکھدینا،

فَاِنَّ اَوَّلَ مَنْ يُّصَلِّىْ عَلَىَّ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ فَوْقِ عَرْشِهٖ[۴]

(اس لئے کہ سب سے پہلے اللہ رب العزت عرش پر سے مجھ پر صلوٰۃ پڑھینگے،

جب غسل دیا جا چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کے اعضاء جوڑوں اور وضوء کے اعضاء مثلاً دونوں بازو، چہرہ، دونوں ہاتھ اور دونوں قدموں پر خوشبو لگائی گئی۔ اور خود اور ند کی دھونی دی گئی[۵]

ابن الجوزی بیان کرتے ہیں، کہ جعفر الصادق بن محمد الباقر سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] زرقانی: ۸: ۲۸۹ اور خفاجی: ۱: ۴۴۳ [۲] زرقانی: ۸: ۲۸۹ حضرت علی کو آسمان کی طرف نگاہیں اٹھا رکھنے کا حکم ہے۔ دیگر حضرات کو آنکھوں پر پٹی باندھنے کا حکم ہے، ذرا ان امور پر غور کریں۔ کہ اس میں کیا کیا اسرار تھے، ان اسرار کو ارباب بصیرت ہی سمجھ سکتے ہیں، منکرین کمالات مصطفوی ان حقائق کے سمجھنے سے قاصر ہیں، [۳] طبقات ابن سعد جزو ثانی صفحہ ۹۰ والبدایہ والنہایہ: ۵: ۲۶۱، [۴] اجتماع الجیوش صفحہ ۴۴ [۵] زرقانی: ۸: ۲۸۹،

کی آنکھوں کی گہرائی میں غسل کا پانی جمع ہو جاتا تھا، جسے حضرت علی منہ لگا کر پی جاتے تھے، ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ وسلم کو غسل دیا، جو پانی آنحضرت کی آنکھوں کی گہرائیوں میں جمع ہو جاتا تھا اسے حضرت علیؓ پی جاتے تھے، یہی وجہ تھی کہ انہیں علم الاولین والآخرین حاصل ہوا، مگر اس روایت کے متعلق نووی لکھتے ہیں کہ صحیح نہیں ہے، لیکن زرقانی کہتے ہیں، کہ سخاوی اور دیگر محدثین نے اس حدیث کو صحیح مانا ہے[1]،

ابن ماجہ نے عائشہؓ سے روایت کی ہے، کہ جب منگل کے دن آپؐ کی تجہیز و تکفین ہو چکی تو آپؐ کے لئے لحد والی یا شق والی قبر کھودنے میں اختلاف ہوا، گفتگو کرتے کرتے آوازیں بلند ہو گئیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

لَا تَصْخَبُوا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰہِ حَیًّا وَّ مَیِّتًا[2]

"رسول اللہ کے پاس کسی حالت میں بھی شور نہ مچاؤ خواہ آپؐ زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں"۔

ابن ماجہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، کہ جب منگل کے دن آپؐ کی تجہیز و تکفین ہو چکی تو آپؐ کو چارپائی پر آپؐ ہی کے گھر اندر رکھ دیا گیا۔ لوگ گروہ گروہ ہو کر آتے جاتے اور نماز پڑھتے جاتے۔ مرد فارغ ہو چکے تو عورتوں کی باری آئی، عورتیں فارغ ہوئیں تو بچوں کی باری آئی لیکن امامت کسی نے نہیں کرائی، ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس پر سب کا اجماع ہے، حضرت علیؓ نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ

ھُوَ اِمَامُکُمْ حَیًّا وَّ مَیِّتًا[3]

(زندگی میں بھی وہی تمہارے امام ہیں اور مرنے کے بعد بھی)

اختلاف اس میں ہے، کہ آیا آپؐ کی نماز جنازہ میں کسی کا امام نہ بننا امر تعبدی تھا، جو ہماری عقلوں سے باہر ہے یا نہیں، علیحدہ علیحدہ نماز اس لئے ادا کی گئی، کہ ہر شخص بنفس خود انفرادی طور پر آپؐ پر نماز پڑھے چنانچہ سہیلی کہتے ہیں، کہ اللہ نے ہمیں بتایا ہے، کہ اللہ اور اس کے فرشتے آپؐ پر صلوٰۃ کہتے ہیں اور اسی طرح ہر مومن کو بھی آپ پر درود بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا ہر شخص پر واجب ہو گیا، کہ اسے بنفس خود ادا کرے اور آپؐ کی وفات کے بعد بھی آپؐ پر صلوٰۃ کا وہی حکم تھا جو آپؐ کی زندگی میں تھا[4]،

علماء میں اس بارے میں بھی اختلاف ہے، کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ اسی طرح ادا کی گئی، جس طرح عامۃ المسلمین کی ادا کی جاتی ہے، یا یہ صرف دعا ہی تھی، شیخ زین الدین بن الحسین المراغی اپنی کتاب النصرۃ فی تاریخ دار الہجرۃ میں کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ اس طرح ادا نہیں کی گئی جس طرح کہ عام دستور ہے، بلکہ دعا پڑھی گئی چنانچہ جب آپؐ کے اہل بیت نماز پڑھنے لگے، تو سوچا کہ کس طرح پڑھیں، ابن مسعود سے پوچھا گیا۔ تو انہوں نے حضرت علیؓ سے دریافت کرنے کو کہا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا یوں کہو،

---

[1] زرقانی: ۸: ۲۹۸ [2] البدایہ والنہایہ: ۵: ۲۶۹، [3] زرقانی: ۸: ۲۹۱ اور ۲۹۲ اور البدایہ والنہایہ: ۵: ۲۶۵، اور مشارق الانوار: ۶۳ [4] زرقانی: ۸: ۲۹۱ اور البدایہ والنہایہ: ۵: ۲۶۵ اور الروض الانف: ۲: ۳۷۸

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ ۔ صَلَوٰتُ اللّٰہِ الْبَرِّ الرَّحِیْمِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَالنَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَمَا سَبَّحَ لَکَ مِنْ شَیْءٍ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ عَلٰی مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَسَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الشَّاھِدِ الْبَشِیْرِ الدَّاعِیْ اِلَیْکَ بِاِذْنِکَ السِّرَاجِ الْمُنِیْرِ عَلَیْہِ السَّلَامُ[۱]

لیکن قاضی عیاض کہتے ہیں، کہ صحیح بات جس پر جمہور محدثین ہیں، یہی ہے کہ آپؐ کی نماز جنازہ محض دعا بھی بلکہ حقیقی نماز جنازہ تھی،

نماز جنازہ ادا کی جا چکی تو یہ سوال پیدا ہوا، کہ آپؐ کو کہاں دفن کیا جائے، کسی نے مکہ کہا کیونکہ یہ آپ کی جائے پیدائش تھی، کسی نے بیت المقدس، اس لئے کہ بیشتر انبیا وہیں مدفون ہیں، اور کسی نے مدینہ میں دفن کرنے کو کہا۔ اور جنت بقیع تجویز کیا، مگر ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا ہے،

مَا ھَلَکَ نَبِیٌّ قَطُّ اِلَّا یُدْفَنُ حَیْثُ یُقْبَضُ رُوْحُہٗ[۲]

(جس مقام پر نبی کی وفات ہوتی ہے، اُسے وہیں دفن کیا جاتا ہے)،

حضرت علیؓ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ کہ میں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے، اس حدیث کی روایت ابن ماجہ اور دیگر محدثین نے کی ہے، ترمذی کے الفاظ یہ ہیں،

مَا قَبَضَ اللّٰہُ نَبِیًّا اِلَّا فِی الْمَوْضِعِ الَّذِیْ یُحِبُّ اَنْ یُّدْفَنَ فِیْہِ[۳]

مؤطا کے یہ الفاظ ہیں، مَا دُفِنَ نَبِیٌّ قَطُّ اِلَّا فِیْ مَکَانِہِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْہِ[۴]

لہٰذا اسی مقام پر جہاں آپؐ کا بستر تھا، اور جہاں آپ کی روح قبض ہوئی قبر کھودی گئی[۵]

مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ بخاری اور مسلم وغیرہ نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ وَمِنْبَرِیْ عَلَی الْحَوْضِ[۶]

(میرے گھر اور منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کی ایک کیاری ہے، اور میرا منبر حوض پر ہے)

دوسری روایت میں مَا بَیْنَ بَیْتِیْ کی بجائے۔ مَا بَیْنَ قَبْرِیْ ہے اور یات ایک ہی ہے،

---

[۱] زرقانی: ۸: ۲۹۱-۲۹۲ [۲] ترمذی مع تحفۃ الاحوذی: ۲: ۱۳۹

[۳] مؤطا امام مالک مع شرح تنویر الحوالک ۱: ۱۷۹،

[۴] زرقانی: ۸: ۲۹۱-۲۹۲ [۵] زرقانی: ۸: ۳۱۹،

ابن ابی جمرہ کہتے ہیں، کہ بعینہ اس ٹکڑے کو جس کی لمبائی تقریباً ۵۳ ہاتھ ہے، منتقل کر کے جنت میں رکھدیا جائیگا لہٰذا یہ جگہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہوئی، ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو، کہ جو شخص یہاں عمل کرے گا اسے جنت کی کیاری ملیگی۔ پھر کہتے ہیں صحیح بات تو یہ ہے کہ اس ٹکڑے میں دونوں وصف پائے جاتے ہیں[1]

سیّد انور شاہؒ کا بیان سید انور شاہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ حدیث ما بین منبری وبیتی آیا ہے، مگر امام بخاری نے قبر نبوی کا عنوان دیا ہے، حافظ ابن حجر نے ایک روایت دی ہے جس میں قبر کا لفظ ہے، چونکہ آنحضرتؐ کو علم تھا۔ کہ آپؐ کے گھر ہی میں آپکی قبر ہوگی، اس لئے اخبار بالغیب کے طور پر قبر کا لفظ استعمال کیا۔ میرے نزدیک اس کی صحیح ترین تشریح یہ ہے، کہ یہ قطعہ جنت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اور اسے اسی طرح جنت میں رکھدیا جائے گا۔ لہٰذا یہ درحقیقت جنت کا ایک ٹکڑا ہے، نہ مجازاً مزید برآں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ میرا منبر حوض پر ہے، اس سے شارحین نے یہ سمجھا ہے، کہ منبر کو پھر سے لاکر حوض پر رکھدیا جائے گا۔ مگر میرے نزدیک یہ ہے کہ منبر اپنی جگہ پہ قائم رہے گا۔ اور حوض یہاں سے شام تک پھیلا دیا جائے گا۔ لہٰذا یہ منبر اب بھی حوض پہ ہے[2]

---

[1] زرقانی: ۸: ۳۱۹ [2] فیض الباری: ۲: ۴۲۴-۴۲۵ کتاب الصلوٰۃ باب فضل ما بین القبر والمنبر

انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات اپنی قبروں میں زندہ ہیں

گذشتہ ابواب سے یہ بات آپ پر واضح ہوگئی ہوگی کہ ارواح کے لئے خواہ وہ کافر ہی کی کیوں نہ ہو موت نہیں۔ مومن کی روح جنت کے پھل کھاتی ہے، مرنے کے بعد اموات زیارت کنندگان کو پہچانتے ہیں، اور اُن کے سلام کا جواب دیتے ہیں، ارواح آپس میں ملاقات کرتی ہیں، یہ تمام باتیں ان لوگوں کے متعلق ہیں، جن کے زندہ ہونے کے متعلق کوئی تصریحی حکم موجود نہیں،

اس کے بعد اولیاء کا مرتبہ آتا ہے، ان میں سے کئی ایک نے مرنے کے بعد کلام کیا یا حرکت کی جس سے ان کی ایک قسم کی حیات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ صالحین قبروں میں نماز پڑھتے ہیں،

ان کے بعد شہدا کا مرتبہ آیا جن کے متعلق قرآن مجید میں واضح الفاظ میں حکم آیا ہے، کہ انہیں مردہ مت کہو۔ احادیث میں ان کا جنت میں چلنا پھرنا ثابت ہے، قرآن مجید نے بھی بتادیا ہے، کہ انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے، جو زندگی کی علامات میں سے ایک علامت ہے، اس پر ہم نے شواہد بھی پیش کئے ہیں، جن سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہوجاتا ہے،

شہداء کے بعد انبیاء کا مرتبہ آیا۔ کیونکہ شہداء انبیاء کی امت کے افراد ہوتے ہیں، لہٰذا جب ایک امتی... کو یہ مرتبہ حاصل ہو۔ کہ وہ زندہ ہو۔ تو نبی بدرجۂ اولیٰ زندہ ہونا چاہیئے۔ بالخصوص سیدنا و مولینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ ان میں دونوں صفات موجود ہیں، چنانچہ آپ پڑھ چکے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس زہر کی وجہ سے ہوئی۔ جو خیبر میں زینب نامی ایک یہودی عورت نے آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو دیا تھا۔ لہٰذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نبوت اور شہادت کے دونوں اوصاف پائے گئے، تو آپؐ کا زندہ ہونا اور بھی قوی اور واضح ہوجاتا ہے، اب میں یہاں انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے زندہ ہونے کے دلائل پیش کرتا ہوں،

علامہ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ انتباہ الاذکیا میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کا اپنی قبروں میں زندہ ہونا ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے، اور دلائل سے ثابت ہے، اور اس بارے میں حدیث میں تواتر پایا جاتا ہے[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کی موت مرے

پچھلے باب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت شہادت کی موت تھی، اس لئے کہ خیبر میں ایک عورت زینب نے آپ کو زہر قاتل دیا تھا، اس وقت آپ کے ساتھ کچھ صحابہؓ بھی موجود تھے جن میں ابوبکر صدیقؓ اور بشر بن براء بن معرور بھی تھے، یہ اسقدر قاتل زہر تھا، کہ اس سے کھانے والے کی فوری موت واقع ہوتی، کچھ صحابہؓ نے ابھی کھانے میں ہاتھ ڈالا تھا۔ آنحضرت نے لقمہ منہ میں لیا۔ تو لقمہ نے آپ کو بتلادیا کہ اس میں زہر ہے۔ بشر بن البراء لقمہ نگل چکے تھے اس لئے اس زہر سے اُن کی موت واقع ہوگئی، آنحضرتؐ نے لقمہ منہ سے نکال پھینکا اور آپؐ کے فرمانے پر حضرت ابوبکرؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ملاحظہ ہو رسالہ انتباہ الاذکیا فی حیات الانبیاء جو اسی کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے، صفحہ ۲۴۳ تا ۲۵۲

کا بچ نکلنا معجزہ تھا کیونکہ جب یہودیہ سے دریافت کیا گیا۔ تو اس نے اعتراف کیا۔ کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی غرض سے زہر دیا ہے، زینبؓ نے یہ بھی کہا کہ میں جانتی تھی کہ اگر آپؐ نبی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ آپؐ کو اس کی اطلاع دے دیں گے، اگر نبی نہ ہوں گے تو لوگ آپؐ سے نجات پا جائیں گے، اب چونکہ آپؐ نبی تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس کی اطلاع کر دی، اور آپؐ بچ نکلے، مگر چونکہ زہر بہت قاتل قسم کا زہر تھا۔ اس لئے اس کا اثر باقی رہا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وجہ سے کبھی کبھی درد کا دورہ پڑتا تھا، تا آنکہ آپؐ کی وفات اسی زہر کے اثر سے ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے :-

مَا زَالَتْ أُكْلَةُ خَيْبَرَ تُعَادُنِي حَتّٰى كَانَ الْآنَ قَطَعَتْ أَبْهَرِي

میں نے جو لقمہ خیبر میں کھایا تھا اس کا اثر کبھی کبھی عود کر آتا تھا۔ اور اب تو اس نے میری رگِ ابہر کاٹ دی ہے (ابہران دو رگیں ہیں، جو دل سے نکلتی ہیں، اور انہی سے شرائین منشعب ہوتی ہیں) اس طرح مرتبۂ نبوت اور مرتبۂ شہادت دونوں آپ کو حاصل ہو گئے[1]۔

امام احمدؒ اور حاکم وغیرہ نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نو بار قسم کھا کر اس بات کے کہنے کو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے بہتر سمجھتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ ایک بار بھی قسم کھا کر کہوں کہ شہید نہیں ہوئے، وَذٰلِكَ لِاَنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَهٗ نَبِيًّا وَاتَّخَذَهٗ شَهِيْدًا[2]

یہاں سے معلوم ہو گیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات وفاتِ شہادت تھی، شہداء کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے، کہ وہ زندہ ہیں، اور خود خدا نے انہیں مردہ کہنے سے منع کیا ہے، آنحضرتؐ میں دوسرا وصف مرتبۂ نبوت تھا جس کے متعلق مزید بحث آگے آئے گی،

سیوطی نے اپنے رسالہ انباء الاذکیا میں لکھا ہے، کہ شاید ہی کوئی نبی ہو گا جس میں نبوت اور شہادت کے دونوں اوصاف پائے نہ گئے ہوں، اس صورت میں تمام انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات اس قرآنی آیت کے تحت آجاتے ہیں جو شہداء کے متعلق ہے[3]،

زمین انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی سیوطی انباء الاذکیا میں لکھتے ہیں، کہ ابوداؤد اور بیہقی نے اوس بن اوس ثقفی سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا دن سب سے افضل دن ہے لہٰذا تم اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جائیگا، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ؐ

---

[1] زرقانی : ۸ : ۳۱۳، [2] سیوطی انباء الاذکیا میں کہتے ہیں۔ کہ ابو یعلیٰ طبرانی اور حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اس حدیث کی روایت کی ہے، مزید براں خصائص الکبریٰ ج ۲ : ۲۸۰ میں ہے کہ احمد اور ابن سعد نے بھی اسی طرح روایت کی ہے،

[3] زرقانی : ۸ : ۳۱۲ ۔

ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائیگا، جبکہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ[1]

"اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیا کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے"

دوسری روایت | محمد بن سعد کہتے ہیں، کہ مجھے حماد بن خالد خیاط نے عقبہ بن ابی الصہباء سے روایت کرتے ہوئے بتایا، کہ عقبہ نے حسن کو یہ کہتے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِفْرِشُوا لِي قَطِيفَةً فِي لَحْدِي فَإِنَّ الْأَرْضَ لَمْ تُسَلَّطْ عَلَى أَجْسَادِ الْأَنْبِيَاءِ[2]

"میری لحد میں چادر بچھا دینا اس لئے کہ زمین کو انبیاء کے جسموں پر مسلط نہیں کیا گیا۔"

دانیال نبی کا جسم | ابوالحسن علی بن ابی المکرم محمد بن محمد بن عبد الکریم الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری الملقب بعز الدین متوفی ۶۳۰ھ[3] اپنی کتاب الکامل میں لکھتے ہیں:۔

جب ابوسبرہ نے سوس فتح کیا تو وہاں کے لوگوں نے انہیں بتایا، کہ اس شہر میں دانیال کا جسم ہے، انہوں نے جواب میں کہا کہ مجھے کیسے معلوم ہو، کہ واقعی یہ دانیال کا جسم ہے، لہذا ابوسبرہ نے اسے ان کے پاس رہنے دیا۔ دانیالؑ نبی بخت نصر کے بعد فارس ہی میں رہ گئے تھے، جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا۔ اور انہیں وہاں کوئی شخص اسلام پر نظر نہ آیا تو انہوں نے اللہ کی کتاب کا احترام کرتے ہوئے وہاں کے لوگوں سے اسے محفوظ رکھنا چاہا۔ یہ لوگ ایمان نہ لائے تھے، اس لئے انہوں نے کتاب الٰہی کو اللہ کے سپرد کیا۔ اپنے بیٹے سے کہا کر ساحل سمندر پر جا کر اس کتاب کو سمندر میں پھینک دو بچے نے کتاب کو لیا۔ مگر کتاب کو پھینکنے کو دل نہ چاہا۔ اور یونہی دور جا کر واپس آگیا۔ اور کہا کہ میں پھینک آیا ہوں، دانیال نے پوچھا جب کتاب نیچے گئی تھی تو سمندر کا کیا حال ہوا تھا؟ بچے نے جواب دیا: کچھ نہیں، اس پر دانیال ناراض ہوئے، اور کہا اللہ کی قسم میں نے جو کام تجھے کرنے کو کہا تھا، تو نے نہیں کیا۔ بچہ پھر باہر نکل گیا۔ اور پہلے کی طرح پھر واپس آگیا۔ دانیالؑ نے پوچھا۔ جب کتاب نیچے گری تو سمندر کا کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا موجزن ہوا، اور ایک دوسرے سے ٹکرایا، اس پر دانیالؑ کو پہلے سے بھی زیادہ غصہ آیا اور کہا میں نے جو کام تمہیں کہا تھا تو نے وہ کام نہیں کیا۔ اب بچہ سمندر کی طرف آیا۔ اور کتاب کو سمندر میں پھینک دیا۔ سمندر پھٹ گیا۔ اور زمین صاف نظر آنے لگی پھر زمین پھٹی اور تنور سی بن گئی۔ کتاب اس میں گری اور

---

[1] نیز ملاحظہ ہو خصائص الکبریٰ: ۲: ۲۷۹-۲۸۰، شرح الصدور: ۲۱۳: البدایہ والنہایہ: ۵: ۲۷۵ - ۲۷۶ بروایت احمد ابونعیم اور دلائل النبوۃ ۴۹۲، خفاجی: ۳: ۵۵۴ اور زرقانی: ۵: ۳۲۲ - ۳۳۷ اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد زرقانی لکھتے ہیں۔ لِأَنَّهَا نُورٌ وَهُوَ لَا يَتَغَيَّرُ بَلْ يَنْتَقِلُ مِنْ حَالَةٍ إِلَىٰ حَالَةٍ، انبیاء کے اجسام نور ہیں۔ اور نور میں تغیر نہیں آتا، ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتا ہے۔ [2] البدایہ والنہایہ: ۵: ۲۵۹ یہ چادر سرخ رنگ کی جائے نماز تھی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۲: ۸، اشعۃ اللمعات ۱: ۳۴۵: قولہ جعل فی قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم قطیفۃ حمراء وبعض می گویند کہ آں خواص نبوت است زیرا کہ وی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ است در قبر۔ واللہ اعلم۔ [3] الکامل ۲: ۳۸۹ - ۳۸۷،

زمین پھر مل گئی اور پانی بھی مل گیا۔ واپس آکر اس نے ماجرا بیان کیا۔ دانیال نے کہا اب تو نے سچ کہا ہے، دانیال کی وفات سوس میں ہوئی، وہاں کے لوگ ان کے جسم کے وسیلہ سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے، لوگوں نے ان کے جسم کے بارے میں حضرت عمرؓ سے اجازت چاہی اور انہیں دفن کر دیا گیا۔

دانیال کے متعلق ابن کثیر کا بیان | ابن کثیر نے دانیالؑ کا قصہ زیادہ بسط سے بیان کیا ہے، جسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے[۱]

وَ قال یونس بن بکیر عن محمد بن اسحاق عن ابی بن دینار حدثنا ابو العالیہ قال

جب ہم نے تستر فتح کیا تو ہمیں ہرمزان کے بیت المال میں ایک چارپائی ملی جس پر ایک میت تھی اس کے سر کے پاس ایک مصحف تھا، ہم اسے اٹھا کر حضرت عمرؓ کے پاس لیگئے آپ نے کعب الاحبار کو بلایا، انہوں نے اس مصحف کا عربی میں ترجمہ کر دیا، ابو العالیہ کہتے ہیں، کہ عربوں میں سے میں پہلا انسان ہوں جس نے یہ مصحف پڑھا تھا، میں نے اسے اسی طرح پڑھا جس طرح میں قرآن کو پڑھتا ہوں، میں نے ابو العالیہ سے پوچھا، کہ اس مصحف میں کیا لکھا تھا، اس نے جواب دیا، کہ مصحف میں تمہارے حالات، معاملات اور تمہاری مختلف زبانوں کا ذکر تھا، نیز آئندہ آنیوالے امور کا ذکر تھا،

میں نے پوچھا کہ تم نے اس میت کا کیا کیا،

اس نے جواب دیا کہ ہم نے دن کے وقت الگ الگ جگہوں پر تیرہ قبریں کھودیں اور جب رات ہوئی تو ہم نے اسے ایک قبر میں دفن کر دیا، اور تمام قبروں کو زمین سے برابر کر دیا تاکہ اصل قبر کا کسی کو پتہ نہ چلے اور وہ اسے کھود کر نکال نہ لیں،

میں نے پوچھا :- اس مردہ سے انہیں کیا غرض تھی؟

اس نے جواب دیا :- جب بارش نہ ہوتی تھی، تو وہ لوگ اس کی نعش کو لیکر کھلے میدان میں نکل جاتے تھے، اور خدا ئے تعالیٰ بارش برسا دیتے تھے،

میں نے دریافت کیا۔	تمہارے خیال میں یہ کس کی نعش تھی،
اس نے جواب دیا :-	اسے دانیال کہا جاتا تھا،
میں نے پوچھا :-	تم نے اسے کب مردہ پایا،
جواب دیا :-	تین سو سال سے،
میں نے دریافت کیا :-	کیا اس میں کوئی تغیر پیدا ہوا،
جواب دیا :-	نہیں، سوائے گدی کے چند بالوں کے،

اِنَّ لُحُوْمَ الْاَنْبِیَاءِ لَا تُبْلِیْهَا الْاَرْضُ وَلَا تَاْكُلُهَا السِّبَاعُ

[۱] البدایہ والنہایہ ۲ : ۴۰ - ۴۱ اور ۷ : ۸۸ - ۸۹ شاید کسی شقی القلب غبی الذہن کے دل میں خیال پیدا کرے انکا مردہ جسم تھا۔ تو اسے یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ زندہ بدن تھا، جیسا کہ ہم سوتے ہوئے زندہ ہوتے ہیں۔ اور جسم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجا کر رکھ دیا جاتا ہے،

دنبیوں کا گوشت نہ زمین کھا سکتی ہے، نہ درندے۔)

اس کے بعد ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابو العالیہ تک یہ اسناد صحیح ہے، مگر ان کی تاریخ وفات اگر ان کے ہاں ہی طرح محفوظ ہے، کہ اس پر تین سو سال گذر چکے ہیں، تو پھر یہ نعش نبی کی نعش نہیں ہو سکتی بلکہ کسی صالح انسان کی ہو گی، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین کوئی نبی نہیں ہوا، جیسا کہ بخاری کی حدیث میں صراحتہً موجود ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درمیانی زمانہ چار سو سال ہے، بعض چھ سو سال اور بعض چھ سو بیس سال کہتے ہیں،

ہو سکتا ہے کہ ان کی تاریخ وفات آٹھ سو سال پہلے ہو، اور یہ تاریخ دانیال کے زمانہ کے قریب ہو جاتی ہے بشرطیکہ یہ نعش درحقیقت دانیال کی نعش ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ کوئی اور ہو، یا نبیوں میں سے یا صالحین میں سے مگر ظن غالب یہی ہے کہ دانیال ہی ہوں گے، اس لئے کہ ایران کے بادشاہ نے دانیال کو گرفتار کر لیا تھا، اور اسے اپنے پاس قید میں رکھا تھا، جیسا کہ بیان ہو چکا،

ابو العالیہ تک صحیح سند سے یہ بھی مروی ہے، کہ ان کی ناک ایک بالشت لمبی تھی، اور انس بن مالک سے جید سند سے مروی ہے، کہ ان کی ناک ایک ہاتھ لمبی تھی، اس سے یہ احتمال ہوتا ہے، کہ وہ نعش کسی قدیم نبی کی ہے، جن کا زمانہ اس سے پہلے کا ہو، واللہ اعلم،

ابوبکر بن ابی الدنیا نے کتاب احکام القبور میں بیان کیا ہے، کہ

حدثنا ابو بلال محمد بن الحارث بن عبد اللہ عن ابی بردۃ بن ابی موسیٰ الاشعری حدثنا ابو محمد القاسم بن عبد اللہ عن ابی الاشعث الاحمری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

کہ دانیال نے خدا سے دعا کی کہ انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دفن کرے چنانچہ جب ابو موسیٰ اشعری نے تستر فتح کیا۔ تو دانیال کو تابوت میں پایا۔

تضرب عروقہ و وریدہ

ان کی رگیں اور وریدیں ابھی تک حرکت کر رہی تھیں،

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:-

من دل علی دانیال فبشروہ بالجنۃ،

جو دانیال کا پتہ بتلائے اسے جنت کی خوشخبری دو،

جس شخص نے ان کا پتہ بتایا، اسے حرقوص کہا جاتا تھا، ابو موسیٰ نے اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی، حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ دانیال کو دفن کر دو اور حرقوص کو میرے پاس بھیجو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے،

یہ حدیث اس طریق سے مرسل ہے، اور اس کے محفوظ ہونے میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم،
اس کے بعد ابن ابی الدنیا کہتے ہیں۔

حدثنا ابو بلال حدثنا قاسم بن عبد اللہ عن عنبسۃ بن سعید وکان عالماً
کہ ابو موسیٰ نے دانیال کی نعش کے ساتھ ایک مصحف، ایک مٹکا جس میں چربی اور درہم تھے۔ اور دانیال کی انگوٹھی پائی، ابو موسیٰ نے حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجا، حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا۔
"وہ مصحف میرے پاس بھیجدو، چربی میں سے تھوڑا سا حصہ بھی مجھے بھیجو، اور جو مسلمان تمہارے پاس ہیں انہیں کہو کہ اسے دواء کے طور پر استعمال کریں۔ (یستشفون بہ) اور درہموں کو آپس میں تقسیم کرلو، اور انگوٹھی میں نے تمہیں عطا کردی،

ابن ابی الدنیا نے کئی اور طریقوں سے یہ بھی روایت کی ہے، کہ جب ابو موسیٰ نے دانیال کی نعش کو پایا۔ اور لوگوں نے آپ کو بتایا، کہ یہ دانیال ہیں۔ تو ابو موسیٰ انہیں چمٹ گئے۔ گلے لگایا اور بوسہ دیا۔ اور حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجا، یہ بھی لکھ بھیجا کہ ان کے ساتھ تقریباً دس ہزار درہم پائے گئے ہیں، جس کسی کو ضرورت ہوا کرتی ان درہموں میں سے قرض لے لیا کرتا۔ اور اگر بعد میں واپس کر دیتا تو بہتر ورنہ بیمار پڑ جاتا۔ ان کے ساتھ ایک عطر دانی بھی تھی،
حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ انہیں بیری اور پانی سے غسل دیا جائے اور کفنا کر دفن کر دیا جائے اور ان کی قبر کو مخفی رکھا جائے، تا کہ کسی کو اس کا پتہ نہ چلے، درہم بیت المال میں دے دیئے گئے۔ عطر دانی کے متعلق لکھا کہ میرے پاس بھیجدو، اور انگوٹھی ابو موسیٰ کو عطا کردی۔

ابو موسیٰ سے یہ بھی مروی ہے، کہ انہوں نے چار قیدیوں کو نہر پر بند لگانے کا حکم دیا۔ اور جب پانی بند ہو گیا تو نہر کے وسط میں قبر کھود کر انہیں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد ابو موسیٰ نے ان چاروں قیدیوں کی گردنیں اڑا دیں اس طرح ابو موسیٰ کے سوا ان کی قبر کا کسی کو علم نہ تھا،
ابن ابی الدنیا کہتے ہیں:-

حدثنی ابراھیم بن عبد اللہ حدثنا احمد بن عمرو بن السرح حدثنا ابن وھب عن عبد الرحمٰن بن ابی الزناد عن ابیہ۔ کہ
میں نے ابو بردہ بن ابو موسیٰ کے ہاتھ میں انگوٹھی دیکھی جس کے نگینوں پر دو شیروں کی شکل کندہ تھی۔
ان دونوں شیروں کے درمیان ایک آدمی کی شکل تھی، جسے شیر زبان سے چاٹ رہے تھے ابو بردہ کہتے ہیں، یہ اسی میت کی انگوٹھی ہے جسے وہاں کے گاؤں والے دانیال خیال کرتے تھے، جب ابو موسیٰ نے انہیں دفن کیا۔ تو یہ انگوٹھی انہوں نے لے لی تھی،
ابو بردہ کہتے ہیں، کہ ابو موسیٰ نے اس گاؤں کے علماء سے اس انگوٹھی کے نقش کے متعلق دریافت کیا۔ تو انہوں نے

ھ یہ بات واضح ہے کہ یہ چاروں قیدی واجب القتل ہوں گے تبھی تو ابو موسیٰ نے انہیں قتل کیا،

بتلایا کہ دانیال نبی کے عہد کے بادشاہ کے پاس منجم اور اہل علم آئے اور کہا فلاں رات ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہارے ملک کو تباہ و برباد کر دے گا۔ اس پر اس بادشاہ نے قسم کھائی۔ کہ اس رات جو بچہ بھی پیدا ہوگا۔ اسے قتل کر دیا جائیگا لیکن دانیال جب پیدا ہوئے، تو انہیں بیشۂ شیراں میں رکھدیا گیا شیر اور شیرنی رات بھر دانیال کو چاٹتے رہے، مگر انہیں کوئی ضرر نہ پہنچایا، صبح ان کی والدہ نے آ کر دیکھا، کہ شیر انہیں چاٹ رہے ہیں، اس طریقے سے اللہ نے انہیں بادشاہ کے ہاتھوں سے قتل ہونے سے نجات دلائی۔ یہاں تک کہ وہی بڑے ہو کر نبی ہوئے، ابوبردہ کہتے ہیں۔ کہ میرے والد ابوموسیٰ نے بتلایا کہ اس گاؤں کے علماء کا کہنا ہے، کہ دانیال کی انگوٹھی کے نگینہ میں جو نقش ہے، اس میں یہی دو شیر انہیں چاٹتے ہوئے دکھائے گئے ہیں، تاکہ وہ اللہ کی اس بڑی نعمت کو بھول نہ جائیں، اس کی اسناد حسن ہے،

دانیالؑ کے متعلق ابن حجر کا بیان ابن الجوزی اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر خضر زندہ ہوتے تو ان کا جسم اس زمانہ کے لوگوں کے مطابق ہوتا، اور یہ تو ثابت ہو چکا ہے، کہ خضر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی تھے، اور ان سے پہلے بھی ہوئے ہیں، اس کے بعد ابن الجوزی نے ابوعمران الجونی تک اپنے اسناد سے بیان کیا ہے، کہ دانیالؑ کی ناک ایک ہاتھ لمبی تھی جب ابوموسیٰ کے عہد حکومت میں انہیں نکالا گیا۔ اور ایک شخص ان کے پہلو میں کھڑا ہوا۔ تو دانیال کا گھٹنہ اس شخص کے سر کے برابر آیا[1]

ان تمام بیانات سے کم از کم اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے، کہ دانیال نبی کا جسم تقریباً آٹھ سو سال کے بعد صحیح سالم پایا گیا۔ اور یہ حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی پوری تائید کرتی ہے،

ایک اعتراض آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے، کہ زمین انبیاء کے جسموں کو نہیں کھاتی، مگر صحیح ابن حبان، ابن اسحٰق اور ابن ابی حاتم نے عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا۔ کہ وہ بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے روانہ ہو جائیں، اور ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ حضرت یوسفؑ کی ہڈیوں کو بھی ساتھ لے لیں پیچھے نہ چھوڑیں، یہاں تک کہ ارض مقدس میں جا کر دفن کریں، ایک بڑھیا عورت نے حضرت موسیٰؑ کو حضرت یوسفؑ کے دفن ہونے کی جگہ کا اس شرط پر پتہ بتلایا کہ موسیٰ اس بڑھیا کو بھی ساتھ لے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ سنگ مرمر کے صندوق کو جس میں حضرت یوسفؑ کی نعش تھی نکال کر ساتھ لے گئے،[2]

جواب شہاب الدین خفاجی نے اس اعتراض کو نقل کر کے خود اس کا جواب دیا ہے، کہ عظام (ہڈیوں) سے اس بڑھیا کی مراد تمام بدن تھا، یا یہ کہ اس نے عظام کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ ہڈیاں تو کبھی بوسیدہ ہوتی ہیں، اور اس نے بدن میں روح کو معدوم پایا۔ لہذا اسے ہڈیوں سے تعبیر کیا۔ یا یہ کہ اس بڑھیا کا یہی خیال ہوگا۔ کہ انبیاء کے اجسام عامۃ الناس کے اجسام کی طرح بوسیدہ ہوتے ہیں،[3]

راقم حروف کہتا ہے، کہ پہلا جواب ہی درست جواب ہے، عربی زبان میں عظام کا لفظ مجاز مرسل کے طور پر تمام بدن کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جیسے ان شعروں میں،

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ ... فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ ... فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

---

[1] اصابہ ترجمۂ خضر نمبر ۲۲۵۸ [2] تفسیر مظہری سورہ یوسف صفحہ ۲، آیتہ توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین
[3] نسیم الریاض: ۳: ۵۵۴

اسی طرح سالم بن دارہ کا یہ قول (صغانی: عباب ترکیب: ج ن ب):

خلیلی ان حانت بحمص منیتی — فلا تدفنانی وارفعانی الی نجد
ومرا علی اهل الجناب باعظمی — وان لم یکن اهل الجناب علی القصد

یہاں شاعر نے اَعظُم کا لفظ استعمال کیا ہے اور مراد تمام بدن لیا ہے، اسی طرح بوصیری رحمہ اللہ قصیدہ بردہ میں کہتے ہیں ؎ لَا طِیبَ یَعدِلُ تُربًا ضَمَّ اَعظُمَہٗ — طُوبٰی لِمُنتَشِقٍ مِنہُ وَمُلتَثِمِ

یہاں بوصیری نے اعظم کا لفظ استعمال کیا ہے، اور مراد تمام بدن ہے،

فروہ بن عمرو مسلمان ہو گیا۔ اور جب عیسائی اسے قتل کرنے لگے، تو اس نے یہ شعر پڑھا،

بَلِّغ سَرَاۃَ المُسلِمِینَ بِاَنَّنِی — سِلمٌ لِرَبِّی اَعظُمِی وَمَقَامِی

یہاں بھی فروہ نے اَعظُمِی سے سارا بدن مراد لیا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۵: ۸۷)

معجم البلدان: ۳: ۹۸۹ ✻ وستیفنہ

ایک اور اعتراض (الف) حضرت عباسؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا:۔

اِنَّ رَسُولَ اللّٰہِ یَاسَنُ کَمَا یَاسَنُ البَشَرُ

رسول اللہ میں اسی طرح بو پڑ جائے گی جس طرح اور انسانوں کے جسموں میں پڑتی ہے،

(ب) یہ بھی روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دفن کیا گیا جب آپؐ کا بدن پھول گیا تھا۔ کمر ٹیڑھی ہو گئی تھی، اور ناخن سبز ہو گئے تھے، تاکہ لوگوں کو آپؐ کی وفات کا یقین ہو جائے،

جواب پہلی روایت جو حضرت عباسؓ سے منقول ہے صرف ابن سعد[1] میں دی ہے اور ابن سعد نے اس کی کوئی ...... سند نہیں دی اس لئے اس قول کو صحیح نہیں سمجھا جا سکتا بالخصوص جبکہ حضرت علی فرماتے ہیں،

غَسَلتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ فَذَھَبتُ اَنظُرُ مَا یَکُونُ مِنَ المَیِّتِ فَلَم اَجِد شَیئًا فَقُلتُ طِبتَ حَیًّا وَّمَیِّتًا قَالَ وَسَطَعَت مِنہُ رِیحٌ طَیِّبَۃٌ لَم یَجِد مِثلَھَا قَطُّ[2]، میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے لگا۔ تو میں نے دیکھنا چاہا، کہ کہیں وہ آلائشیں جو دیگر اموات میں پائی جاتی ہیں، آپؐ میں تو نہیں، مگر میں نے کوئی چیز نہیں پائی اور کہا آپؐ زندگی میں بھی پاک تھے اور مرنے کے بعد بھی پاک ہیں، پھر فرمایا آپ سے ایسی خوشبو نکلی کہ میں نے ایسی خوشبو کبھی نہ پائی تھی[2]

حضرت ابوبکرؓ صدیق کا قول بھی اسی طرح کا ہے، جسے خود ابن سعد نے نقل کیا ہے[3]، کہ
کہ آپؐ حیات میں بھی پاکیزہ تھے اور وفات میں بھی،

میں اس سے پہلے حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ کا قول نقل کر چکا ہوں انکو بھی سامنے رکھ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ ان مسلمہ روایات کے ہوتے ہوئے ابن سعد کی اس روایت کی کیا وقعت ہو سکتی ہے، بالفرض اگر اس قول کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ مراد لی جا سکتی ہے کہ یہ حضرت عباسؓ کا اپنا خیال تھا، کہ کہیں آپؐ کے جسد مبارک میں بو نہ پڑ جائے اس لئے دفن کرنے میں جلدی کرنے کو کہا، علامہ ابوالبرکات آلوسی نے الجواب الفسیح صفحہ ۲۱۷ پر اسی قسم کا اعتراض عبدالمسیح نصرانی کا نقل کیا

✻ معجم البلدان: ۳: ۴۳۔ (وستیفنہ) (عباب: طل ح) عبداللہ بن قیس الرقیات کہتا ہے۔ نضر اللہ [نضر اللہ] أعظما دفنوها بسجستان طلحة الطلحات۔ یہاں أعظما دفنوها کہا ہے اور تمام جسم کو دفن کیا جاتا ہے نہ کہ ہڈیوں کو

[1] طبقات ابن سعد اردو ترجمہ از مولانا عبداللہ العمادی جزو رابع: ۹، طبع حیدرآباد دکن،
[2] نسیم الریاض: ۱: ۴۴۲،
[3] طبقات ابن سعد: جزو رابع: ۸۱،

ہے، اس پر آپ فرماتے ہیں، ثم ما ذکرہ النصرانی من انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تغیرت رائحتہ بعد وفاتہ فھذا الکذب صرف بل الامر بالعکس ولم یظھر فی جسمہ الشریف تغیر ابداً وشم جمیع الحاضرین منہ رائحۃ کرائحۃ المسک وعرف الند، روی الطبری عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال ما شممت بعد وفاتہ اطیب من ریحہ ولا رأیت اضوء من وجھہ حینئذ ولم ار ہ یعتاد فاہ ما یعتاد افواہ الموتی

نصرانی کا یہ کہنا کہ وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بو میں تغیر آگیا تھا محض جھوٹ ہے، بلکہ معاملہ برعکس ہے، آپ کے جسم میں قطعاً کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا، اور تمام حاضرین نے آپ سے کستوری اور ند کی سی خوشبو سونگھی،

طبری نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کی وفات کے بعد جو خوشبو سونگھی اس سے بہتر کوئی خوشبو نہیں سونگھی اور نہ اس وقت میں نے آپؐ کے چہرہ مبارک سے کوئی اور روشن تر چہرہ دیکھا، جو تغیر عام اموات کے چہروں میں ہوتا ہے، وہ آپؐ کے چہرہ میں نہ تھا،

(ب) دوسری روایت وکیع بن الجراح کی ہے، جسے انہوں نے اسمٰعیل بن ابی خالد سے روایت کیا ہے، وکیع اور اسمٰعیل گو ثقہ ہیں مگر وکیع اکثر غلطی کھا جاتے تھے، چنانچہ ابن حجر فرماتے ہیں،

وقال[1] (ای عبد اللہ بن احمد عن ابیہ) فی موضع آخر ابن مھدی اکثر تصحیفاً من وکیع ووکیع اکثر خطأ منہ، وقال فی موضع اٰخر اخطأ وکیع فی خمس مائۃ حدیث

وقال[2] محمد بن نصر المروزی کان یحدث باٰخرہ من حفظہ فیغیر الفاظ الحدیث کانہ کان یحدث بالمعنی ولم یکن من اھل اللسان،

عبد اللہ بن احمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے ایک اور موقع پر کہتے ہیں، کہ ابن مہدی وکیع سے زیادہ تصحیف کیا کرتے تھے، اور وکیع ان سے زیادہ غلطی کھاتے تھے، ایک اور جگہ پر کہا ہے، کہ وکیع نے پانچسو حدیثوں میں غلطی کھائی ہے،

اور محمد بن نصر المروزی کہتے ہیں، کہ وکیع آخری عمر میں حافظہ سے حدیث بیان کیا کرتے تھے، لہٰذا الفاظ حدیث کو بدل دیتے وہ اپنے خیال میں روایت بالمعنی کرتے۔ حالانکہ اہل زبان میں سے نہ تھے،

مزید براں وکیع کو اس روایت کی بنا پر پھانسی دیا جانے لگا تھا، مگر وہ مکہ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، میں یہاں اس روایت کے متعلق شہاب الدین خفاجی کا بیان نقل کرتا ہوں،

وقد[3] حرم اللہ جسدہ علی الارض واحیاہ فی قبرہ کسائر الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام وقد رأیت فی بعض الکتب ان السلف اختلفوا فی کفر من قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما انتقلت روحہ للملاء الاعلی تغیر بدنہ، وروی ان وکیع ابن الجراح حدث عن اسمٰعیل بن ابی خالد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما توفی لم یدفن حتی ربا بطنہ وانثنی خصرہ واخضرت اظفارہ لانہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تھذیب التھذیب : ۱۱ : ۱۲۵ - [2] تھذیب التھذیب : ۱۱ : ۱۳۱

[3] نسیم الریاض : ۱ : ۳۹۰،

توفي يوم الاثنين وترك لليلة[1] الاربعاء لاشتغالهم بامر الخلافة واصلاح امر الامة وحكمته ان جماعة من الصحابة رضي الله تعالى عنهم قالوا لم يمت فاراد الله ان يريهم آية الموت فيه،

ولما حدث وكيع بهذا بمكة رفع الى الحاكم العثماني فاراد صلبه على خشبة نصبها له خارج الحرم فشفع فيه سفيان بن عيينة فاطلقه ثم ندم على ذلك ثم ذهب وكيع الى المدينة فكتب الحاكم الى اهلها اذا قدم اليكم فارجموه حتى يقتل فابن دله بعض الناس بان اخبره بذلك فرجع الى الكوفة خيفة من القتل و كان المفتي بقتله عبد المجيد[2] بن رواد، وقال سفيان لا يجب عليه القتل، وقد انكر هذا الناس وقالوا رأينا بعض الشهداء نقل من قبره بعد اربعين سنة فوجد رطبا لم يتغير منه شيء فكيف بسيد الشهداء، او الانبياء عليه وعليهم الصلاة والسلام وهذه زلة قبيحة لا ينبغي التحدث بها

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے آپ کے جسم کو کھانا حرام کر دیا ہے، اور قبر میں دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح انہیں زندہ کر دیا ہے، میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے، کہ سلف کا اس شخص کو کافر کہنے میں اختلاف ہے جو یہ کہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ملاء اعلیٰ کو منتقل ہو گئی تو آپ کا بدن متغیر ہو گیا تھا۔ روایت کی جاتی ہے، کہ وکیع بن الجراح نے اسمٰعیل بن ابی خالد سے روایت کی کہ جب رسول اللہ نے وفات پائی تو آپ کو اس وقت دفن کیا گیا جبکہ آپ کا پیٹ پھول گیا تھا۔ کمر ٹیڑھی ہو گئی تھی اور ناخن سبز ہو چکے تھے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پیر کے دن ہوئی اور بدھ کی رات تک آپ کو رہنے دیا گیا۔ کیونکہ صحابہؓ امر خلافت اور اصلاح امت میں لگے ہوئے تھے۔ اس میں حکمت یہ تھی، کہ صحابہؓ کی ایک جماعت کہتی تھی، کہ آپ کی وفات نہیں ہوئی، لہٰذا اللہ نے چاہا کہ انہیں آپ کے جسم میں موت کی علامات دکھا دے۔

جب وکیع نے مکہ میں یہ روایت بیان کی تو اس کی شکایت حاکم عثمانی کے پاس کی گئی۔ حاکم نے وکیع کو پھانسی دینے کا ارادہ کیا۔ یہ سولی حرم کے باہر وکیع کے لئے تیار کی گئی تھی۔ مگر سفیان بن عیینہ کی سفارش پر اسے چھوڑ دیا لیکن بعد میں حاکم کو ندامت ہوئی۔ اس وقت وکیع مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حاکم نے اہل مدینہ کو لکھ بھیجا۔ کہ جب وکیع مدینہ میں آئے تو اسے سنگسار کر کے مار ڈالو۔ کسی نے قاصد کے ذریعہ سے اس بات کی اطلاع وکیع کو دے دی اور وہ قتل کے ڈر سے کوفہ چلا گیا۔ وکیع کو قتل کرنے کا فتویٰ عبد المجید بن رواد نے دیا تھا۔ مگر سفیان کہتے ہیں۔ کہ وہ واجب القتل نہیں ہے۔ لوگوں نے وکیع کی روایت کو برا منایا۔ اور کہا کہ ہم نے بعض شہداء کو دیکھا ہے، کہ انہیں چالیس سال کے بعد قبر سے منتقل کیا گیا۔ تو ان کا جسم تر و تازہ پایا گیا۔ اس میں کوئی تغیر نہ تھا۔ چہ جائیکہ سید الشہداء و انبیاء کا جسم یہ بہت بڑی لغزش ہے، اسے کسی کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے،

---

[1] اصل کتاب میں تمرکہ چھپا ہے جو غلط ہے، [2] صحیح نام عبد المجید بن عبد العزیز بن ابی الرواد ہے، دیکھیں تہذیب التہذیب: ۶: ۳۸۱،

سہیلی کا بیان سہیلی ابن ہشام کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کے لیے صحابہ نے آپ کی قمیص اتارنے کا ارادہ کیا۔ تو ایک آواز آئی جسے سب نے سنا۔ مگر کوئی شخص دکھائی نہیں دیا۔ لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی آپ کی نبوت کا ایک معجزہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات زندگی میں، ولادت سے پہلے اور وفات کے بعد بھی ظاہر ہوئے وفات کے بعد کے معجزات میں ایک معجزہ یہ ہے جس کا ذکر ابو عمرو ابن عبد البر نے کتاب التمہید میں صحیح سند سے کیا ہے، کہ جب آپ کو کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا تو گھر والوں نے یہ کہتے ہوئے سنا،

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ يا اهل البيت ان فی الله عوضاً من كل تالفٍ وخلفاً من كل هالكٍ وعزاءً من كل مصيبةٍ فاصبروا واحتسبوا ان الله مع الصّٰبرين وحسبنا الله ونعم الوكيل، ابو عمرو کہتے ہیں۔ کہ ان الفاظ کا کہنے والا خضر ہے۔

ایک معجزہ یہ تھا۔ کہ جب علی اور فضل بن عباس آپ کو غسل دے رہے تھے، اور فضل پانی ڈالنے لگے تو انہوں نے کہا۔

"أَرِحْنِي أَرِحْنِي فَإِنِّي أَجِدُ شَيْئًا يَنْزِلُ عَلٰى ظَهْرِي" مجھے بچانا مجھے بچانا، مجھے یوں معلوم ہو رہا ہے، کہ میری پیٹھ پر کوئی چیز اتر رہی ہے،

ایک معجزہ یہ تھا، کہ آپ سے کوئی ایسی علامت ظاہر نہیں ہوئی جو دیگر اموات میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور نہ آپ کی بو میں تغیر پیدا ہوا، حالانکہ دفن سے پہلے آپ کو گھر میں کافی دیر تک رکھا گیا۔ پھر آپ کی وفات ایلول (ستمبر) کے مہینہ میں ہوئی، (اور یہ مہینہ عرب میں گرمی کا مہینہ ہوتا ہے،) آپ زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی پاکیزہ تھے، اگرچہ آپ کے چچا عباس نے علی کو کہا۔ کہ میرا بھتیجا یقیناً فوت ہو چکا ہے، اور وہ بھی ایک انسان تھا۔ دیگر انسانوں کی طرح ان میں بھی بو پڑ سکتی ہے۔ لہذا انہیں دفن کر دو،

سہیلی کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے، کہ یہ عباس کا اپنا خیال تھا۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے مگر در حقیقت ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ (الروض الانف: ۲ : ۳۷۴)

مولانا اشرف علی تھانوی کا فتوی مولانا اشرف علی تھانوی صاحب سے اسی روایت کے متعلق استفسار کیا گیا تھا۔ میں یہاں اصل سوال اور تھانوی صاحب اور ان کے متعلقین کا جواب نقل کرتا ہوں،[1]

سوال سوال نمبر ۶۹۴:۔ اجساد انبیاء کے تغیر سے محفوظ رہنے کے بارے میں صرف ایک روایت نظر سے گزری کہ:۔ ما سلطت الارض علی اجساد الانبیاءِ او کما قال لیکن آپ کی وفات کے بعد جو حالات نظر سے گذرے اس میں ایک روایت یہ ہے، کہ آپ کے ناخن سبز ہو گئے تھے، ایک یہ کہ اشتداد خضرہ سے آپ کی وفات معلوم ہوئی، ایک روایت یہ ہے، کہ آپ اس وقت دفن نہ ہوئے حتی ربا قمیصہ اور ایک میں ہے کہ حتی ربا بطنہ اور اسی تغیر سے حضرت صدیق نے مانعین دفن پر حجت قائم کی۔ کہ دیکھو تمہارے نبی کی وفات ہو گئی۔ پھر حضرت عباس نے بھی فرمایا: ان رسول الله یاسن کما یاسن البشر، میں نے اس تغیر جسد سے یہ نتیجہ نکالا

---

[1] امداد الفتاوی از تھانوی صفحہ: ۵۰۹ مطبوعہ ادارہ اشرف العلوم کراچی،

کہا تعین دفن کیلئے ایسا خفیف تغیر ظاہر کیا گیا تاکہ وہ دفن ہو جانے دیں، اور معراج روحی سے باز آئیں، واللہ اعلم، ورنہ بالیقین آپ[2] کا جسم مبارک قبر شریف میں اصلی حالت میں محفوظ و مصون ہے، زیادہ تعجب یہ ہے، کہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں احد میں نہر جاری کی گئی۔ نہر میں قبور شہداء مانع تھیں، تو جابرؓ نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ سوائے قبور کے نکالنے کے ہمیں اور کوئی راستہ نہیں ہے، تو انہوں نے اجازت دیدی۔ جب نہر کے لئے قبور کھودی گئیں۔ تو بروایت جابر بن عبداللہ شہداء کی لاشیں اس طرح برآمد ہوئیں کہ معلوم ہوتا تھا سو رہے ہیں۔ پھر انہیں کندھوں پر لاد کر وہاں سے علیحدہ کیا گیا۔ اور اسی سلسلہ میں حضرت حمزہؓ کے پاؤں پر پھاوڑہ لگا تو خون نکل آیا حالانکہ یہ واقعہ شہادت کے چالیس سال بعد کا ہے مجھے جہاں تک معلوم ہے ایسی کوئی روایت نہیں ہے، کہ جس میں اجساد شہداء کے محفوظ رہنے کا وعدہ ہو جب شہداء کے اجسام محفوظ رہے تو انبیاؑ کے اجساد بدرجہ اولیٰ محفوظ ہوں گے۔ کیونکہ ان کے لئے تو وعدہ بھی ہے،

الجواب | فی التفسیر المظہری:- اخرج الحاکم وابوداود عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:- ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء، واخرج ابن ماجہ عن ابی الدرداء نحوہ، اس باب میں اور احادیث بھی ہیں۔ اور جو تغیرات[ل] سوال میں نقل کئے ہیں وہ تاثیرات ارضی نہیں، اس لئے تعارض نہیں، بلکہ تغیرات خواص موت سے بھی نہیں، ایسے تغیرات احیاء میں بھی مرض کے سبب ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت عباسؓ کا قول ایسے ہی تغیرات پر محمول ہوگا۔ اور استدلال تقریب فہم کیلئے ہوگا۔ اور یہ سب جب ہے، کہ ان روایات کے رجال ثقات ہوں، ورنہ روایات ہی حجت نہیں پس تعارض ہی نہیں۔ باقی شہداء کے لئے بھی وعدہ کی احادیث وارد ہیں،

فی التفسیر المظہری بروایۃ الطبرانی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤذن المحتسب کالشہید المتشحط فی دمہ، اذا مات لم یدود فی قبرہ

(وہ موذن جو محض ثواب کی خاطر اذان دیتا ہے اس کی مثال اس شہید کی ہے جو خون میں لتھڑا ہو چنانچہ جب وہ مرے گا۔ اسے قبر میں کیڑے نہ پڑیں گے۔)

واخرج ابن مندۃ عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات حامل القرآن اوحی اللہ تعالیٰ الی الارض ان لا تاکل لحمہ، فتقول الارض یارب کیف اٰکل لحمہ وکلامک فی جوفہ (جب حافظ قرآن مرجاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دیتے ہیں کہ اس کا گوشت نہ کھائے، زمین کہتی ہے، اے رب میں اس کا گوشت کیسے کھاؤں جبکہ تمہارا کلام اس کے پیٹ میں ہے)

قال ابن مندۃ فی الباب عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ وابن مسعود رضی اللہ عنہ

واخرج المروزی عن قتادۃ قال بلغنی ان الارض لا تسلط علی جسد الذی لم یعمل خطیئۃ

ل مولانا تھانوی صاحب کے ان الفاظ سے یہ مترشح ہوتا ہے، کہ انہوں نے ان تغیرات کو تسلیم کر لیا ہے۔ کہ واقعی ایسا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے، یہ تغیرات قطعاً واقع نہیں ہوئے، یہی وجہ تھی۔ کہ وکیع کو اس روایت کی بناء پر واجب القتل تک قرار دیا گیا۔ دانیال علیہ السلام کا واقعہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں، جب آٹھ سو سال کے بعد بھی ان کا جسم تر و تازہ تھا۔ تو کیا دو دن کے بعد آنحضرتؐ (باقی ۱۴۶ پر ملاحظہ ہو)

(مجھے معلوم ہوا ہے کہ زمین کو ان لوگوں کے جسموں پر مسلط ہونے نہیں دیا جاتا جنہوں نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔)[۵۲] اور مجھ کو ان روایات کی صحت وحسن کی تحقیق نہیں۔ لیکن تعدد خود اسباب تقویت سے ہے اور کوئی دلیل معارض نہیں، اس لئے قبول کرنا ضروری ہے،

حضرت تھانوی کے نزدیک صاحب روح المعانی کا قول واجب الرد ہے

اور صاحب روح المعانی کا یہ قول:۔

وما یحکی من مشاهدة بعض الشهداء الذين قتلوا منذ مات سنين وانهم الى اليوم تشخب جروحهم دماً اذا رفعت العصابة فذلك مما رواه هيان بن بيان وما هو الا احاديث[۱] خرافة وكلام يشهد على مصدقه تقديم السخافة (الخ) واجب الرد ہے، لکونه مخالفاً للمشاهدة المتواترة فمنها ما فی المظهری اخرج مالك[۲] عن عبد الرحمن بن صعصعة انه بلغه ان عمرو بن الجموح وعبد الله بن جبير الانصاري كان قد حفر السيل قبرهما الى قوله، فوجدا لم يتغيرا كانهما ماتا بالامس وكان بين احد وبين حفر عنهما ستتا واربعين سنة[ع]، واخرج البيهقي ان معاوية لما اراد ان يجري كظامة نادى من كان له قتيل باحد فليشهد فخرج الناس الى قتلاهم فوجدوهم رطاباً يتثنون فاصابت المسحاة رجل رجل منهم فانبعث دماً ، واخرج البيهقي عن جابر وفيه اصابت المسحاة قدم حمزة فانبعث دماً (الخ)،

اور اگر کوئی واقعہ اس کے خلاف پایا جائے اس کا جواب بیان القرآن کے متن وحواشی العوائد میں مذکور ہے الحاشیۃ علی اور یہ سب جب ہے، کہ روایات کے رجال ثقات ہوں، ورنہ روایات ہی حجت نہیں"، اور اس احتمال میں مضمون ذیل سے اور قوت ہو گئی۔

مولوی محمد اسحٰق بردوانی کا ضمیمہ

اس کے بعد تھانوی صاحب نے مولوی محمد اسحٰق بردوانی کا اس پر ضمیمہ دیا ہے،[۵۳] وہ لکھتے ہیں:۔

تغیر کے متعلق وکیع بن الجراح نے اسمٰعیل بن خالد سے روایت کی ہے، اور اسمٰعیل اور وکیع بڑے پائے کے ہیں۔ اور اسمٰعیل تابعی ہیں۔ مگر بعد ان کے کون ہے، اس کا پتہ نہیں۔ اور کتنے راوی محذوف ہیں۔ اس کا ٹھکانہ نہیں، اور اس روایت پر اس قرن میں

(بقیہ حاشیہ ۱۴۵) کا جسم نعوذ باللہ ایسا ہوا ہو گا۔ ۵۲ ترجمہ میرا کیا ہوا ہے، اصل کتاب میں ترجمہ نہیں دیا۔)

(حاشیہ صفحہ ھذا:- ۱ صاحب روح المعانی کے ان الفاظ پر تعجب ہوتا ہے۔ کہ باوجود صاحب علم وفضل ہونے کے اس قدر سخیف الفاظ استعمال کئے ہیں۔ حالانکہ خود سراسر غلطی پر ہیں، ملاحظہ ہو اسی کتاب کا صفحہ ۱۰۷ تا ۱۰۹۔ ۲ دیکھیں موطا: ۱: ۳۱۳

۵۳ امداد الفتاویٰ: ۵۰۹، ع اصل کتاب میں اسی طرح دیا ہے، ستا واربعین سنة چاہیے۔

جو قرن تابعین کا ہے سخت انکار ہوا، اور صدر ثانی میں جب نعد انکار ہوا تو معلوم ہوتا ہے، کہ یہ روایت محض بے اصل ہے، اور غلط[1] ہے، ....

.... ونیز چہارشنبہ کی شب تک لاش مبارک کو بے دفن چھوڑنا غلط ہے، فی الطبقات لابن سعد ج ۲ ص ۳ :- وتوفی صلوات اللہ علیہ یوم الاثنین حین زاغت الشمس ص ۱۳۰ ج ۲ ودفن یوم الثلاثاء وحین زاغت الشمس۔ چوبیس گھنٹوں میں معمولی لاش میں تغیر نہیں ہوتا۔ فکیف بسید المرسلین

اس غرض سے مقصود یہ ہے، کہ اگر حضور والا پسند فرمائیں، تو ضمیمہ جواب فرماکر شائع کرنے کا حکم دیں (النور ۹ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ)

ضمیمہ ثانیہ از مولوی عبد الماجد دریابادی

عبارت ذیل سیرت ابن ہشام میں مل گئی۔ غسل کے موقعہ پر:-

ولم یر من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شئ مما یری من المیت، اس سے بڑھ کر اور کیا صراحت ہوگی .... پھر اسی سیرت ابن ہشام میں یہ بھی مذکور ہے۔ کہ حضرت علی غسل دیتے جاتے اور یہ الفاظ کہتے جاتے تھے،

بابی انت وامی ما اطیبک حیا ومیتا

اس سے بڑھ کر ایک اور روایت خود صحاح میں مل گئی۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ما جاء فی غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن علی بن ابی طالب قال لما غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذهب یلتمس منه ما یلتمس من المیت فلم یجده فقال بابی الطیب[2] طبت حیا ومیتا (النور صفحہ ۹ محرم ۱۳۵۲ھ)

ابن قیم کا بیان

ابن قیم کہتے ہیں۔ کہ ہمارے استاد احمد بن تیمیہ نے فرمایا۔ کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ اشکال اس طرح حل ہو جاتا ہے۔ موت عدم محض نہیں ہے، بلکہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے کا نام موت ہے، اس کی دلیل یہ ہے، کہ شہداء قتل ہو جانے اور مر جانے کے بعد اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں، رزق پاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ دنیا میں زندوں کی یہی صفات ہیں، لہذا جب شہداء کا یہ حال ہو۔ تو انبیاء تو بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہوں گے۔ مزید برآں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے، کہ آپ نے فرمایا۔ کہ:-

ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء (زمین انبیاء کے جسموں کو نہیں کھاتی)

اور یہ کہ معراج کی رات بیت المقدس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتماع انبیاء سے ہوا۔ اور آسمان میں بھی انکی ملاقات ہوئی بالخصوص موسیٰ علیہ السلام سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔ جو شخص آپ کو سلام کرتا ہے اللہ آپ کی روح آپکو لوٹا دیتا ہے، تو آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ امور جن سے یہ قطعی طور پر

---

[1] اس کے بعد خفاجی کی وہی عبارت نقل کی ہے، جسے میں پہلے دے چکا ہوں، اس لئے میں نے ان الفاظ کو یہاں دہرانا ضروری نہیں سمجھا۔ اور حذف کردہ عبارت کی جگہ پر نقطے لگا دئے ہیں،

[2] یہاں پر طباعت کی غلطی سے اصل کتاب میں اسی طرح ہے، بابی انت وامی چاہئے،

نتیجہ نکلتا ہے، کہ انبیاء کی موت کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب ہو گئے اور ہم انہیں پا نہیں سکتے اگرچہ وہ زندہ اور موجود ہیں، ان کا حال ملائکہ سا ہے، کیونکہ وہ بھی زندہ اور موجود ہیں۔ مگر ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے[۱]

ابن قیم ایک اور مقام پر فرماتے ہیں[۲] :-

یہ بھی قطعی طور پر معلوم ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک زمین میں تروتازہ ہے، (طری مطری) اور جب صحابہؓ نے آپؐ سے پوچھا، کہ ہمارا درود کیسے آپ پر پیش کیا جائے گا جبکہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہونگے۔ تو فرمایا:-

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ اور اگر آپؐ کا جسم مبارک آپؐ کی قبر میں نہ ہوتا۔ تو یہ جواب نہ دیتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے، کہ آپؐ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی قبر پر فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو آپؐ کو آپ کی امت کا سلام پہنچاتے ہیں،

ابن کثیر کا بیان ابن کثیر کہتے ہیں، کہ متاخرین اصحاب شافعیہ میں اس بارے میں اختلاف ہے، کہ آیا صحابہؓ کے علاوہ کسی اور کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آپ کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں، بعض کہتے ہیں جائز ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ کا جسم مبارک قبر میں تروتازہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے[۳]

مذکورہ بالا بیانات سے آپ پر یہ بات واضح ہو گئی ہوگی۔ کہ انبیاء کے جسم قبروں میں صحیح سالم اور تروتازہ رہتے ہیں۔ جس کی شہادت میں دانیالؑ کا قصہ تین مستند علماء یعنی ابن الاثیر، ابن کثیر، اور حافظ ابن حجر کی سند سے بیان کیا گیا۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ شہداء کے جسم تروتازہ پائے گئے۔ یہ تو ان کے جسموں کا حال ہے، اب ہمیں یہ بھی بتانا ہے کہ یہ اجسام بے جان نہیں ہیں۔ لہٰذا اب ان کے زندہ ہونے کے متعلق بھی سن لیں۔

انبیاءؑ زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ غیر انبیاء اپنی قبروں میں نماز اور قرآن پڑھتے ہیں جب غیر انبیاء کا جنکے زندہ ہونے کے متعلق کوئی تصریحی حکم موجود نہیں۔ یہ حال ہے، تو انبیاء جن کے زندہ ہونے کے متعلق صریح حکم موجود ہے، کیا حال ہوگا۔

ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے حیاۃ الانبیاء میں انسؓ سے روایت کی ہے[۴]، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ[۵]

(انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اور نماز پڑھتے ہیں)

---

[۱] کتاب الروح : ۴۳، [۲] کتاب الروح : ۵۴، [۳] البدایہ والنہایہ : ۵ : ۲۶۶، [۴] ملاحظہ ہو انباہ الاذکیا از سیوطی اور حیاۃ الانبیاء، بیہقی ہیں نے یہ دونوں رسالے کتاب کے آخر میں دے دئے ہیں۔ [۵] نیز دیکھیں الخصائص الکبریٰ سیوطی : ۲ : ۲۸۱، زرقانی ۵ : ۳۳۲ اور فیض الباری : ۲ : ۶۴ الجامع الصغیر : ۱ : ۱۰۳ و خفاجی : ۱ : ۱۳۲ ؛

ترمذی احمد، مسلم، والنسائی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:۔

مَرَرْتُ عَلٰی مُوْسٰی[۲] لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِیْ عِنْدَ الْکَثِیْبِ الْاَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِهٖ[۱]

معراج کی رات سُرخ ٹیلے کے قریب سے میں موسٰی علیہ السّلام کے پاس سے گذرا تو وہ قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے،

سیّد انور شاہ رحمۃ اللہ کا بیان | سیّد انور شاہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں[۲]:۔

مرقاۃ میں ہے، کہ مسجد (نبوی) میں بلند آواز کرنا خواہ ذکر الٰہی ہی کیوں نہ ہو حرام ہے، امام مالک سے منقول ہے کہ آنحضرت[۲] کا احترام وفات کے بعد بھی بعینہٖ اسی طرح واجب ہے جس طرح آپ کی حیات میں واجب تھا، بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اور انہوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اور حافظ (ابن حجر) نے تیئیسں جلدیں ان سے اتفاق کیا ہے، کہ

انبیاء[۴] اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں

لوگوں کو اس حدیث کا مفہوم سمجھنے میں دقت پیش آئی ہے، کیونکہ روح تو بذاتِ خود زندہ ہے، اور اسے فنا نہیں خواہ کافر کی روح ہو خواہ مومن کی، لہٰذا جب تمام روحیں زندہ ٹھہریں تو انبیاء کے زندہ ہونے کا کیا مطلب ہوا؟

یاد رکھیں کہ احادیث نفس روح کے زندہ ہونے اور اس کی مدت حیات کو بیان کرنے کے لئے وارد نہیں ہوئیں، کیونکہ انکے زندہ ہونے کا تو پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے، بلکہ ان سے مراد روح کا افعال سے معطل ہونا یا نہ ہونا ہے، لہٰذا اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ انبیاء[۴] کی ارواح پاکیزہ عبادات اور مبارک افعال کرنے سے معطل نہیں ہیں، بلکہ اپنی قبروں میں بھی ان افعال کے کرنے میں بعینہٖ اسی طرح مشغول ہیں جس طرح دنیاوی زندگی میں تھے۔ چنانچہ وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں، یہی حال ان کے متبعین کا ہے، اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق، ہاں البتہ جو لوگ دنیا میں ان افعال سے معطل ہیں آخرت میں بھی معطل ہوں گے،

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یُصَلُّوْنَ کا لفظ فرما کر اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عبادات کا ذکر کیا ہے، تاکہ اس بات پر تنبیہ کر دیں کہ ان کے زندہ ہونے سے کیا مراد ہے، لہٰذا وہ اپنی قبروں میں نماز بھی پڑھتے ہیں۔ اور حج بھی کرتے ہیں، اور زندہ لوگوں کے سے افعال کرتے ہیں۔ ان کے زندہ ہونے سے یہی مراد ہے چنانچہ ہم بالعموم کہتے ہیں۔ کہ فلاں مردہ ہے[۲] مراد در اصل زندہ لوگوں کے افعال ہیں، اور حقیقی موت ان افعال سے معطل ہونا ہے جیسی طرح کہتے ہیں کہ علم زندگی ہے، اور جہالت موت ہے[۱]

سے ایک اور حدیث بھی حل ہو گئی ہے جسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب کبھی کوئی شخص آپ پر سلام بھیجتا ہے، تو آپ کی روح لوٹا دی جاتی ہے، اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ روح کے لوٹا دینے کا یہ مطلب نہیں کہ اس وقت آپکو قبر میں زندہ کیا جاتا ہے، بلکہ اس سے مراد ایک جانب سے دوسری جانب توجہ منعطف کرنا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو دونوں حالتوں میں زندہ ہیں بایں طور کہ آپ کسی حالت میں بھی معطل نہیں ہوتے۔ مگر آپ حق سبحانہ کی طرف توجہ میں مستغرق ہوتے ہیں۔ اور جب کوئی شخص سلام کرتا ہے تو آپ کی روح لوٹ آتی ہے یعنی چونکہ بسبب مشغولیت حق آپ کی توجہ اس طرف نہ تھی، اس لئے اس طرف توجہ دی ہے[۳]

---

[۱] انباء الاذکیا، اور حیاۃ الانبیاء اور زرقانی: ۵: ۳۳۲، [۲] فیض الباری: ۲: ۶۴ کتاب الصلوٰۃ باب رفع الصوت،

(حاشیہ کا صفحہ ۱۵۰ پر ملاحظہ)

مزید برآں زندگی کے لاتعداد مراتب ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا اور انبیاء کی زندگی سب سے اعلیٰ اور اکمل ہے، اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا مرتبہ آتا ہے، اسی طرح درجہ بدرجہ برخلاف کافر کے کہ وہ مُردہ ہے یعنی تمام نیک کاموں سے معطل ہے اس کے لئے سوائے ہلاکت اور تباہی کے کچھ نہیں، اس کے مردہ ہونے سے یہ مراد نہیں، کہ اس کی رُوح بھی فنا ہوگئی ہے۔ اسی لئے تو اللہ نے فرمایا ہے، لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيٰى اور ان کے نہ مرنے سے مراد یہ ہے، کہ ان کے رُوح کو فنا اور موت نہیں، اور عدم حیات سے یہ مراد ہے، کہ ان میں زندہ لوگوں کے افعال نہیں پائے جاتے، زندہ لوگوں کے فعل نیک اعمال و افعال ہیں، نہ کہ فسق و فجور جیسا کہ حدیث میں ہے

ذکر الٰہی زندگی ہے اور ذاکر زندہ ہے، اور خدا سے غافل مُردہ

لَيْسَ مَنْ مَاتَ فَاسْتَرَاحَ بِمَيْتٍ   إِنَّمَا الْمَيْتُ مَيِّتُ الْأَحْيَاءِ

جو ارواح ہمیشہ خدا کی تسبیح کرتی رہتی ہیں انہیں انعام حیات نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی یہ برکت والی چیزیں ہیں اسی لئے میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لَا تَتَّخِذُوهَا حسن پر محمول ہے۔ اور یہ بھی ایک واقعہ ہے یا یوں کہا جائے کہ عوام کے حالات کو مدِ نظر رکھ کر یوں کہا گیا۔ ورنہ خواص کا حال تو آپ پڑھ چکے۔ وہ نماز بھی پڑھتے ہیں، اور حج بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی قبریں عبادت سے معمور ہوئیں، لہٰذا نہی کا کوئی معنی نہ ہوا۔ الحاصل یہ کہ جتنی بھی احادیث میں حیات کا لفظ افعال حیات کے اعتبار سے استعمال کیا گیا ہے، اسی لئے احادیث میں جہاں کہیں کسی کی حیات کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں افعال حیات میں سے کسی نہ کسی فعل کا بھی ضرور ذکر کیا گیا ہے، تاکہ وجہ حیات کا پتہ چل سکے رہی رُوح کی حیات تو اس کے ثابت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

حضرت شاہ صاحب ایک اور مقام پر فرماتے ہیں[۱]

کیونکہ میرے نزدیک تحقیق شدہ امر ہے کہ قبروں کے اندر تعطل نہیں۔ بلکہ وہاں قرآن کا پڑھنا، نماز پڑھنا، اذان وغیرہ عبادات کا ثبوت ملتا ہے، ان کے لئے رجوع کریں سیوطی کی شرح الصدور کی طرف، اہل کشف کے ہاں دیگر افعال بھی ثابت ہیں۔ اور اصحاب کشف ہی اسباب کو بہتر سمجھ سکتے ہیں لہٰذا جن امور کے خلاف صراحتاً کوئی شرعی حکم نہیں آیا۔ ہم بھی ان کا انکار نہیں کرتے

ابن ماجہ کی روایت | ابن ماجہ کہتے ہیں[۲]۔ حدثنا عمرو بن سواد المصری ثنا عبد اللہ بن وھب عن عمرو بن الحارث عن سعید بن ابی ھلال عن زید بن أیمن عن عبادۃ بن نسی عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] فیض الباری: ۲: ۶۴ [۲] البدایہ والنہایہ: ۵: ۲۷۶ +

(حاشیہ [۲] صفحہ ۱۴۹ کا بقیہ) احقر کہتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی تشریح کے مطابق اب بھی حدیث میں اشکال باقی ہے، اس لئے کہ کوئی لمحہ خالی نہیں جب کوئی نہ کوئی شخص آپ پر سلام و درود نہ بھیج رہا ہو۔ لہٰذا درود بھیجنے والوں کی طرف توجہ دائم و قائم رہی۔ اور حق سبحانہ کی جانب تعطل رہا۔ بندۂ حقیر کے نزدیک اس کا حل یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ تن توجہ رب العزت کی طرف لگی رہتی ہے۔ مگر کسی قدر توجہ سلام کرنے والے کی طرف بھی لگی رہتی ہے۔ برزخ کے احوال دنیاوی حالات سے مختلف ہیں۔ ہم دنیا میں بیک وقت دو طرف توجہ نہیں دے سکتے مگر برزخ میں یہ حال نہیں +

اکثروا الصلوٰۃ علیّ یوم الجمعۃ فانہ مشھود تشھدہ الملائکۃ وان احدا
لن یصلی علیّ الا عرضت علیّ صلاتہ حتی یفرغ منھا ،
قال قلت :- وبعد الموت ؟
قال :- ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء علیھم السلام
فنبی اللہ حیٌّ یرزق ،
وھٰذا من افراد ابن ماجہ رحمہ اللہ ،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ کہ جمعہ کے دن کثرت سے مجھ پر درود بھیجا کرو کیونکہ اس دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں ، اور تم میں سے جب کوئی شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے ، تو اس کا درود مجھے پیش کیا جاتا ہے ، یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جاتا ہے ،

ابو الدرداء کہتے ہیں میں عرض کیا :- مرنے کے بعد بھی ؟

تو حضرت[2] نے فرمایا :- اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام قرار دیا ہے ، اللہ کا نبی زندہ ہے رزق پاتا ہے ،

حیات انبیاء کے متعلق دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

دار الافتاء دارالعلوم دیوبند سے کسی صاحب نے مسئلہ حیات انبیاء کے متعلق استفسار کیا ۔ ذیل میں سوال اور جواب دونوں کو نقل کرتا ہوں :

سوال :- (سوال ۵۴)[1] انبیاء علیہم السلام احیا اند ، ایں چہ معنی دارد واقسام حیات نیز تحریر فرمائید ،

الجواب :- انبیاء علیہم السلام در قبور خود زندہ اند وایں قدر از حدیث معتبر ثابت است کہ فرمودہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ حرام کردہ است حق تعالیٰ بدن ہائے انبیاء را بر زمین وامثال آں ، وایں قسم احادیث در شرح الصدور فی احوال موتٰی والقبور سیوطی باستیعاب آوردہ است ، لیکن ایں حیات از حیات عنصری مختلف است ،

موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا

بیہقی[2] نے تین مختلف سندوں سے حضرت انس سے روایت کی ہے ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

مررت علی موسٰی وھو قائم یصلی فی قبرہ

میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا جبکہ وہ کھڑے قبر میں نماز پڑھ رہے تھے

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد اول صفحہ ۳۶ [2] دیکھیں کتاب کے آخر میں حیات الانبیاء از بیہقی اور تفسیر مظہری : ۷ : ۲۹۵ - سورہ سجدہ زیر آیت فلا تکن فی مریۃ من لقائہ ،

حیاتِ انبیاءؑ کے متعلق زرقانی کا بیان

محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی شرح مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں۔

پہلا بیان[1]

ابو یعلیٰ موصلی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرے۔ اور وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے، پھر انہوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ یہ حدیث مسلم، نسائی وغیرہ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم نے فرمایا: جس رات مجھے معراج کرائی گئی تو میں ریت کے ٹیلے کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے،

حسن بن عرفہ (م ۲۵۷ھ) طبرانی (م ۳۶۰ھ) اور ابونعیم (م ۴۳۰ھ) وغیرہ کے ہاں ابن مسعود کی حدیث میں ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کا قد لمبا، گھنے بال اور گندمی رنگ تھا۔ وہ قبیلہ (ازد) شنوءۃ کے آدمی معلوم ہو رہے تھے، اور وہ بآواز بلند کہہ رہے تھے۔ کہ تجھ پر اللہ کا کرم ہوا۔ اور تجھے اللہ نے فضیلت دی، ہم اس طرف ہو لئے ہم نے انہیں سلام کہا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور جبریلؑ سے پوچھا۔ تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبریلؑ نے جواب دیا؟ یہ احمد ہیں۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔

نبی امی عربی کو سلام کہتا ہوں جس نے لوگوں تک اپنے رب کا پیغام پہنچایا۔ اور اپنی امت کی خیر خواہی کی۔ پھر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے برکت کی دعا کی اور کہا:۔ خدا سے اپنی امت کے لئے سہولت کی دعا کرنا۔ پھر ہم سے دعا کرتے رہنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا۔ جبریلؑ یہ کون ہیں؟ جبریلؑ نے جواب دیا:۔ یہ موسیٰ بن عمرانؑ ہیں۔ میں نے کہا۔ یہ کسے عتاب کر رہے ہیں؟ جبریلؑ نے کہا اپنے رب کو۔ میں نے کہا۔ کیا اپنے رب کے سامنے زور زور سے بول رہے ہیں۔ جبریلؑ نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی تیزی طبع کا علم ہے۔ پھر باقی حدیث بیان کی۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ راستہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ پھر مسجد اقصیٰ میں گئے۔ اور انبیاء کی امامت کی

نعانی کہتے ہیں۔ اس میں غرابت ہے۔ !

اور اس میں کوئی ممانعت بھی نہیں۔ کہ انبیاءؑ اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ یعنی وہی شرعی نماز جو وہ دنیا میں پڑھا کرتے تھے اس لئے کہ وہ تو اب بھی دنیا میں ہیں، اور دنیا عبادت کا گھر ہے۔

بعض کہتے ہیں۔ کہ یہاں صلوٰۃ سے لغوی صلوٰۃ مراد ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ کو پکارتے، اس کا ذکر کرتے اور اس کی تعریف کرتے ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں۔ کہ انبیاء کی نماز سے حقیقی نماز مراد ہے، نہ کہ لغوی کیونکہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہی مستفاد ہوتا ہے نیز اس لئے کہ انبیاءؑ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں یعنی ان کی زندگی حقیقی زندگی ہے، کیونکہ خواہ ہم شرعی نماز مراد لیں۔ خواہ لغوی ہر صورت میں نماز کے لئے زندہ جسم کا ہونا ضروری ہے حقیقی نماز مراد لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدن روح کیساتھ بعینہٖ اسی طرح زندہ ہو جس طرح دنیا میں تھا۔ کہ اسے کھانے پینے وغیرہ دیگر جسمانی صفات کی ضرورت

---

[1] زرقانی علی المواہب : ۶ : ۳۳۰ – ۳۳۱ ،

ہو۔ جیسا کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ چونکہ یہ چیزیں جاری عادت بن چکی ہوتی ہیں۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوتی ہے، ورنہ عقلی طور پر ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ فرشتے زندہ ہیں۔ مگر انہیں ان چیزوں کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ انبیاء کا عبادت کرنا اپنے نفس کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے ہے۔ لہٰذا انہیں اس سے خوب لذت محسوس ہوتی ہے، اور یہ عادت ان پر لازم و واجب نہیں۔ کیونکہ اگر لازم ہوتی تو اس سے یہ لازم آتا۔ کہ مرنے کے بعد بھی وہ مکلف ہیں (حالانکہ ایسا نہیں۔) جس طرح اہل جنت کے دل میں ذکر الٰہی کا خیال ڈال دیا جائے گا۔ اور انہیں اس سے بہت لذت حاصل ہوگی۔

حسن بن عرفہ اور ابو نعیم کے ہاں ابن مسعود کی روایت میں بھی اسی طرح روایت ہے، مگر ابن مسعود کی روایت میں یہ اضافہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1]

پھر میں مسجد میں داخل ہوا۔ اور نبیوں کو پہچانا۔ کوئی قیام میں ہے، تو کوئی رکوع میں اور کوئی سجدے میں۔ اس کے بعد اذان ہوئی۔ زرقانی کہتے ہیں کہ یہ ابن مسعود کی روایت نہیں۔ بلکہ انس کی روایت ہے، فتح الباری میں اسکے بعد ہے کہ پھر اذان ہوئی۔ اور اقامت کہی گئی۔ تو میں نے امامت کی اور ابن ابی حاتم کے ہاں حضرت انس سے یزید بن ابی مالک کی روایت ہے۔ کہ ابھی تھوڑی سی ہی دیر گذری تھی۔ کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ پھر اذان ہوئی اور ہم صفیں باندھ کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے ہم منتظر تھے۔ کہ کوئی امامت کرائے کہ جبرئیل نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کر دیا اور میں نے نماز پڑھائی۔ مسلم کے ہاں ابن مسعود کی حدیث میں بھی ہے۔ کہ نماز کا وقت آگیا۔ تو میں نے نماز پڑھائی۔

احمد کے ہاں ابن عباس کی حدیث میں ہے۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصیٰ میں آئے تو آپ[2] نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ تو انبیاء علیہ السلام نے بھی آپ کیساتھ نماز پڑھی۔

جیسا کہ اس سے پہلی حدیث میں ہے۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ اکیلے نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو انبیاء نے آپ کی اقتداء کی۔ کیونکہ احادیث ایک دوسری کی تشریح کرتی ہیں۔

سوال:۔ انبیاء تو مر کر دار آخرت میں پہنچ چکے ہیں۔ اور دار آخرت دار عمل نہیں۔ پھر ان کی نماز کیسی؟

جواب:۔ زرقانی[2] خود ہی یہ سوال کر کے خود ہی اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ کہ اس سوال کا جواب قاضی عیاض نے دیا ہے، اور سبکی نے اسکی پیروی کی ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام شہداء کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی افضل ہیں۔ اور شہداء اللہ کے ہاں زندہ ہیں۔ اور رزق پاتے ہیں۔ لہٰذا انبیاء کا حج کرنا اور نماز پڑھنا کوئی بعید بات نہیں۔ اور نہ ہی یہ بعید ہے۔ کہ وہ جس عبادت سے بھی ہو سکے اللہ کا قرب حاصل کریں۔ کیونکہ انبیاء اگرچہ وفات پا چکے ہیں۔ مگر پھر بھی ابھی دنیا میں ہیں۔ اور دنیا دار عمل ہے چنانچہ جب مدت دنیا ختم ہو جائیگی۔ اور اس کے بعد آخرت جو دار جزاء ہے آئیگی۔ تو اس وقت ان کا عمل بھی منقطع ہو جائیگا مختصر یہ کہ جہاں تک انبیاء کے استکثار عمل اور اپنے اجر کو بڑھانے کا تعلق ہے، برزخ پر دنیا کے احکام ہی جاری ہونگے مزید آں آخرت میں عبادت بطور فرضیت کے نہ ہوگی۔ مگر پھر بھی لذت و انکساری کے طور پر اعمال جاری رہینگے۔ اسلئے یہ ثابت ہے

---

[1] زرقانی: ۲: ۴۹ - ۵۰ [2] زرقانی: ۵: ۳۳۲ - ۳۳۴،

اہل جنت تسبیح بیان کریں گے۔ دعا کریں گے اور قرآن پڑھیں گے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ اہل جنت کو بذریعہ الہام تسبیح بیان کرنا اسی طرح سکھایا جائے گا جس طرح سانس لینا سکھایا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان :۔

دَعْوٰاهُمْ فِيْهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ

کا یہی مفہوم ہے،

ذرا غور کریں۔ کہ شفاعت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ میں پڑ جانا کیا یہ عبادت اور عمل نہیں پھر وہ صورت برزخ میں ان اعمال سے کوئی چیز مانع نہیں،

ثابت بنانی کا قبر میں نماز پڑھنا ثابت بنانی تابعی[1] سے صحیح روایت میں یہ بھی ثابت ہے، کہ انہوں نے دعا کی کہ اے خدا اگر تو نے کسی کو یہ فضیلت عطا کی ہے۔ کہ وہ قبر میں نماز پڑھتا ہے، تو مجھے بھی یہ فضیلت عطا کرنا۔ چنانچہ وفات کے بعد انہیں قبر میں نماز پڑھتے دیکھا گیا۔

اس کے ثبوت کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھنا کافی ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے، کہ جب تک انبیاء کو دنیا اور آخرت میں اختیار نہیں دیا گیا۔ اس وقت تک ان کی روح قبض نہیں کی گئی۔ اور یہ ایک یقینی امر ہے کہ اگر وہ دنیا میں زندہ رہتے تو وہ نیک عمل بدستور کئے جاتے۔ اور اس کے بعد جنت میں جاتے۔ اگر انہیں یہ معلوم ہوتا کہ اللہ کے پاس منتقل ہو جانے سے ان کو زیادہ کمال حاصل نہ ہوگا۔ تو وہ آخرت کو اختیار نہ کرتے اور اگر دنیا سے منتقل ہو جانے سے ان سے وہ اعمال چھوٹ جاتے جن سے انہیں اللہ کا اور قرب حاصل ہوتا۔ تب بھی وہ آخرت کو اختیار نہ کرتے۔ انتہی

زرقانی کا ایک اور بیان آنحضرت[2] صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ آپ قبر میں زندہ ہیں۔ بیہقی[3] کہتے ہیں یہ اس لئے کہ انبیاء کرام کی روح قبض کئے جانے کے بعد پھر انہیں لوٹا دی جاتی ہے۔ لہٰذا وہ شہداء کی طرح اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کی ایک جماعت کو دیکھا۔ اور آپؐ نے نماز میں ان کی امامت بھی کی۔ آپؐ نے یہ بھی بتلایا ہے۔ اور آپؐ صادق القول ہیں۔ کہ ہمارا درود آپؐ پر پیش کیا جاتا ہے اور ہمارا سلام آپؐ کو پہنچتا ہے .... اور یہ بھی بتلایا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کیلئے انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام قرار دیا ہے، سیوطی کہتے ہیں کہ شاید ہی کوئی نبی ہوا ہوگا جس میں نبوت اور شہادت کے دونوں وصف پائے گئے ہوں گے، لہٰذا انبیاء اللہ تعالیٰ کے فرمان :۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا (الآیہ)

کے تحت آجاتے ہیں۔

احمد، ابو یعلیٰ[4]، طبرانی، حاکم اور بیہقی نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ میں نو بار قسم کھا کر کہنا زیادہ پسند کرتا ہوں

---

[1] نیز ملاحظہ ہو صفحہ ۷۰، ابو محمد ثابت بن اسلم بنانی بصری تابعی۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ ایک دن اور ایک رات میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے، ابوبکر مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بڑھ کر کوئی عابد نہیں دیکھا۔ [2] زرقانی : ۵ : ۳۳۲ تا ۳۳۷ [3] نیز ملاحظہ ہو انباء الاذکیاء صفحہ ۲۴۷) [4] نیز ملاحظہ ہو انباء الاذکیاء صفحہ ۲۴۳ تا ۲۵۳)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے بہ نسبت اس کے کہ ایکبار بھی قسم کھا کر کہوں کہ آپؐ شہید نہیں ہوئے، یہ اس لئے کہ اللہ نے آپؐ کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی۔ بخاری اور بیہقی نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں فرماتے تھے، کہ جو کھانا میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ اس کا درد میں متواتر محسوس کرتا رہا۔ مگر اب اس زہر کے اثر سے میری رگِ دل کٹ گئی ہے، نیز یہ کہ آپ قبر میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ اور انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے، کہ وہ قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

اسی لئے تو بعض کہتے ہیں کہ آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی ازواج مطہرات کیلئے کوئی عدت نہیں۔ کیونکہ آپؐ تو قبر میں زندہ ہیں۔ اور ان کی زوجیت برقرار ہے اور جب زوجیت باقی رہی تو عصمت بھی باقی رہی۔ اس قول کے کہنے والے کے خیال میں جب آپکی روح آپؐ کو لوٹا دی گئی تو آپؐ گویا ایسے ہیں جیسے فوت ہی نہیں ہوئے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپؐ قطعاً فوت ہی نہیں ہوئے،

قبر شریف سے اذان کی آواز کا آنا؛

ابوالحسن محمد بن الحسن بن زبالہ متوفی قبل از ۲۰۰ھ اور ابن النجار نے حکایت کی ہے کہ ایام حرۃ[1] میں تین دن مسجد نبوی میں اذان نہیں ہوئی اور لوگ مسجد سے نکل کر چلے گئے۔ مگر سعید بن المسیب[2] مسجد ہی میں رہے سعید کہتے ہیں کہ مجھے خوف لگنے لگا۔ تو میں قبر شریف کے پاس چلا گیا۔ پھر جب ظہر کا وقت ہوا تو میں نے قبر میں سے اذان کی آواز سنی اور میں نے ظہر کی نماز پڑھی۔ ہر نماز کیوقت یہ اذان اور اقامت اسی طرح جاری رہی۔ تا آنکہ جب تین راتیں گذر گئیں اور لوگ مسجد میں آگئے اور موذن بھی آگئے۔ تو میں نے ان کی اذان اسطرح سنی جس طرح میں قبر سے سنا کرتا تھا۔

ایک اعتراض آپ تو کہتے ہیں کہ انبیاء زندہ ہیں۔ مگر قرآن تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات پا جانے کی خبر دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ۝

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا ہے:- إِنِّي امْرُؤٌ مَقْبُوضٌ

نیز یہ کہ صدیق اکبرؓ نے فرمایا:- مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ اور تمام مسلمانوں کا اجماع[3]

---

[1] حرہ مدینہ منورہ کے باہر سیاہ پتھروں والی زمین ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتھر جل کر سیاہ ہو گئے ہیں۔ جب اہل مدینہ نے یزید کو خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا۔ اور انہوں نے قریش پر عبداللہ بن مطیع کو حاکم مقرر کیا۔ اور انصار پر عبدالرحمن بن حنظلہ بن ابی عامر کو، اور جو حاکم یزید کیطرف سے مقرر کیا تھا۔ اسے اور اس کے چچازاد بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ سے نکال دیا۔ تو یہاں ۶۳ھ میں اہل مدینہ اور یزید کی فوج کے درمیان جنگ ہوئی۔ یزید کی فوج ۲۷ ہزار گھوڑ سوار اور ۱۵ ہزار پیادہ فوج پر مشتمل تھی۔ اس واقعہ میں صحابہ اور دیگر لوگوں کی بہت بڑی تعداد قتل ہوئی۔ مدینہ کو خوب لوٹا گیا۔ اور ایک ہزار کنواری لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی۔ بخاری میں سعید بن المسیب سے روایت ہے۔ کہ اس واقعہ میں اصحاب بدر میں سے کوئی صحابی نہ بچ سکا۔ (وفاء الوفاء ۱: ۹۰)

[2] سعید بن المسیب جلیل القدر تابعی ہیں۔ انہوں نے خلفاء اربعہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اپنے زمانہ میں مدینہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ۱۰۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

[3] ملاحظہ ہو انباء الاذکیاء جہاں اسکی متعدد روایتیں دی ہیں۔ فیض الباری ۲: ۲۴ اور شرح الصدور: ۱۴۲ اور زرقانی ۵: ۲۰۸ جذب القلوب: ۵۰۔

کے لئے موت کا لفظ استعمال کرنے پر اتفاق ہے۔ حضرت عمرؓ نے پہلے تو یہی کہا۔ مگر جب ابوبکرؓ کی بیعت ہو چکی تو انہوں نے آنحضرت[۲] کے منبر پر چڑھ کر کہا:۔

کل میں نے ایک بات کہی تھی مگر در حقیقت وہ بات نہ تھی۔ اللہ کی قسم نہ تو وہ بات قرآن میں تھی۔ اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسا فرمایا تھا۔ لیکن میں امید کرتا تھا کہ آپؐ زندہ رہیں گے اور سب سے آخر آپ کی وفات ہو گی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے وہ انعامات و اکرامات پسند فرمائے جو اللہ کے پاس تھے،

جواب:۔ تقی الدین سبکی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات تو فرما چکے۔ مگر یہ موت مستقل اور جاری نہ رہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کے بعد زندہ کر دیا گیا۔ آپؐ کے املاک وغیرہ کو اور ورثاء کی طرف اس صورت میں منتقل کیا جا سکتا تھا۔ اگر یہ موت جاری رہتی ورنہ یہ دوسری زندگی اُخروی زندگی ہے۔ اور یہ زندگی شہداء کی زندگی سے بلا شک و شبہ اعلیٰ و اکمل ہے۔ اس لئے کہ انبیاءؑ و شہداء سے افضل ہیں۔ اہل سنت کے ہاں روح کے زندہ ہونے میں قطعاً اختلاف نہیں ہے، یہ بھی ثابت شدہ امر ہے، کہ انبیاء کے بدن بوسیدہ نہیں ہوتے مزید برآں شہداء کا تو کہنا ہی کیا تمام اموات کے بدنوں میں رُوح کا لوٹایا جانا صحیح احادیث میں ثابت ہو چکا ہے۔ اور انبیاءؑ تو شہیدوں سے بھی افضل ٹھہرے بحث صرف اثبات میں ہے، کہ کیا یہ رُوح بدن میں بدستور رہتی ہے۔ اور کیا بدن اسی طرح زندہ ہو جاتا ہے جس طرح دنیا میں تھا۔ یا روح کے بغیر زندہ رہتا ہے۔ اور رُوح وہاں ہوتی ہے جہاں اللہ لے جاتا۔ اس لئے کہ زندگی کے لئے روح کا ساتھ ہونا امر عادی ہے۔ عقلی نہیں ہے، اور عقل رُوح کے بغیر زندہ ہونے کو جائز قرار دیتی ہے، لہٰذا جب صحیح روایت مل جائے۔ تو اسکی پیروی کی جائیگی۔ چنانچہ علماء کی ایک جماعت نے ایسا ذکر بھی کیا ہے، اور موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا اس امر کا شاہد ہے قرطبی نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السّلام کو بیداری کے عالم میں حقیقی طور پر دیکھا۔ اور یہ کہ حضرت موسیٰ قبر میں زندہ ہیں۔ جس طرح دنیاوی زندگی میں نماز پڑھا کرتے تھے اسی طرح اب بھی پڑھتے ہیں۔ اور یہ ممکن ہے۔ کیونکہ نماز کے لئے زندہ جسم کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح انبیاء کی تمام وہ صفات ہیں۔ جن کا ذکر معراج کے بیان میں آیا ہے۔ اس لئے کہ یہ صفات تمام کی تمام جسم کی صفات ہیں۔ اس زندگی کا حقیقی طور پر زندہ ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں۔ کہ بدن کو بعینہٖ اسی طرح کھانے پینے کی ضرورت ہو جس طرح دنیا میں ضرورت پڑتی تھی۔

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے کہ انبیاءؑ، شہداء اور علماء کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔ اور انبیاءؑ اور شہداء اپنی قبروں میں کھاتے ہیں، پیتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں۔ اور حج کرتے ہیں۔ انہیں ان کی نماز اور حج وغیرہ کا ثواب بھی ملتا ہے مگر وہ ان اعمال کے کرنے کے مکلف نہیں بلکہ وہ ان سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ ان کے جسموں کی کچھ اور ہی کیفیت ہوتی ہے، ان کے حقیقی طور پر زندہ ہونے میں کوئی ایسی بات نہیں جسے عقل محال قرار دے،

اب رہا ادراکات مثلاً علم یا سماع تو بلا شک و شبہ یہ دونوں صفات ان میں پائی جاتی ہیں۔ نہیں بلکہ ہر میت میں

---

[۱] ملاحظہ ہو زرقانی: ۵: ۳۳۲ تا ۳۳۷ نیز ملاحظہ ہو مشارق الانوار: ۵۴،

پائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے،

قرطبی کا بیان قرطبیؒ نے تذکرہ میں اپنے شیخ سے بیان کیا ہے، کہ موت عدم محض یعنی کلی فنا کا نام نہیں۔ موت تو ایک حالت سے نکل کر دوسری حالت میں جانے کا نام ہے، اس کی دلیل یہ ہے، کہ شہداء قتل ہو جانے کے بعد اپنے رب کے پاس زندہ ہیں کھاتے ہیں اور خوش ہیں۔ اور یہ تمام صفات وہی ہیں جو دنیا میں زندہ لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ جب شہداء کا یہ حال ہے تو انبیاءؑ تو اس سے کہیں زیادہ کے مستحق ہیں۔ یہ بھی صحیح حدیث میں ہے، کہ زمین انبیاءؑ کے جسموں کو نہیں کھاتی اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات معراج کی رات بیت المقدس میں انبیاءؑ سے ہوئی اور آپؐ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ جو شخص آپ کو سلام کہتا ہے، آپ اس کا جواب دیتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ یہ تمام امور ایسے ہیں۔ جن سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ انبیاءؑ کی موت صرف اسی قدر ہے کہ وہ ہم سے غائب ہو کر ایسی جگہ چلے گئے کہ اب ہم ان کو نہیں پا سکتے، اگرچہ وہ موجود اور زندہ ہیں۔ اور سوائے ان اولیاء اللہ کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایات سے نوازا ہے۔ ہم میں سے کوئی شخص ان کو نہیں دیکھ سکتا، انتہیٰ

سوال:۔ معراج والی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور پھر آسمان میں بھی دیکھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ انبیاءؑ مقید نہیں ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں۔ اور پھر واپس چلے آتے ہیں یا یہ کہ انبیاءؑ کی روحیں بدن سے جدا ہو کر رفیق اعلیٰ میں ہوتی ہیں۔ مگر روح کا دھیان اور تعلق بدن سے قائم رہتا ہے، لہٰذا وہ ایک دوسرے کو پہچاننے اور قریب ہونے پر قادر رہیں۔ تاکہ سلام کرنے والے کا جواب دے سکیں۔ اسی اصول کی بنا پر آپؐ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ اور آسمان پر بھی دیکھا۔ اسی طرح دیگر انبیاءؑ کو بیت المقدس میں بھی دیکھا اور آسمان پر بھی۔ جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہیں اور آپؐ کا بدن آپکی قبر میں ہے، اور آپ سلام کرنیوالے کی سلام کا جواب دیتے ہیں۔[1]

حافظ ابن قیم کا بیان اس سوال کے جواب میں حافظ ابن قیم نے نہایت عمدہ بحث کی ہے میں پہلے اصل عبارت پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد ترجمہ پیش کروں گا۔

وقد نقل[2] ابن اسحٰق عن عائشۃؓ ومعاویۃؓ انھما قالا انما کان الاسراء بروحہ ولم یفقد جسدہٗ ۔ ونقل عن الحسن البصری نحو ذلک ولکن ینبغی ان یعلم الفرق بین ان یقال کان الاسراء مناما وبین ان یقال کان بروحہ دون جسدہ، وبینھما فرق عظیم۔ وعائشۃؓ ومعاویۃ لم یقولا کان مناما، وانما قالا اسری بروحہ ولم یفقد جسدہٗ وفرق بین الامرین، فان ما یراہ النائم قد یکون امثالا مضروبۃ للمعلوم فی الصور المحسوسۃ فیری کانہ قد عرج بہ الی السماء او ذھب بہ الی مکۃ واقطار الارض وروحہ

---

[1] زرقانی : ۵ : ۳۳۲–۳۳۷ ، اور کتاب الروح : ۴۳ [2] زاد المعاد : ۲ : ۶۸–۶۹ ۔

لم تصعد ولم تذهب وانما ملك الرؤيا ضرب له المثال،

والذين قالوا اعرج برسول الله صلى الله عليه وسلم طائفتان، طائفة قالت عرج بروحه وبدنه وطائفة قالت عرج بروحه ولم يفقد بدنه وهؤلاء لم يريدوا ان المعراج كان مناما وانما ارادوا ان الروح ذاتها اسرى بها وعرج بها حقيقة وباشرت من جنس ما تباشر بعد المفارقة وكان حالها في ذلك كحالها بعد المفارقة في صعودها الى السموت سماء سماء حتى ينتهى بها الى السماء السابعة فتقف بين يدي الله عز وجل فيأمر فيها بما شاء، ثم تنزل الى الارض، فالذى كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة الاسراء اكمل مما يحصل للروح عند المفارقة ومعلوم ان هذا امر فوق ما يراه النائم لكن لما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في مقام خرق العوائد حتى شق بطنه وهو حي لا يتألم بذلك عرج بذات روحه المقدسة حقيقة من غير اماتة، ومن سواه لا ينال بذات روحه الصعود الى السماء الا بعد الموت والمفارقة،

فالانبياء انما استقرت ارواحهم هناك بعد مفارقة الابدان وروح رسول الله صلى الله عليه وسلم صعدت هناك في حال الحياة ثم عادت وبعد وفاته استقرت في الرفيق الاعلى مع ارواح الانبياء ومع هذا فلها اشراف على البدن واشراق وتعلق به بحيث يرد السلام على من سلم عليه وبهذا التعلق رأى موسى قائما يصلي في قبره ورآه في السماء السادسة ومعلوم انه لم يعرج بموسى من قبره ثم رد اليه وانما ذلك مقام روحه واستقرارها الى يوم معاد الارواح الى اجسادها، فرآه يصلي في قبره ورآه في السماء السادسة كما انه صلى الله عليه وسلم في ارفع مكان في الرفيق الاعلى مستقرا هناك وبدنه في ضريحه غير مفقود واذا سلم عليه المسلم رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام ولم يفارق الملأ الاعلى ، ومن كثف ادراكه وغلظت طباعه عن ادراك هذا فلينظر الى الشمس في علو محلها وتعلقها وتأثيرها في الارض وحياة النبات والحيوان بها، هذا، وشان الروح فوق هذا فلها شان وللابدان شان وهذه النار تكون في محلها وحرارتها تؤثر في الجسم البعيد عنها مع ان الارتباط والتعلق الذي بين الروح والبدن اقوى واكمل من ذلك واتم فشان الروح اعلى من ذلك والطف،

فقل للعيون الرمد اياك ان ترى ۔ سنا الشمس فاستغشي ظلام اللياليا

ترجمہ: ابن اسحٰق نے حضرت عائشہؓ اور معاویہ سے نقل کیا ہے، کہ انہوں نے فرمایا کہ معراج صرف آنحضرتؐ کی روح کو ہی

لہ حافظ ابن قیم کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی تھی، چنانچہ اس سے پہلی فصل (بقیہ حاشیہ ۵۹ پر ملاحظہ ہو)

اور آپؐ کا جسم مفقود نہیں ہوا حسن بصری سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے، مگر ان دونوں اقوال میں فرق معلوم کر لینا ضروری ہے
ایک یہ کہنا کہ معراج نیند کی حالت میں ہوئی، دوسرے یہ کہنا کہ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو بدن کے بغیر ہوئی
ان دونوں اقوال میں بہت بڑا فرق ہے، حضرت عائشہؓ اور امیر معاویہؓ نے یہ نہیں کہا کہ معراج خواب کی حالت میں ہوئی، وہ تو دونوں
کہتے ہیں کہ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو ہوئی اور آپؐ کا جسم مفقود نہیں ہوا، ان دونوں میں بڑا فرق ہے، کیونکہ جو کچھ
خوابیدہ انسان دیکھتا ہے، اس میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ ایک معلوم شئی کو مثالی طور پر صور محسوسہ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔
چنانچہ خوابیدہ انسان کبھی دیکھتا ہے کہ اسے آسمان پر لے جایا گیا۔ یا یہ کہ مکہ لیجایا گیا۔ یا اطراف دنیا میں حالانکہ اس کی روح
نہ اوپر گئی ہوتی ہے، نہ کہیں اور صرف خواب کے فرشتے نے اس کے لئے ایک مثال بیان کر دی ہوتی ہے

جو لوگ معراج کے قائل ہیں۔ ان کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے، کہ آپکی روح اور بدن دونوں کو معراج ہوئی
دوسرا گروہ کہتا ہے، کہ معراج صرف روح کو ہوئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مفقود نہیں ہوا۔ اس گروہ کا یہ مقصد
نہیں کہ معراج خواب کی حالت میں ہوئی۔ ان کی مراد صرف یہ ہے، کہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو معراج
ہوئی، اور اسے تمام وہ کیفیات حاصل ہوئیں جو اسے بدن سے جدا ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہیں۔ ایک ایک کر کے آسمانوں
پر چڑھنے میں اس کی وہی حالت تھی۔ جو بدن سے جدا ہونے کے بعد ہوتی ہے، تا آنکہ وہ ساتویں آسمان تک پہنچتی ہے۔
پھر اللہ کے سامنے جا کھڑی ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں۔ اس کے بارے میں حکم کرتے ہیں۔ اور وہ اتر کر زمین
پر چلی آتی ہے۔ مگر جو کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات ہوئی وہ بہ نسبت اس کیفیت کے جو روح کو
بدن سے جدا ہوتے وقت، حاصل ہوتی ہے۔ زیادہ کامل اور اقوی تھی۔ یہ تو معلوم ہی ہے، کہ یہ کیفیت اس کیفیت سے
کہیں بڑھ چڑھ کر ہوتی ہے، جسے خوابیدہ انسان دیکھتا ہے، لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و
مرتبہ ایسا تھا، کہ آپؐ سے خارق عادت امور ظہور پذیر ہوتے رہتے یہاں تک کہ زندہ ہونے کی
حالت میں آپ کا پیٹ چیرا گیا۔ مگر آپ کو کوئی درد و تکلیف نہ ہوئی۔ اسی طرح بغیر اس کے کہ آپ پر موت
واقع ہو آپکی روح مقدس کو حقیقۃً معراج کرائی گئی حالانکہ آنحضرتؐ کے سوا کسی اور کی روح بذات خود مرنے اور بدن سے جدا
ہونے کے بعد ہی آسمانوں کو جا سکتی ہے، چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح اس وقت آسمان پر قرار پائیں جب وہ بدن سے جدا
ہو چکی تھیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح عین حیات ہی میں وہاں تک چڑھ گئی اور پھر لوٹ آئی۔ اور پھر آپ کی
وفات کے بعد آپؐ کی روح نے دیگر انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں جگہ لی۔ اس کے باوجود بدن کی طرف
روح کی توجہ لگی رہتی ہے، یہ اپنی روشنی بدن پر ڈالتی ہے، اور اس کے ساتھ اس کا تعلق قائم ہوتا ہے، بایں طور کہ جب

(صفحہ ۱۵۸ کا بقیہ) (زاد المعاد: ۲، ۶۶) میں لکھتے ہیں۔ ثم اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجسدہ
مذکورہ بالا عبارت میں وہ ان لوگوں کے نقطۂ نگاہ سے بحث کر رہے ہیں۔ جن کے نزدیک معراج روحانی ہوئی ذرا غور فرمائیں کہ اس صورت میں جسم مبارک تو اپنے
بستر پر جبکہ روح سماوات کی سیر کر رہی ہے، مگر جسم مبارک پھر بھی زندہ ہے، اور آپؐ زندہ تھے، البتہ جب اس دنیا کے اندر بھی یہ واقع ہو سکتا ہے، کہ روح کہیں ہو
اور جسم کہیں اگر پھر بھی جسم زندہ ہو تو برزخ میں بدرجہ اولیٰ ہو سکتا ہے، کہ روح ملاء اعلیٰ میں ہے اور جسم قبر شریف میں اور جسم زندہ ہو، اس سے پہلے اس کتاب میں
بحث ہو چکی ہے، کہ جسم کے زندہ ہونے کے لئے روح کا ساتھ ہونا ضروری نہیں ۱۲۔

کوئی سلام کرتا ہے تو آپؐ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اسی تعلق کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ اور پھر انہیں چھٹے آسمان میں دیکھا۔ اور یہ تو معلوم ہی ہے، کہ موسیٰ علیہ السلام کا بدن قبر سے اٹھا کر آسمان پر لے جایا نہیں گیا۔ کہ پھر لوٹایا جاتا ہے تو صرف ان کی رُوح کا مقام ہے۔ اور یہ قیامت تک رُوح کے ٹھہرنے کی جگہ ہے لہٰذا انہیں قبر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا اور چھٹے آسمان پر بھی جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ میں ہیں۔ اندریں آپؐ کی قرارگاہ ہے، مگر آپؐ کا جسم آپؐ کی قبر میں موجود ہے۔ گم نہیں ہوا، اور جب کوئی سلام کرنے والا آپؐ کو سلام کہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ آپؐ کی رُوح کو لوٹا دیتے ہیں۔ تاکہ آپؐ سلام کا جواب دیں حالانکہ آپؐ وہیں کے وہیں رفیق اعلیٰ میں ہوتے ہیں وہاں سے جدا نہیں ہوتے،

موٹی عقل والے اور گاڑھی طبیعت والے کو چاہیئے۔ کہ سورج کیطرف دیکھے کہ کسقدر بلند ہے، مگر اسکی تعلق اور تاثیر زمین اور نباتات و حیوانات پر جاری ہے، حالانکہ رُوح کی کیفیت اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، رُوح کی کچھ اور کیفیت ہے اور بدن کی کچھ اور آگ کو دیکھو کہ اپنی جگہ پر ہوتی ہے مگر اس کی حرارت اس جسم میں اثر کرتی ہے، جو اس سے دُور ہوتا ہے، حالانکہ وہ رَبط و تعلق جو رُوح اور بدن کے درمیان ہے، وہ اس سے زیادہ قوی، زیادہ کامل اور زیادہ تام ہوتا ہے۔ لہٰذا رُوح کی کیفیت اس سے اعلیٰ اور الطف ہوئی،

آشوب چشم کے مریضوں کو کہدو کہ سورج کی روشنی سے بچیں اور رات کی تاریکی میں ہی رہیں ورنہ ....)

اُمت کے اعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، بزار نے سند جید سے ابن مسعود سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

حَيَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ تُحَدِّثُونَ وَيُحَدَّثُ لَكُمْ وَوَفَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ، تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللهَ عَلَيْهِ وَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ اسْتَغْفَرْتُ لَكُمْ،

میری زندگی بھی تمہارے لئے اچھی ہے، کیونکہ تم بھی مجھ سے باتیں کرتے ہو اور میں بھی تم سے کرتا ہوں۔ (یعنی اسطرح حالات کا پتہ چلتا رہتا ہے) اور میری وفات بھی تمہارے لئے اچھی ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے، اگر اچھے ہوں گے تو خدا کا شکریہ ادا کروں گا۔ اور اگر بُرے ہوں گے تو تمہارے لئے استغفار کروں گا،

اعمال روزانہ پیش ہوتے ہیں عبد اللہ بن مبارک نے سعید بن المسیب سے روایت کی ہے، کہ انہوں نے کہا،[۲]

لَيْسَ مِنْ يَوْمٍ إِلَّا وَتُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْمَالُ أُمَّتِهِ غُدْوَةً وَعَشِيًّا فَيَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ وَأَعْمَالِهِمْ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر روز امت کے اعمال صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں۔ اور آپ انہیں ان کے علامات اور اعمال سے پہچان لیتے ہیں۔

زرقانی کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیک اعمال پر شکر ادا کرتے ہیں۔ اور بُرے اعمال پر ان کے لئے استغفار

---

[۱] البدایہ والنہایہ : ۵ : ۲۷۵ زرقانی : ۵ : ۳۳۲ - ۳۳۷ [۲] مشارق الانوار : ۵۶ ، زرقانی : ۵ : ۳۳۲ - ۳۳۴،
اور تفسیر مظہری سورۃ نساء زیر آیت وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا صفحہ ۱۰ اور آخری لفظ وَالْكِرَامُ فَلِذٰلِكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ دیکھیں (صفحہ ۱۶۱ پر ملاحظہ ہو)

کرتے ہیں کیونکہ ہو سکتا ہے، کہ جب بداعمال والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ میرے اعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوتے ہیں، تو وہ ان اعمال سے باز آجائے، یہ حدیث اس حدیث کے مخالف نہیں جس کی روایت حکیم ترمذی نے کی ہے، کہ اعمال پیر اور جمعرات کے دن اللہ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، اور انبیاء اور والدین کے سامنے جمعہ کے دن وہ انکی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں۔ اور ان کے چہرے اور زیادہ سفید اور چمکدار ہو جاتے ہیں۔ لہذا اللہ سے ڈرو اور اپنے مردگان کو دکھ نہ دو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہر روز تو یہ اعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تفصیلی طور پر پیش ہوتے ہوں، اور تمام انبیاء پر جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں، جمعہ کے دن اجمالی طور پر پیش کئے جاتے ہوں۔ لہذا انہیں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز پایا گیا، کہ ہر روز تو آپ کی امت کے اعمال آپ پر تفصیلاً پیش ہوتے ہیں اور جمعہ کو اجمالاً۔

ایک بدوی کا واقعہ بدوی کا واقعہ بہت سے لوگوں نے بیان کیا ہے[۱۶۱] ان میں سے ایک امام ابو نصر بن الصباغ ہیں جنہوں نے اس واقعہ کو اپنی کتاب شامل ہیں محمد بن عبید اللہ بن عمرو بن معاویہ بن عمرو بن عتبہ بن ابی سفیان بن صخر بن حرب المعروف بہ عتبی متوفی ۲۲۸ھ سے روایت کیا ہے، نیز ابن النجار، ابن عساکر اور ابن الجوزی نے مثیر الغرام میں محمد بن حرب الہلالی سے نقل کیا ہے۔ کہ میں روضہ اطہر کی زیارت کے لئے آیا اور قبر کے سامنے بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک بدوی بھی زیارت کیلئے آیا اور کہا:۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا ہے،

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ○

اے نبی اگر یہ لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے کے بعد تمہارے پاس آجائیں اور اللہ سے معافی چاہیں اور آپ بھی ان کیلئے استغفار کریں، تو یہ اللہ کو تواب و رحیم پائیں گے۔

لہذا میں آپ کی خدمت میں اپنے گناہوں کی مغفرت چاہنے کیلئے آپ کی شفاعت کا طلبگار ہو کر حاضر ہوا ہوں، اور پھر اس نے یہ شعر پڑھے،

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُہٗ
فَطَابَ مِنْ طِیْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ

نَفْسِیْ الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ
فِیْهِ الْعَفَافُ وَفِیْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

پھر استغفار کرنے کے بعد وہ بدوی چلا گیا۔ عتبی کہتے ہیں کہ مجھے اونگھ آگئی تو اس حالت میں ......
میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ نے مجھے فرمایا، اے عتبی اسے جا کر بشارت دیدو کہ اللہ تعالیٰ نے میری سفارش کیوجہ سے اسے بخش دیا ہے، میں بیدار ہوا۔ اور اس کی تلاش میں نکلا مگر اس شخص کا کہیں پتہ نہ چلا،

[۱۶۱] محی الدین ابن العربی فتوحات مکیہ ۴: ۱۹۳ باب ۵۵۲) آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ (الآیہ)، کے تحت

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اعمال کے پیش کئے جانے کے متعلق ہم نے شروع حدیث پیش کی ہے محض سعید بن مسیب کے اثر پر اکتفا نہیں کی منکرین اس کا بھی انکار کردیں، فقط) (حاشیہ صفحہ ہذا ملاحظہ ہو زرقانی: ۵: ۳۳۲ - ۳۳۷، ۵۲ زرقانی: ۸: ۳۰۲ اور تفسیر ابن کثیر: ۱: ۵۱۹ زیر آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا (الآیہ)، جذب القلوب: ۲۱۴ - ۲۱۵، زمشرق الانوار: ۵۳

لکھتے ہیں ۔ اگر کوئی نفس پر ظلم کرنیوالا حق مشروع یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ہمارے پاس اب بھی ہیں ۔ کے پاس آئے اور استغفار کرے اگر صورت محمدیہ بحالت تجسد اسے دکھائی دے تو اُسے سمجھ لینا چاہیے کہ یہ آیت اسی کے حق میں ہے ۔ خواہ یہ کیفیت اسے خواب میں حاصل ہو ، خواہ بیداری میں اور اگر صورت محمدیہ بحالت تجسد دکھائی نہ دے تو پھر یہ شخص وہی شخص نہیں جس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ، لہذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے دکھائی دیں ، تو پھر دو صورتیں ہوں گی ۔ یا شخص اللہ سے استغفار کرے گا یا نہیں کرے گا ۔ اگر استغفار کرے اور صورت محمدیہ کو بھی اپنے حق میں استغفار کرتا ہوا نہ دیکھے ، کیونکہ آپ مؤمنین کے ساتھ رؤف و رحیم ہیں تو اسے جان لینا چاہیے کہ اس نے درحقیقت استغفار نہیں کیا ، کیونکہ اس مقام پر پہنچکر اس کے استغفار کرنے کا مطلب یہ ہے ، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے حق میں استغفار کرنا یاد دلایا جائے ، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار سے اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتے ہیں ۔

میں خود ۵۵ھ میں قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوا ، اپنے نفس پر ظلم کر چکا تھا اور آپ کی زیارت کے وقت میں نے اس آیت کو اسی طرح پڑھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت دکھائی دی ، قبولیت ہوئی ، اور اللہ نے میری حاجت پوری کر دی ۔

امت کا درود و سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتا ہے ۔

احمد ، نسائی ، بزار اور حاکم نے روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے

اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ عَنْ اُمَّتِيْ اُمَّتِي الْاِجَابَةِ السَّلَامَ[۱] (صفة الصفوة ۱ : ۱۷۰)

اللہ تعالیٰ کے سیاح فرشتے مجھ تک میری امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں ۔

سوال : ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو تمام امت کے تمام اعمال پیش کئے جاتے ہیں ۔ اور درود و سلام بھی ان اعمال میں شامل ہے ، لہذا اس کا الگ ذکر کرنے سے کیا مراد ہے ؟

جواب : ۔ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں ، مگر وہ فوراً اور اسی وقت پیش نہیں ہوتے لیکن درود شریف اسی وقت پیش کیا جاتا ہے ، چنانچہ دیلمی نے ابوبکرؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے ، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، ۔ اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ فَاِنَّ اللّٰهَ وَكَّلَ بِيْ مَلَكًا عِنْدَ قَبْرِيْ فَاِذَا صَلّٰى عَلَيَّ رَجُلٌ مِنْ اُمَّتِيْ قَالَ لِيْ ذٰلِكَ الْمَلَكُ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ يُصَلِّيْ عَلَيْكَ السَّاعَةَ[۱] ۔

مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے ۔ اور جب میری امت میں سے کوئی شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے ، تو یہ فرشتہ مجھے کہتا ہے ۔ اے محمد ! فلاں بن فلاں اس وقت آپ پر درود بھیج رہا ہے ۔

جب درود جونہی کہ بھیجا گیا بغیر توقف کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا ۔ اور دنیا میں کوئی وقت خالی نہیں جس میں کوئی نہ کوئی آپ کو درود نہ بھیج رہا ہو ، اسی لئے تو اس حدیث کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ ہونے کی دلیل بنایا

---

[۱] زرقانی : ۵ : ۳۳۱ - ۳۳۷ ز البدایہ والنہایہ : ۵ : ۲۷۵ اور تفسیر مظہری : ۷ : ۱۳ ام سورہ احزاب زیر آیت اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ

گیا۔ نیز یہ کہ آپ کی روح کبھی بھی آپ کے جسم سے جدا نہیں ہوتی [1]

بخاری نے تاریخ میں، طبرانی، عقیلی، ابن النجار اور ابوالقاسم اسماعیل بن محمد اصفہانی (م ۵۳۵ھ) نے ترغیب و ترہیب میں عمار بن یاسر سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اِنَّ لِلّٰہِ مَلَکاً اَعْطَاہُ سَمْعَ الْعِبَادِ کُلِّھِمْ فَمَا مِنْ اَحَدٍ یُّصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا اَبْلَغَنِیْھَا [2]

اللہ کا ایک فرشتہ ہے جسے اللہ نے تمام مخلوق کے سننے کی طاقت دی ہے، لہٰذا جب کوئی شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے، تو وہ اسے مجھ تک پہنچا دیتا ہے۔

طبرانی نے عمار بن یاسر سے یوں بھی روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اِنَّ لِلّٰہِ مَلَکاً اَعْطَاہُ اَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ کُلِّھَا وَھُوَ قَائِمٌ عَلٰی قَبْرِیْ اِذَا مِتُّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ فَلَیْسَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِیْ یُصَلِّیْ عَلَیَّ صَلٰوۃً اِلَّا سَمَّاہُ بِاِسْمِہٖ وَ اِسْمِ اَبِیْہِ وَقَالَ یَا مُحَمَّدُ صَلّٰی عَلَیْکَ فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ فَیُصَلِّی الرَّبُّ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی عَلَیْہِ بِکُلِّ وَاحِدَۃٍ عَشْرًا

اللہ کا ایک فرشتہ ہے، جسے اللہ نے تمام مخلوق کے سننے کے کان دیے ہیں۔ میرے مرنے کے بعد میری قبر پر قیامت تک کھڑا رہیگا۔ چنانچہ میری امت میں سے جو بھی مجھ پر درود بھیجے گا۔ تو وہ اس کا اور اس کے باپ کا نام لیکر مجھے بتلائے گا اور کہیگا اے محمد فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہر درود کے عوض میں اس پر دس رحمتیں بھیجیں گے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درود بھیجنے والے کا درود سننا

خطیب نے ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا وُکِّلَ اللّٰہُ بِھَا مَلَکاً یُبَلِّغُنِیْ [3] "جو شخص میری قبر پہ آکر مجھ پر درود بھیجتا ہے تو میں خود سنتا ہوں، اور جو دور سے درود بھیجے، اس کے لئے اللہ نے ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے، جو اس درود کو مجھ تک پہنچا دیتا ہے،

القول البدیع میں ہے، کہ جب درود پڑھنے والا قبر کے پاس ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاواسطہ اس درود کو سنتے ہیں۔ خواہ وہ جمعہ کی رات ہو یا کوئی اور رات،

بیہقی نے شعب الایمان اور حیاۃ الانبیاء میں اور سیوطی نے انباہ الاذکیاء میں حضرت انسؓ سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [4] :-

اِنَّ اَقْرَبَکُمْ مِنِّیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِیْ کُلِّ مَوْطِنٍ اَکْثَرُکُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً فِی الدُّنْیَا مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ

---

[1] انباہ الاذکیاء اور زرقانی : ۵ : ۳۳۲ - ۳۳۷،

[2] الخصائص الکبریٰ : ۲ : ۲۸۰ و زرقانی : ۵ : ۳۳۲ تا ۳۳۷ [3] انباہ الاذکیاء و الخصائص الکبریٰ : ۲ : ۲۸۰ اور زرقانی : ۵ : ۳۳۲ - ۳۳۷ [4] حیاۃ الانبیاء بیہقی و انباہ الاذکیاء و الخصائص الکبریٰ : ۲ : ۲۸۰ اور زرقانی : ۵ : ۳۳۲ - ۳۳۷،

بِذٰلِكَ مَلَكًا يُدْخِلُهُ فِيْ قَبْرِيْ كَمَا يُدْخَلُ عَلَيْكُمُ الْهَدَايَا. يُخْبِرُنِيْ بِمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ بِاِسْمِهٖ وَنَسَبِهٖ اِلٰى عَشِيْرَتِهٖ فَاُثْبِتُهٗ عِنْدِيْ فِيْ صَحِيْفَةٍ بَيْضَاءَ

انباہ الاذکیا:- میں بجائے فاثبتہ عندی فی صحیفۃ بیضاء کے اِنَّ عِلْمِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَعِلْمِیْ فِی الْحَیٰوۃِ ہے۔

قیامت کے دن ہر مقام پر مجھ سے قریب ترین شخص وہ ہوگا۔ جو دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجتا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو مقرر کر رکھا ہوگا جو اس درود کو میرے پاس اس طرح لائیگا جس طرح تمہارے ہاں تحفے پیش کئے جاتے ہیں۔ فرشتہ مجھے بتلائیگا کہ فلاں شخص نے آپ پر درود بھیجا ہے، اس کا نام اور اس کے قبیلہ کا نام بھی بتلائیگا۔ میں اسے ایک سفید رجسٹر میں درج کر لوں گا۔

انباہ الاذکیا میں "میں اسے ایک سفید رجسٹر میں درج کر لوں گا" کی بجائے یہ ہے۔ "مرنے کے بعد مجھے اسطرح علم ہوگا جس طرح دنیا میں ہے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام کرنیوالوں کا جواب دیتے ہیں

جلال الدین سیوطی انباہ الاذکیا میں لکھتے ہیں کہ احمد نے مسند میں، ابوداؤد نے سنن میں اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- (صفة الصفوة ۱: ۱۷)

مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ اِلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

جو شخص بھی مجھے سلام بھیجتا ہے، تو چونکہ اللہ نے مجھے میری روح واپس دے دی ہوتی ہے اس لئے میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں[۱]

سوال:- اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے، کہ جب کبھی کوئی شخص اپنے مومن بھائی کی زیارت کو جاتا ہے اور سلام کرتا ہے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے، لہٰذا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا خصوصیت پائی گئی،

جواب:- انبیاءؑ اور بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام کرنیوالے کے سلام کا جواب حقیقی طور پر جسم اور روح دونوں کے ساتھ دیتے ہیں، انبیاء اور شہداء کے علاوہ اوروں کا جواب ایسا نہیں ہوتا، اس لئے کہ وہ حقیقی جواب نہیں ہوتا۔ اور لوگوں میں چونکہ روح کا جسم کے ساتھ ایک قسم کا اتصال ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ جواب دے سکنے کے قابل ہوتے ہیں، حالانکہ ان کی ارواح ان کے اجسام میں نہیں ہوتیں اور اس میں جمعہ یا غیر جمعہ کی کوئی تخصیص نہیں۔ البتہ یہ اتصال جمعہ اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد نسبتاً زیادہ قوی ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کا آنحضرتؐ کی قبر پر سلام کہنا اور آنحضرتؐ کا جواب دینا

حاکم نے روایت کی ہے، اور اسے صحیح قرار دیا ہے، لَيَهْبِطَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا وَاِمَامًا مُقْسِطًا وَلَيَسْلُكَنَّ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ لَيَاْتِيَنَّ قَبْرِيْ

---

[۱] زرقانی: ۸: ۳۰۸ ز تفسیر مظہری میں شعب الایمان کی بجائے بیہقی کی دعوات کبیر کا حوالہ دیا ہے، ملاحظہ ہو تفسیر مظہری: ۷: ۴۱۳ سورۂ احزاب زیر آیت اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ الآیہ [۲] زرقانی: ۸: ۳۰۸،

حَتّٰی یُسَلِّمَ عَلَیَّ وَلَاَرُدَّنَّ عَلَیْہِ، حضرت عیسیٰؑ جب اتریں گے، تو وہ عادل منصف اور عادل امام ہوں گے، اور حج یا عمرہ کیلئے آئینگے، اور پھر میری قبر پر آکر مجھے سلام کریں گے اور میں ان کے سوال کا جواب دوں گا[1]

معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاءؑ سے ملاقات

امام احمدؒ کے ہاں ابن عباسؓ کی روایت ہے، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصیٰ میں پہنچے، اور نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو تمام انبیاءؑ نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی[2]

قاضی عیاض کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں تمام انبیاءؑ کے ساتھ نماز پڑھی ہو، پھر ان انبیاء میں سے وہی انبیاء آسمان پر گئے جن کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا ہے، کہ آپؐ نے انہیں آسمان پر دیکھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ آسمان سے واپسی پر وہ آپؐ کے ساتھ اتر کر آئے ہوں، اور آپؐ نے ان کے ساتھ نماز پڑھی ہو[3]

کسی اور نے کہا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان پر انبیاء کو دیکھنے سے مراد ان لوگوں کی روحوں کو دیکھنا ہے سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کیونکہ یہ حدیث میں ثابت ہے، کہ انہیں جسم کے ساتھ اٹھایا گیا۔ اسی طرح حضرت ادریسؑ کے متعلق کہا گیا ہے جن انبیاءؑ نے بیت المقدس میں آپکے ساتھ نماز پڑھی تھی، ان کے متعلق بھی دونوں احتمال ہیں، ہو سکتا ہے کہ روحیں ہوں اور ہو سکتا ہے، کہ روحیں مع اجسام کے ہوں، ظاہر بات یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان پر جانے سے پہلے بیت المقدس میں انبیاء کیساتھ نماز پڑھی، واللہ اعلم[4]،

حدیث معراج کے متعلق صحیحین کی روایت

صحیحین میں مالک بن صعصعہ اور ابوذرؓ سے روایت ہے، کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات انبیاءؑ سے ہوئی، اور آپؐ نے ان سے باتیں بھی کیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حلیے بھی بیان فرمائے، چنانچہ مسلم میں ہے،

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ،

وَقَدْ رَاَیْتُنِیْ فِیْ جَمَاعَۃٍ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ، فَاِذَا مُوْسٰی قَائِمٌ یُّصَلِّیْ فَاِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ کَاَنَّہٗ مِنْ رِّجَالِ شَنُوْءَۃَ، فَاِذَا عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ اَشْبَہُ النَّاسِ بِہٖ شَبَھًا عُرْوَۃُ بْنُ مَسْعُوْدٍ الثَّقَفِیُّ فَاِذَا اِبْرَاھِیْمُ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ اَشْبَہُ النَّاسِ بِہٖ صَاحِبُکُمْ یَعْنِیْ نَفْسَہٗ فَحَانَتِ الصَّلٰوۃُ فَاَمَمْتُھُمْ

میں نے آپؐ کو انبیاءؑ کی جماعت میں دیکھا، دیکھا تو موسیٰؑ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ چست و چالاک آدمی ہیں اور قبیلہ شنوءہ کے ایک آدمی معلوم ہو رہے ہیں، پھر عیسیٰؑ کو کھڑے نماز پڑھتے دیکھا۔ عروہ بن مسعود سے ان کا حلیہ بہت ملتا ہے، پھر ابراہیم علیہ السلام کو کھڑے نماز پڑھتے دیکھا، ان کا حلیہ میرے حلیے سے بہت ملتا ہے۔ پھر نماز کا وقت آیا۔ تو میں نے امامت کی،

[1] ترجمان السنۃ: ۳: ۵۹۲ بحوالہ در منثور: ۲: ۲۴۵ نیز ملاحظہ ہو انباء الاذکیا صفحہ ۲۴۵، [2] فتح الباری: ۷: ۱۶۴،
[3] فتح الباری: ۷: ۱۶۴،

اس حدیث کی شرح میں نووی لکھتے ہیں :-

قاضی عیاض کہتے ہیں ، کہ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے طواف کا ذکر کیا تھا ، تو وہاں ان کی نماز کے متعلق جواب دے دیا تھا۔ پھر کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے ، کہ یہاں نماز سے مراد ذکر اور دعا ہو ، اور یہ آخرت کے اعمال میں سے ہیں قاضی عیاض کہتے ہیں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا ہو ، اور پھر انبیاء کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی ہو ، اور پھر انہیں اپنے اپنے مرتبہ پر آسمان پر دیکھا ہو ، اور انہوں نے آپ کو سلام اور مرحبا کہا ہو ، اس کا جواب یہ ہے ، کہ ہو سکتا ہے ، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو رخ شریف کے پاس بیت المقدس کی طرف جاتے ہوئے آسمان کو چڑھنے سے پہلے دیکھا ہو ، اور پھر موسیٰ علیہ السلام آپ سے پہلے ہی آسمان پر پہنچ گئے ہوں ، یہ بھی احتمال ہے ، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کو اس وقت دیکھا ہو ، اور ان کے ساتھ نماز پڑھی ہو ، جبکہ آپ کی ان سے پہلی ملاقات ہوئی ہو ، اس کے بعد انہوں نے آپ کو سلام اور مرحبا کہا ہو یا سدرۃ المنتہیٰ سے واپسی پر آپ کا ان کے ساتھ اجتماع ہوا ہو ، اور ان کے ساتھ نماز پڑھی ہو ، اور موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہو ، واللہ اعلم ،

آنحضرت کا موسیٰ علیہ السلام کو حج کرتے دیکھنا ، صحیح مسلم میں ابن عباس سے روایت ہے ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ هَابِطًا مِنَ الثَّنِيَّةِ وَلَهُ جُؤَارٌ إِلَى اللهِ بِالتَّلْبِيَةِ

میں موسیٰ علیہ السلام کو گھاٹی سے اترتا ہوا دیکھ رہا ہوں ، اور وہ گڑگڑاتے ہوئے تلبیہ کہہ رہے ہیں ، اور اس پر نووی فرماتے ہیں[1] ،

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ باوجود اس کے کہ وہ اموات میں اور دار آخرت میں ہیں ، پھر وہ حج کیسے کرتے ہیں ، اور تلبیہ کیسے کہتے ہیں ، اس کے کئی ایک جواب ہیں ، ایک جواب یہ ہے ، کہ انبیاء شہدا کی طرح ہیں ، نہیں بلکہ ان سے بھی افضل ہیں ، اور شہداء اللہ کے ہاں زندہ ہیں ، لہٰذا ان کا حج کرنا اور تلبیہ کہنا کوئی بعید بات نہیں ، اور نہ ہی اس میں کوئی بعد ہے ، کہ ان سے جس طرح بھی ہو سکے اللہ کا قرب حاصل کریں ، اگرچہ وفات پا چکے ہیں ، مگر پھر بھی وہ اس دنیا کے اندر ہیں ، اور دنیا دار العمل ہے ، جب دنیا فنا ہو جائے گی اور آخرت آ جائے گی ، جو دار جزا ہے ، تو عمل بھی منقطع ہو جائے گا۔

حافظ ابن حجر کا بیان **اعتراض** یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کو آسمانوں پر دیکھا ہو ، حالانکہ ان کے اجسام قبروں میں ہیں ؛

جواب :- اس کا جواب یہ ہے کہ ارواح مختلف اشکال اختیار کر سکتی ہیں ، چنانچہ یہاں ان کی ارواح نے ان کے اجسام کی شکل اختیار کر لی۔ یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کیوجہ سے انبیاء کے اجسام کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لئے حاضر کیا گیا ہو ، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے ،

---

[1] مسلم مع نووی : ۲ : ۲۳۸ [2] مسلم مع نووی : ۲ : ۲۲۸ ، [3] فتح الباری : ۷ : ۱۶۶ ، اسی طرح عمدۃ القاری شرح البخاری للعینی : ۱۷ : ۲۶ ۔ طبع ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ (بدر الدین ابو محمد محمود بن العینی المتوفی ۸۵۵ھ) میں دیکھیے ۔

جسے عبدالرحمٰن بن ہاشم نے ان سے روایت کیا ہے، کہ

وَبُعِثَ لَهٗ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ مِنَ الْاَنْبِيَآءِ

(آدمؑ اور دیگر انبیاء کو آنحضرتؐ کی خاطر مبعوث کیا گیا۔)

بلقینی کا بیان قاضی القضاۃ جلال الدین بلقینی سے پوچھا گیا۔ کہ قیامت کے دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں پڑ جائیں گے، تو کیا اس وقت آپؐ کا وضوء ہوگا یا نہیں،

بلقینی نے جواب دیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل موت دیا گیا تھا اور وہ غسل اب تک قائم و باقی ہے، اس لئے کہ آپؐ قبر میں زندہ ہیں، اور آپؐ کے وضو، ٹوٹنے کی کوئی وجہ موجود نہیں۔[1]

اشعۃ اللمعات: ۴: ۲۷۰۔ قوله كأني انظر الى يونس على ناقة حمراء الخ۔ گفت بندۂ مسکین عبدالحق بن سیف الدین عفی اللہ عنہ ... والتمکین کہ بریں اتفاق است کہ حیات انبیا صلوات اللہ وسلامہ علیہم ہمیں بحیات حقیقی دنیاوی لیکن محجوب اند از نظر عوام پس بحقیقت موجود اند الخ۔ حبیب خود صلی اللہ علیہ وسلم بے مدام و بے مثال و بے اشتباہ و بے اشکال

---

[1] البدور السافرۃ: ۳۵ اور مشارق الانوار: ۱۶۵،

اَلاَّ رَدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ رُوْحِیْ ...... پر بحث ،

منکرین حیات انبیاء چونکہ انکار کا بہانہ ڈھونڈتے رہتے ہیں، اس لئے انہوں نے اپنے انکار پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے، راقم حروف کہتا ہے، کہ یہ ایک مشکل حدیث ہے، جس کے حل کرنے کی متعدد علماء نے کوشش کی ہے، اگر ان کے نزدیک انبیاء کا زندہ ہونا ایک امر محقق نہ ہوتا تو پھر اس حدیث میں بھی کوئی اشکال نہ ہوتا۔ اور حل آسان تھا، مگر چونکہ ان کے ہاں انبیاء کے زندہ ہونے کا مسئلہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے۔ اس لئے اس حدیث کے حل کرنے میں اشکال پیدا ہوا،

اب میں اس حدیث کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہوں، اس قسم کے الفاظ تین مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال کئے ہیں،

(۱) عامۃ المومنین کیلئے۔ میں اس سے پہلے ابن عبد البر کی روایت پیش کر چکا ہوں جس کے الفاظ یہ ہیں،

مَا مِنْ اَحَدٍ یَمُرُّ بِقَبْرِ اَخِیْهِ الْمُسْلِمِ کَانَ یَعْرِفُهٗ فِی الدُّنْیَا فَیُسَلِّمُ عَلَیْهِ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیْهِ رُوْحَهٗ حَتّٰی یَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ[۱]

(۲) شہداء کے لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصعب بن عمیرؓ کے پاس سے گذرے تو فرمایا :-

اَشْهَدُ اَنَّ هٰؤُلَاءِ شُهَدَاءُ عِنْدَ اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَاْتُوْهُمْ وَزُوْرُوْهُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا یُسَلِّمُ عَلَیْهِمْ اَحَدٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ اِلَّا رَدُّوْا عَلَیْهِ،

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق فرمایا ہے،

مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ ،

پہلی حدیث جس میں عامۃ المومنین کا ذکر ہے، ہمیں کوئی دقت پیش نہیں آتی اس لئے کہ مرنے کے بعد ان کے زندہ ہونے کا کہیں ذکر نہیں، البتہ بدن کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے، لہٰذا جب کوئی آکر انہیں سلام کہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ان کی روح کو انہیں لوٹا دیتے ہیں، تاکہ وہ سلام کا جواب دے سکیں، لہٰذا یہاں پر رد روح کو اپنے حقیقی معنوں میں لیں گے مجازی معنی لینے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ مجازی معنی کی طرف ہم اس وقت جاتے ہیں۔ جبکہ حقیقی میں کوئی بات مانع ہو، مگر یہاں کوئی مانع بھی نہیں،

دوسری حدیث میں جو شہداء کے متعلق ہے رد روح کے لوٹائے جانے کا ذکر نہیں ہے، صرف اس قدر ذکر ہے کہ وہ سلام کا جواب دیتے ہیں اور یہاں روح کے لوٹائے جانے کا ذکر کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، اسلئے کہ شہداء تو زندہ ہیں، جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا، لہٰذا یہاں بھی حدیث کے الفاظ اور معانی سے ہٹ کر مجاز کی طرف جانے کی کوئی ضرورت نہیں،

تیسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ جو شخص مجھے آکر سلام کرتا ہے، تو روح لوٹائی جاتی ہے، تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔ یہاں اشکال پیش آگیا۔

---

[۱] ملاحظہ ہو صفحہ ۳۵ - [۲] البدایہ والنہایہ: ۴: ۵۷ نیز ملاحظہ ہو صفحہ ۹۱ ،

یاد رکھیں کہ حیات انبیاء کا مسئلہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے۔ انبیاء کے زندہ ہونے کو یہاں تک تسلیم کیا گیا ہے، کہ علماء "صحابی" کی تعریف میں بھی اس مسئلہ کو لے آتے ہیں۔ چنانچہ زرقانی صحابی کی تعریف پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: صحابی کا اطلاق اس شخص پر ہوگا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا کی زندگی میں دیکھا ہو۔ اگر کسی نے آپ کو وفات کے بعد مگر دفن ہونے سے پہلے دیکھا ہو مثلاً ابو ذؤیب ہذلی شاعر جیسا کہ اصابہ میں ہے، تو اس کے متعلق امر راجح یہی ہے، کہ وہ صحابی نہیں ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ زندگی اخروی زندگی ہے جس کے ساتھ دنیاوی احکام کا کوئی تعلق نہیں، جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا، ورنہ وہ شخص جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو قبر معظم میں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہو، خواہ اس موجودہ زمانہ میں بھی کیوں نہ ہو صحابی شمار کیا جاتا۔ حالانکہ علماء نے اسے صحابی نہیں شمار نہیں کیا۔ یہ حافظ ابن حجر کا بیان ہے ....

....

اسی طرح ان اولیاء اللہ کو بھی صحابی شمار نہیں کیا جائیگا جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر کے اندر بطور کشف و کرامت کے دیکھا۔ جیسا کہ اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں ذکر کیا گیا۔ اس لئے کہ جن لوگوں نے اس شخص کے لئے کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن ہونے سے پہلے دیکھا۔ ان کا صحابی ہونا ثابت کیا ہے، مثلاً سراج بلقینی۔ ان کی دلیل یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدستور زندہ ہیں۔ مگر یہ کمزور دلیل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ زندگی دنیاوی زندگی نہیں بلکہ اخروی زندگی ہے جس پر دنیا کے احکام مترتب نہیں ہو سکتے[1] ....

....

یہ احکام ان لوگوں کے متعلق ہیں، جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کے عالم میں دیکھا۔

شہاب الدین ابن حجر مکی فرماتے ہیں[2]،

ثُمَّ رَأَيْتُ ابْنَ الْعَرَبِيِّ[3] صَرَّحَ بِمَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ أَنَّهُ لَا يَمْتَنِعُ رُؤْيَةُ ذَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرُوحِهِ وَجَسَدِهِ لِأَنَّهُ وَسَائِرَ الْأَنْبِيَاءِ أَحْيَاءٌ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ أَرْوَاحُهُمْ بَعْدَ مَا قُبِضُوا وَأُذِنَ لَهُمْ فِي الْخُرُوجِ مِنْ قُبُورِهِمْ وَالتَّصَرُّفِ فِي الْمَلَكُوتِ الْعُلْوِيِّ وَالسُّفْلِيِّ وَلَا مَانِعَ مِنْ أَنْ يَرَاهُ كَثِيرُونَ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ لِأَنَّهُ كَالشَّمْسِ وَإِذَا كَانَ الْقُطْبُ يَمْلَأُ الْكَوْنَ كَمَا قَالَهُ التَّاجُ ابْنُ عَطَاءِ اللّٰهِ[4] فَمَا بَالُكَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ أَنَّ الرَّائِيَ صَحَابِيٌّ... لِأَنَّ شَرْطَ الصُّحْبَةِ الرُّؤْيَةُ فِي عَالَمِ الْمُلْكِ وَهُوَ فِي عَالَمِ الْمَلَكُوتِ وَهِيَ لَا تُفِيدُ صُحْبَةً وَإِلَّا لَثَبَتَتْ لِجَمِيعِ أُمَّتِهِ لِأَنَّهُمْ عُرِضُوا عَلَيْهِ فِي ذٰلِكَ الْعَالَمِ فَرَآهُمْ وَرَأَوْهُ كَمَا جَاءَتْ بِهِ الْأَحَادِيثُ،

---

[1] زرقانی: ۷: ۲۸ - ۲۹ یاد رہے کہ صحابی ہونے کے لئے دیدار نبوی بحالت ایمان کی قید ہے، مگر چونکہ یہاں ذکر ہی مومنین کا ہو رہا ہے اس لئے "بحالت ایمان" کی قید کا ذکر نہیں کیا۔ [2] الفتاوی الحدیثیہ: ۲۵۶ [3] ابن العربی سے مراد قاضی ابو بکر ابن العربی ہے جن کی وفات ۵۴۳ھ میں ہوئی، یہ امام غزالی کے شاگردوں میں سے ہیں، یہاں محی الدین ابن عربی صوفی مشہور مراد نہیں ہیں،

[4] تاج الدین بن عطاء اللہ مشہور زاہد ہوئے ہیں، شیخ یاقوت اور شیخ ابو العباس مرسی کے شاگرد تھے، ان کی وفات ۷۰۹ھ میں ہوئی۔ التنویر فی اسقاط التدبیر، الحکم اور لطائف المنن ان کی تصانیف ہیں، (دوائر الانوار: ۲: ۱۹)

پھر میں نے دیکھا کہ ابن العربی نے صراحۃً وہی بات بیان کی ہے جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روح اور جسم کے ساتھ دیکھنے سے کوئی بات مانع نہیں، اس لئے کہ آپؐ اور باقی تمام انبیاء زندہ ہیں، وفات کے بعد انکی ارواح انکو لوٹادی گئی ہیں، اور ان کو اجازت دیدی گئی ہے، کہ وہ قبروں سے نکل کر علوی اور سفلی ملکوت میں تصرف کریں اور یہ بات بھی ناممکن نہیں کہ بیک وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کثیر التعداد لوگ دیکھ سکیں، اس لئے کہ آپؐ کی ذات کی مثال سورج کی سی ہے، جب قطب تمام دنیا کو بھر سکتا ہے، جیسا کہ التاج بن عطاء اللہ نے کہا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہوگا، اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دیکھنے والا صحابی ہو گیا، اس لئے کہ صحابی ہونے کے لئے اس دنیا میں جو عالم الملک ہے، دیکھنا شرط ہے، اور یہ دیدار تو ایسا ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم ملکوت میں جا چکے ہیں، اس سے کوئی صحابی نہیں بن سکتا، ورنہ ساری امت صحابی ہو جاتی، اس لئے کہ ساری امت آنحضرتؐ کے سامنے اس عالم میں پیش کی گئی، اور آپؐ نے انہیں دیکھا اور انہوں نے بھی آپؐ کو دیکھا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات زندہ ہیں، اور ان کی ارواح ان کو لوٹادی گئی ہیں، جیسا کہ اس سے پیشتر دلائل و شواہد سے واضح کر دیا گیا، تو اب ہمیں اس حدیث میں إلّا ردّ اللہ إليّ روحي کے معنی تلاش کرنے ہوں گے، علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اس حدیث کے معانی کو حل کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں[1]،

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے، کہ بعض اوقات آپؐ کی روح مبارک آپ کے جسد اطہر سے جدا ہوتی ہے، حالانکہ یہ مذکورہ بالا احادیث کے خلاف ہے،

میں نے اس حدیث پر غور کیا ہے، اور مجھے مندرجہ ذیل جوابات سوجھے ہیں.

پہلا جواب اور یہ جواب بہت ہی کمزور جواب ہے. کہ راوی کو حدیث کے کسی لفظ پر غلطی لگی ہے جس کی وجہ سے یہ اشکال پیدا ہوا ہے، علماء نے اس قسم کی غلطی کا ذکر کئی ایک احادیث کے سلسلہ میں کیا ہے. مگر چونکہ یہ بات تحقیقی بات نہیں اس لئے اس دعوی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا،

دوسرا جواب یہ بہت قوی جواب ہے، اور اسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جسے عربی زبان میں دسترس ہو جواب یہ ہے کہ ردّ اللہ جملہ حالیہ ہے، اور قانون عربی کے مطابق جب حال جملہ ہو اور فعل فعل ماضی ہو تو وہاں "قَدْ" مقدر ہوتا ہے، جس طرح اس آیت میں، أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ،

اسی طرح یہاں بھی چونکہ جملہ حالیہ میں فعل ماضی واقع ہوا ہے، اسی لئے "قَدْ" کا لفظ مقدر مانا جائیگا.

نیز یہ کہ "حتی" یہاں پر تعلیلیہ نہیں ہے، بلکہ محض عطف کے لئے ہے، اور یہاں پر واو کے معنی دے رہا

اب حدیث کا مطلب یوں ہوا:-

جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے، تو چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی مجھ پر میری روح لوٹادی ہوتی ہے، اس لئے میں

---

[1] دیکھیں انباہ الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء اسی طرح اس آیت میں حتّٰی اِذَا جَاءُوْهَا فُتِحَتْ [illegible] یعنی وقد فُتِحَتْ ابوابھا،

اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں ۔

اشکال صرف صورت میں پیدا ہوتا ہے، کہ ہم جملہ "رَدَّ اللّٰہ" کو بمعنی حال یا مستقبل کے لیں، اور "حتّٰی" کو تعلیلیہ مانیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس تقریر سے اشکال قطعی طور پر دور ہو جاتا ہے، اور معنی کے اقتضاء سے بھی اس کی تائید اس طرح ہوتی ہے، کہ اگر اسے حال یا مستقبل کے معنی میں لیا جائے تو سلام کرنیوالوں کے تکرار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح کا بار بار لوٹایا جانا لازم آتا ہے، اور رُوح کے بار بار لوٹائے جانے سے یہ لازم آتا ہے، کہ رُوح بار بار جدا ہو، اور جسم سے رُوح کے بار بار جدا ہونے سے مندرجہ ذیل امور لازم آتے ہیں،

الف :- رُوح کے بار بار نکلنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو تکلیف ہوگی، اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ تکلیف نہ ہوگی، تو کم از کم ایسی بات تو ضرور ہوگی، جو آپ کی بزرگی کے منافی ہے،

ب :- یہ بات شہداء وغیرہ کی شان کے خلاف ہے، کیونکہ ان کے متعلق کبھی بھی یہ بات نہیں آئی کہ برزخ میں ان کی روح بار بار جسم سے جدا ہوتی ہے، اور پھر بار بار واپس آتی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حقدار ہیں، کہ آپ کی روح ہمیشہ کے لئے آپ کے جسم کے ساتھ رہے، اور یہی اعلیٰ مرتبہ ہے،

ج :- رُوح کا بار بار جدا ہونا اور پھر بار بار جسم میں داخل ہونا نص قرآنی کے خلاف ہے، اس لئے کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے، کہ انسان کے لئے صرف دو بار مرنا اور دو بار جینا ہے، (نہ کہ بار بار) اور اس بار بار کے آنے جانے سے تو یہ لازم آتا ہے، کہ کئی بار مرنا (اور کئی بار جینا) ہو، اور یہ باطل ہے،

د :- یہ مذکورہ بالا متواتر احادیث کے منافی ہے، اور جو حدیث قرآن اور متواتر احادیث کے خلاف ہو نیز اس کی تاویل ممکن نہ ہو تو اسے باطل قرار دیا جائیگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس حدیث کے وہی معنی مراد لئے جائیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں،

تیسرا جواب | ضروری نہیں، کہ یہاں "رَدَّ" کے معنی رُوح کے جدا ہونے کے لئے جائیں، بلکہ اس سے مطلق صیرورت مراد ہے، جیسا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ

(اگر ہم تمہاری ملت میں ہو جائیں پھر تو ہم نے اللہ پر افتراء باندھ دیا)

چنانچہ یہاں "عَوْد" کے لفظ سے مطلق صیرورت مراد ہے، نہ یہ کہ پہلے وہ ان کی ملت سے نکل گئے تھے، اور اب وہ واپس آجائیں گے۔ اس لئے کہ شعیب علیہ السلام تو کبھی بھی ان کی ملت میں نہ تھے اور یہاں تو اس لفظ کے استعمال میں ایک خوبی پائی جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسے لفظی مناسبت کی رعایت کے خیال سے لایا گیا ہے،

کہ اس کے بعد "حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ" فرمایا ہے، لہٰذا ابتداء حدیث میں "رَدَّ" کا لفظ اس لئے لایا گیا ہے، کہ حدیث کے آخر میں جو "أَرُدَّ" کا لفظ آیا ہے، اس سے مطابقت ہو جائے،

چوتھا جواب :- اور یہ بہت قوی جواب ہے، کہ روح کے لوٹانے سے یہ مراد نہیں کہ رُوح بدن سے جدا ہو کر پھر واپس

آتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو برزخ میں احوال ملکوت میں مشغول اور مشاہدہ الٰہی میں بعینہٖ اسی طرح مستغرق ہیں جس طرح کہ دنیا میں بحالتِ وحی یا دیگر اوقات میں ہوتے تھے، لہٰذا اس مشاہدہ اور استغراق کی حالت سے افاقہ کو رَدِّ رُوح "سے تعبیر کیا ہے بعض احادیث میں جو الفاظ اسراء کے طور پر آئے ہیں: ان کے متعلق علماء کا یہی قول ہے، مثلاً (معراج کی حدیث میں) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا:-

فَاسْتَيْقَظْتُ فَإِذَا أَنَا بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

میں ہوش میں آیا تو اپنے آپ کو مسجد حرام میں پایا،

یہاں خواب سے بیدار ہونا مراد نہیں ہے، کیونکہ معراج خواب میں نہیں ہوئی، (بلکہ بیداری میں ہوئی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد عجائب ملکوت کے مشاہدہ سے افاقہ ہے،

(سیوطی فرماتے ہیں کہ) لفظ "رَدّ" کی تاویل میں میرے نزدیک یہی جواب زیادہ قوی ہے،

پانچواں جواب | لفظ "رَدّ" سے بھی یہی لازم آتا ہے، کہ آپکی رُوح ہمیشہ کے لئے آپکے پاس رہے، کیونکہ کوئی وقت ایسا نہ ہوگا جبکہ دنیا میں کوئی نہ کوئی شخص آپ پر درود نہ بھیجتا ہو، لہٰذا آپ کی رُوح کا بدن میں ہر وقت ہونا ضروری ہے،

چھٹا جواب | ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے بذریعہ وحی یہی بتلایا گیا تھا۔ مگر بعد میں یہ وحی کی گئی کہ آپ قبر میں ہمیشہ زندہ رہیں گے، لہٰذا دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ دونوں خبروں میں تقدم و تأخر ہے،

۷۔ فاکہانی کا جواب | مذکورہ بالا جوابات میرے طبع زاد ہیں، اس سے پیشتر کسی سے یہ جوابات نقل نہیں ہوئے۔

ان جوابات کے لکھنے کے بعد میں نے تاج الدین فاکہانی مالکی کی کتاب الفجر المنیر فیما فُضّل بہ البشیر النذیر کا مطالعہ کیا چنانچہ فرماتے ہیں:-

"تو مذی میں روایت کی گئی ہے، کہ جب کبھی کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری رُوح کو مجھ پر لوٹا دیتے ہیں تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں"

اس حدیث سے یہ مفہوم نکلتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کیلئے زندہ ہیں، اس لئے کہ یہ محال ہے، کہ دنیا میں کوئی ایسا وقت ہو کہ آپ پر کوئی نہ کوئی درود و سلام نہ بھیج رہا ہو، خواہ دن ہو خواہ رات،

اگر کوئی یہ اعتراض کرے، کہ رَدَّ اللّٰهُ اِلَيَّ رُوحِي کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ کیلئے زندہ ہونے سے مطابقت نہیں کھاتے اس سے تو یہ لازم آتا ہے، کہ ایک لحظہ کے اندر آپ کئی بار زندہ ہوں، اور کئی بار وفات پائیں اس لئے کہ کائنات میں کوئی لمحہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی نہ کوئی شخص سلام نہ بھیج رہا ہو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے بلکہ ایک ہی لمحہ کے اندر متعدد لوگ سلام بھیج رہے ہوتے ہیں،

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مجازکے طور پر رُوح سے نطق مراد لی گئی ہے، گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے، اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ اِلَيَّ نُطْقِي مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائمی طور پر زندہ ہیں، اور آپ کے زندہ ہونے سے

یہ لازم نہیں آتا کہ آپؐ گویا بھی ہوں، اللہ تعالیٰ سلام کہنے والے کے سلام کیوقت آپ کو نطق عطا کر دیتے ہیں، یہاں پر روح سے مجازی طور پر نطق مراد لینے کی دلیل یہ ہے، کہ نطق کا دارو مدار روح پر ہے، جیسا کہ نطق کے ہونے سے روح کا ہونا لازم آتا ہے، خواہ نطق بالفعل ہو یا نطق بالقوۃ، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لازم و ملزوم میں سے ایک کا ذکر کیا۔ اور دوسرا مراد لیا، اور یہ بات تو ایک تحقیق شدہ امر ہے، کہ روح دوبارہ سے زیادہ لوٹ کر نہ آئے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ خدایا تو نے دوبار ہمیں موت دی اور دوبار زندہ کیا،

شیخ تاج الدین کا یہی بیان ہے، ان کا یہ جواب میرے بیان کردہ جوابات سے مختلف ہے، لہذا یہ ساتواں جواب ہوا۔ مگر یہ جواب میرے نزدیک درست نہیں، کیونکہ اس کی ظاہری عبارت سے یوں معلوم ہوتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہونے کے باوجود بعض اوقات نہیں بول سکتے اور یہ نطق اسی وقت آپ کو عطا کیا جاتا ہے جب کوئی سلام کرنے والا آپ کو سلام کرتا ہے، اور یہ قید لگانا بہت قبیح بلکہ ممنوع ہے، اس لئے کہ عقل و نقل دونوں اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں، نقل اس لئے کہ جو روایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاءؑ کے برزخ کے حالات کے متعلق وارد ہوئی ہیں، وہ اس بات کی تصریح کرتی ہیں کہ انبیاء برزخ میں جیسا چاہیں بولتے ہیں، انہیں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں، بلکہ عام مؤمنین اور شہداء بھی برزخ میں جو چاہیں بولتے ہیں، اور انہیں کسی بات سے روکا نہیں جاتا کسی روایت میں یہ نہیں آیا، کہ کسی کو برزخ میں بولنے سے منع کیا جاتا ہے، سوائے اس شخص کے جو بغیر وصیت کے مرے چنانچہ ابوالشیخ بن حبان نے کتاب الوصایا میں قیس بن قبیصہ سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو شخص وصیت کئے بغیر مر جائیگا۔ اسے مردوں سے بات کرنے کی اجازت نہیں دی جائیگی،

اس پر کسی نے عرض کیا:۔ یارسول اللہ! کیا مُردے بھی بولتے ہیں؟

فرمایا ہاں بلکہ ایک دوسرے کی زیارت کے لئے بھی جاتے ہیں،

۷:۔ تقی الدین سبکی کا بیان | شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں، کہ انبیاءؑ اور شہداء قبروں میں اسی طرح زندہ ہیں، جس طرح وہ دنیا میں تھے، موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے، اس لئے کہ نماز کے لئے زندہ جسم کا ہونا ضروری ہے، (ورنہ نماز کیسی؟) اسی طرح معراج کے بیان میں جو صفات انبیاءؑ کی بیان کی گئی ہیں وہ سب کی سب اجسام کی صفات ہیں، ان کے حقیقی معنوں میں زندہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس طرح انہیں دنیا میں کھانے پینے کی ضرورت تھی، اسی طرح وہاں بھی ہو، البتہ ادراکات مثلاً علم اور قوت سمع وغیرہ انہیں یقیناً حاصل ہیں، اور یہی حال باقی مردوں کا بھی ہے، (انتہیٰ)

عقلی طور پر اس طرح کہ بعض اوقات انہیں نطق سے روک دینا ایک قسم کی قید اور عذاب ہے، یہی وجہ ہے کہ تارک وصیت کو یہ سزا دی جائے گی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی باتوں سے منزہ ہیں، لہذا آپؐ کو نطق سے روک دینا آپؐ کے مناسب حال نہیں، اور نہ ہی وفات کے بعد آپؐ پر کسی قسم کی ممانعت کی جا سکتی ہے، جیسا کہ آپؐ نے مرض الموت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کہا:۔ لَا كَرْبَ عَلٰى اَبِيْكِ بَعْدَ الْيَوْمِ آج کے بعد تمہارے ابا کو کوئی تکلیف نہ ہوگی،

جب شہداء اور صالح المومنین کو باستثناء ان لوگوں کے جنہیں عذاب دیا جائیگا نطق سے روکا نہیں جاسکتا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر روکا جاسکتا ہے۔

۹۔ جواب | ہاں تاج الدین کے بیان سے ایک اور جواب نکلتا ہے، جسے ہم دوسرے طرز میں بیان کرتے ہیں، اس طرح کہ روح سے مراد نطق ہے اور "رد" سے مراد جاری رہنا ہے، بغیر اس کے کہ کسی قسم کی جدائی ہو جیسا کہ تیسری وجہ میں بیان کیا گیا اس طرح اس حدیث میں دو مجاز پائے گئے، ایک مجاز "رد" کے لفظ میں اور دوسرا لفظ روح میں، پہلا استعارہ تبعیہ ہے اور دوسرا مجاز مرسل، لیکن جو کچھ میں تیسری وجہ میں بیان کر چکا ہوں، اس کے مطابق لفظ "رد" میں صرف ایک مجاز ہوگا، اس جواب سے ایک اور جواب پیدا ہوتا ہے، کہ روح سے کنایۃً سمع مراد لی جائے اور مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ انہیں خارق عادت قوت شنوائی عطا کر دیتے ہیں، کہ آپ سلام کہنے والے کی آواز کو خواہ وہ کس قدر دور ہو کیوں نہ ہو سن لیتے ہیں، اور کسی واسطہ کے بغیر اس کا جواب بھی دیتے ہیں یہاں معتاد قوت سمع مراد نہیں، دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی حالت تھی۔ کہ آپ خرق عادت کے طور باتیں سنتے تھے، چنانچہ آپ نے آسمان کے چرچرانے (اطت السماء) کی آواز سنی جیسا کہ کتاب المعجزات میں ذکر کیا جائیگا مگر بعض اوقات یہ حالت نہ رہتی تھی، مگر پھر لوٹ بھی آتی تھی، اور آپکو اس سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ وہی حالت ہے، جو دنیا میں تھی،

۱۰۔ جواب | اس سے ایک اور جواب بھی نکلتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ روح سے مراد معتاد قوت سمع نہ ہو، اور "رد" سے مراد ملکوتی استغراق اور مشاہدہ حق سے افاقہ، چنانچہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت ان لوگوں کی طرف جو آپ پر سلام بھیجتے ہیں، متوجہ ہونے کے لئے مشاہدہ حق سے لوٹا دیتے ہیں۔ لہذا جب آپ اس کا جواب دے دیتے ہیں تو پھر اپنی حالت کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاغل | اس سے ایک اور جواب نکلتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ "رد" اور روح سے مراد یہ ہے کہ برزخ میں آپ جن اعمال میں مشغول ہیں، مثلاً امت کے اعمال میں نظر کرنا، ان کی برائی پر ان کے لئے استغفار کرنا۔ ان سے مصائب دور کرنے کی دعا کرنا۔ اطراف زمین میں برکت کے لئے آمد و رفت کرنا، اور جب نیک امت مرجائیں ان کے جنازہ وغیرہ پر حاضر ہونا وغیرہ ان سے آپکو فراغت ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں انہی امور میں جن کا ہم نے ذکر کیا مشغول رہتے ہیں، جیسا کہ حدیث اور آثار میں آیا ہے، اور چونکہ آپ پر سلام بھیجنا سب سے افضل عمل اور سب سے بڑا قربت کا سبب ہے، اس لئے آپ پر درود بھیجنے والے کے لئے یہ خاص عنایت ملحوظ رکھی گئی ہے، اس کو شرف بخشنے اور جزا دینے کے لئے اپنے اہم مشاغل سے فارغ ہو کر اس کی طرف توجہ دیں۔

یہ کل دس جواب ہیں جنہیں میں نے خود استنباط کیا ہے، چنانچہ حافظ کہتے ہیں کہ حفظ اور فکر آلیم [illegible] ملتے ہیں، تو ان سے عجیب و غریب باتیں پیدا ہوتی ہیں،

گیارہواں جواب | اس کے بعد مجھے گیارھواں جواب سمجھ میں آیا۔ کہ روح سے مراد روح حیات نہیں، بلکہ خوشی مراد ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ کیونکہ اس آیت میں روح کی "را" پر ضمہ پڑھا گیا ہے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام بھیجنے والے کے سلام سے خوشی و خرمی حاصل ہوتی ہے، اس لئے کہ آپ اپنی

پسند کرتے ہیں، اور یہ خوشی آپکو اس کا جواب دینے پر آمادہ کرتی ہے،

بارھواں جواب روح سے وہ رحمت مراد ہے، جو درود کے ثواب کے طور پر اس پر مترتب ہوتی ہے،
ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے، کہ غالب خیال یہی ہے، کہ روح سے وہی روح مراد ہے، جس سے جسم قائم ہوتا ہے، اور روح کا لفظ قرآن، وحی، رحمت اور جبرئیل کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ انتہیٰ

تیرھواں جواب اس کے بعد مجھے ایک اور تیرھواں جواب ذہن میں آیا، کہ روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جو آپ کی قبر پر مقرر کیا گیا ہے، اور جو امت کا سلام آپ تک پہنچاتا ہے اور روح کا لفظ جبرئیل کے علاوہ دیگر ملائکہ کیلئے بھی استعمال کیا گیا ہے

راغب کہتے ہیں کہ اشراف ملائکہ کو بھی روح کہا جاتا ہے، انتہیٰ،

لہٰذا رَدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ رُوْحِیْ کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس فرشتے کو جو میری قبر پہ متعین ہے، میری طرف بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ مجھے سلام پہنچا دے۔

راغب کہتے ہیں کہ رَدَّ کے ایک معنی سپرد کرنے کے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں، رَدَدْتُ الْحُكْمَ فِيْ كَذَا اِلٰى فُلَانٍ ای فوّضتہ میں نے فیصلہ فلاں کے سپرد کر دیا۔ یا فلاں پر چھوڑ دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ، اگر تم کسی بات پر جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور اس کے رسول پر چھوڑ دو، وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ اگر وہ اسے رسول اور اولوالامر پر چھوڑ دیں،

چودھواں جواب یہاں سے اس حدیث کا چودھواں جواب نکل آیا کہ رَدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ رُوْحِیْ، سے مراد یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور روح سے مراد رحمت ہے، اور اللہ کی طرف سے صلوٰۃ کے معنی بھی رحمت کے ہیں۔ گویا کہ جو سلام بھیج رہا ہے۔ وہ اللہ کی رحمت کا طلبگار ہو رہا ہے۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تحقیق ہو جائے، کہ جو شخص ایکبار مجھ پر درود بھیجے گا اللہ اس پر دس بار رحمتیں نازل فرمائیگا، اور اللہ کیطرف سے صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس رحمت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیا ہے تاکہ آپ سلام بھیجنے والے کیلئے دعا کریں، تو آپ کی دعا قطعی طور پر مستجاب ہوگی۔ اور اس طرح جو رحمت سلام بھیجنے والے کو حاصل ہوگی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور سلام کی برکت کی وجہ سے ہوگی اور یہ ایک لحاظ سے سلام بھیجنے والے کے سلام کو قبول کرنے اور اس کو ثواب دینے کی سفارش ہوگی، اس طرح "رُوْحِیْ" میں جو اضافت ہے، وہ اضافت بادنیٰ ملابست ہوگی، یہ اسی طرح ہے، جس طرح شفاعت والی حدیث میں آیا ہے، کہ (انبیاء) شفاعت کے معاملہ کو ایک دوسرے پر چھوڑیں گے یہاں تک کہ بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے گی۔

معراج والی حدیث میں ہے کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی۔ تو مجھے ابراہیمؑ، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام

ملے اور انہوں نے قیامت کا ذکر چھیڑ دیا۔ بالآخر انہوں نے بات ابراہیم علیہ السلام پر چھوڑی تو انہوں نے جواب دیا: مجھے اس کا کوئی علم نہیں، پھر موسیٰ علیہ السلام پر چھوڑا۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ مجھے کوئی پتہ نہیں، پھر حضرت عیسیٰ پر چھوڑا۔

مختصر یہ کہ اس صورت میں حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس رحمت کا معاملہ جو میری وجہ سے سلام بھیجنے والے کو حاصل ہوگی، مجھ پر چھوڑ دیتے ہیں، تو میں خود یہ لفظ پکارتا ہوں اس طرح کہ میں سلام اور دعا کے مقابلہ میں سلام کا لفظ بولتا ہوں،

پندرھواں جواب | اس کے بعد مجھے پندرھواں جواب ذہن میں آیا۔ کہ روح سے مراد وہ رحمت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں امت کے لئے پائی جاتی ہے، نیز وہ رحمت جو آپ کی جبلت میں شامل ہے بعض اوقات آپ ان لوگوں پر ناراض ہوتے ہیں، جن کے گناہ زیادہ ہو جائیں، اور وہ محرمات کے مرتکب ہوں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا گناہوں کی مغفرت کا سبب ہوتا ہے، جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے،

اِذاً تُکْفٰی ھَمُّکَ وَ یُغْفَرُ ذَنْبُکَ

اس طرح تمہیں غم سے محفوظ رکھا جائیگا اور تمہارے گناہ معاف کئے جائینگے،

لہذا آپ نے یہ بتایا ہے، کہ جو کوئی بھی آپ پر سلام بھیجتا ہے، خواہ اس کے گناہ کس قدر زیادہ کیوں نہ ہوں آپ کی فطری رحمت آپ کے پاس لوٹ آتی ہے، اور آپ بنفس نفیس اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اور اس کے پہلے گناہ آپ کو اس کے سلام دینے سے روک نہیں سکتے۔

یہ بہت عمدہ فائدہ اور بہت بڑی بشارت ہے، اور یہ فائدہ نفی کے موقعہ پر مِنْ استغراقیہ لانے سے حاصل ہوتا ہے، لہذا اس مِنْ کے زائد لانے سے اس بات کی بھی نفی ہوگئی۔ کہ یہاں عام کا ذکر ہے اور خاص مراد ہے (بلکہ مِنْ کے آنے سے عام ہی مراد ہے)

یہ وہ تمام جوابات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالے اور اگر اس کے بعد کوئی اور جواب سمجھ میں آیا تو وہ اس کے ساتھ شامل کر لیا جائے گا۔

اس کے بعد میں نے اس حدیث کو بیہقی کی کتاب حیات الانبیاء میں ان الفاظ میں مروی پایا۔ وَقَدْ رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ یعنی انہوں نے "قَدْ" کا لفظ صراحۃً ذکر کیا ہے، اس پر میں نے خدا کا بہت شکریہ ادا کیا۔ اور یہ بات پختہ ہوگئی۔ کہ جس روایت میں قَدْ کا لفظ نہیں آیا وہاں قَدْ کو محذوف مانا جائیگا۔ اور تسلیم کر لیا جائیگا کہ راوی کے ذرف سے قَدْ کا لفظ محذوف ہوگیا ہے، میں نے دوسرے جواب میں اسی جواب کو پسند کیا ہے، اور اب تو اس روایت کی وجہ سے وجہ ترجیح بھی معلوم ہوگئی، لہذا یہی جواب سب سے قوی ہے۔ اس بنا پر اس حدیث سے مراد یہ ہے۔ کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی روح ہمیشہ کے لئے لوٹا دیتے ہیں، اور آپ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی آپ پر سلام بھیجے تو چونکہ آپ، زندہ ہیں۔ اس لئے آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، لہذا یہ حدیث ان احادیث کے مطابق ہوگئی جن میں یہ ذکر کیا ہے، کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں، اور یہ کہ حدیث منجملہ اُن

احادیث کے ہے اور کسی طرح بھی ان کے مخالف نہیں، (ولِلّٰہِ الحمدُ والمنّۃ)

یہاں پر جلال الدین سیوطی کا بیان ختم ہوتا ہے، میرے خیال میں پہلے شخص ہیں، جنہوں نے اس تفصیل سے اس حدیث کے اشکال کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے، ان کے علاوہ اور لوگوں نے اس حدیث پر بحث کی ہے۔ مگر ان کے بیانات سیوطی کے بیان کے اندر آجاتے ہیں۔ اس کے باوجود میں ان کا بیان بھی یہاں پیش کر دیتا ہوں۔

زُرقانی کا بیان زرقانی[1] کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاؑ کا زندہ ہونا ثابت اور معلوم ہے، اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں۔ لہٰذا باقی تمام انبیاؑ کے مقابلہ میں آپکی زندگی زیادہ کامل ہونی چاہئے، اب اگر کوئی سقیم الطبع اور دُور الفہم شخص یہ کہے کہ اگر آپ کا ہمیشہ کے لئے زندہ ہونا ثابت ہے، تو پھر اس حدیث میں اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوحِی "رد روح" کیوں کہا گیا۔ اسلئے کہ یہاں سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ روح کبھی جدا بھی ہوتی ہے، اور روح کا جدا ہونا موت ہے۔ اسکے کئی ایک جوابات ہیں،

(۱) ہمیں بتایا گیا ہے، کہ آنحضرتؐ کے لئے ہمیشہ کے لئے زندہ ہونا ثابت ہے، اس لئے کہ ناممکن ہے، کہ کائنات میں کوئی ایسا وقت ہو جبکہ کوئی نہ کوئی آپؐ پر درود نہ بھیج رہا ہو، اور آپؐ جواب نہ دے رہے ہوں، لہٰذا اسلام کا جواب دینے سے آپؐ کا زندہ ہونا لازم آیا۔ گویا کہ آپؐ نے یوں فرما دیا۔ کہ جو کوئی بھی مجھے سلام کہے گا مجھے زندہ پائیگا۔ اور یہ آنحضرت کی کم بیانی کا ایک نمونہ ہے،

(۲) یہاں "رد روح" سے مراد وہ خاص توجہ اور التفات ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم دنیا اور اجسام بشریہ کی طرف حاصل ہوتی ہے، اور آپؐ مقام عروج سے اتر کر دائرہ بشریت کی طرف آ جاتے ہیں۔ اور سلام کا جواب دیتے ہیں، اور آپؐ کی یہ توجہ عام اور سب پر شامل ہوتی ہے چنانچہ اگر ایک وقت میں کروڑہا نفوس بھی آپؐ کو سلام کہیں تو آنحضرتؐ کی توجہ ان سب پر شامل ہو جائیگی۔ میں نے خود اس کا تجربہ کیا ہے۔ اور وہ امور دیکھے ہیں جن کے بیان کرنے کی اجازت نہیں،

فتح الباری میں ہے۔ کہ علماء نے اس حدیث کے کئی ایک جواب دیئے ہیں،

(۱) "ردّ روح" سے مراد یہ ہے۔ کہ روح پہلے سے ہی لوٹادی گئی ہوتی ہے، یہ مراد نہیں کہ اسے لوٹایا جائے، پھر کھینچ لیا جائے پھر لوٹایا جائے،

(۲) اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہاں مراد موت نہیں ہے، بلکہ اس میں کسی قسم کی تکلیف و مشقت نہیں

(۳) روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جو درود پر مقرر کیا گیا ہے،

(۴) روح سے مراد نطق ہے۔ آپؐ نے ہماری فہم کے مطابق یہاں مجازی معنی مراد لئے ہیں،

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملاء اعلیٰ کے امور میں مستغرق ہوتے ہیں۔۔۔ اور جب کوئی سلام کرتا ہے تو آپؐ کی فہم لوٹ آتی ہے۔ تاکہ آپؐ سلام کرنے والوں کا جواب دے سکیں۔

اب اس میں ایک اور لحاظ سے اشکال پیدا ہو گیا۔ اس طرح کہ جب لاتعداد لوگ اطراف و اکناف میں متواتر درود

---

[1] زرقانی: ۸: ۳۰۸،

پڑھتے رہتے ہیں۔ تو اس سے لازم آیا کہ آپ ہر لحظہ اور ہر آن انہی کی طرف مستغرق رہیں۔ اور حق سبحانہ کی جانب سے توجہ ہٹی رہے،

اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت کے معاملات کچھ اور طرح کے ہیں۔ عقل انہیں سمجھنے سے قاصر ہے اور برزخ کے حالات آخرت کے حالات سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔

شہاب الدین خفاجی کا بیان | شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء عیاض میں لکھتے ہیں[1]، کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدستور زندہ ہیں۔ اس لئے کہ کائنات میں کوئی وقت ایسا نہیں، جبکہ کوئی نہ کوئی شخص آپ کو سلام نہ کہہ رہا ہو، اور صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء، شہداء کی طرح حقیقی ملکوں میں زندہ ہیں، اگرچہ ہم برزخ کے حالات کا قیاس دنیا کے حالات سے نہیں کر سکتے۔

ابن العماد کہتے ہیں کہ "رد روح" اس بات کی متقاضی ہے۔ کہ موت واقع ہو اس کے کئی ایک جواب دیئے گئے ہیں، مصنف قاموس نے اپنی کتاب الصِلات والبُشَر میں اس کا جواب دیا ہے، بیہقی کہتے ہیں۔ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپکی روح آپکو لوٹا رکھی ہے، تاکہ آپ سلام کرنیوالے کے سلام کا جواب دیں۔ پھر یہ روح بدن میں بدستور رہتی ہے مصنف "قاموس" کے استاد عبدالکافی السبکی کہتے ہیں، کہ ہو سکتا ہے کہ یہاں حقیقی رد مراد نہ ہو بلکہ معنوی رد مراد ہو۔ اس طرح کہ آپ کی روح عالم دنیا سے توجہ ہٹا کر حق سبحانہ اور ملأ اعلیٰ میں مستغرق ہو، اور جب کوئی سلام کرتا ہو تو آپکی روح اس طرف متوجہ ہو جاتی ہو، تاکہ آپ اس کے سلام کا جواب دے سکیں۔

سخاوی اپنی کتاب القول البدیع میں کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس کے لوٹائے جانے سے یہ لازم آتا ہے، کہ نہایت ہی کم مدت کے اندر کئی بار آپ زندہ ہوں، اور کئی بار وفات ہو اس لئے کہ دنیا میں کوئی وقت ایسا نہیں جبکہ کوئی نہ کوئی شخص آپ کو سلام نہ کہہ رہا ہو۔ بلکہ ایک ہی آن میں متعدد اشخاص سلام کہہ رہے ہوتے ہیں تو کہا نیز اور کچھ اور لوگوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے، کہ یہاں روح سے مجازی طور پر نطق مراد ہے، گویا کہ آنحضرت نے یوں کہا کہ یَرُدُّ عَلَیَّ نُطْقِیْ اور روح کے لئے نطق کا ہونا ضروری ہے، خواہ بالفعل ہو یا بالقوۃ لہٰذا آنحضرت نے لازم کا ذکر کرکے ملزوم مراد لیا ہے، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ زندگی صرف دو بار ہے اور بس کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:- اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَ اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ،

تو نے ہمیں دو بار مارا اور دو بار زندہ کیا،

بعض کہتے ہیں کہ اس حدیث سے ظاہری معنی مراد ہیں مگر آنحضرت کو اس سے کوئی مشقت نہیں ہوتی بعض کہتے ہیں، کہ روح سے مراد وہ فرشتہ ہے، جو سلام پہنچانے پر مقرر ہے، مگر یہ امر غور طلب ہے۔ انتہیٰ۔

اس کے بعد خفاجی لکھتے ہیں۔ کہ اگر روح سے مسرت مراد لی جائے تو معنی بہت قریب ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے کہ ہم ...

---

[1] نسیم الریاض: ۳: ۵۴۹ - ۵۵۱،

ہونے والے کیلئے عَادَتُ رُوحِنَا کے الفاظ استعمال کرتے اور اسکی ضد کے لئے رَاحَتُ رُوحِنَا کہتے ہیں ، اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کے شواہد بھی نقل کرتا ۔

اس حدیث کی تفسیر میں جو بات بے تکلف ظاہر ہوتی ہے ، یہ ہے کہ انبیاء اور شہداء زندہ ہیں ، اور انبیاء کی زندگی شہداء کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے ، اور جب زمین ان پر مسلط نہ کی گئی ۔ تو وہ خوابیدہ انسان کی طرح ہوئے ، اور خوابیدہ انسان جب تک بیدار نہ ہو نہ سنتا ہے ، نہ بولتا ہے ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا (الآیۃ) لہٰذا یہاں پر رَدُّ سے مراد ارسال (چھوڑ دینا) ہے جس کا ذکر آیت مذکورہ میں ہوا ہے ، اس صورت میں معنی یوں ہوئے ۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں ، خواہ بالواسطہ ہو خواہ بلا واسطہ تو بیدار ہو جاتے ہیں ، اس سے یہ معنی مراد نہیں : کہ آپ کی روح قبض ہو جاتی ہے ، جسطرح مُردہ کی روح قبض ہوتی ہے ، اور پھر پھونک کر لوٹا دی جاتی ہے جیسے دنیا کی زندگی اور موت میں اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مجرد اور نورانی روح ہے ۔

سید انور شاہؒ کا بیان

سید انور شاہ رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں[1] ۔

یہاں سے ایک اور حدیث حل ہو گئی جس کی روایت ابو داؤد نے کی ہے ، جس میں دیا ہے کہ جب کوئی شخص آپؐ پر سلام کہتا ہے تو آپؐ کی روح لوٹا دی جاتی ہے ، اس کے یہ معنی نہیں کہ آپؐ قبر میں زندہ ہو جاتے ہیں ۔ بلکہ مراد ایک جانب سے دوسری جانب توجہ کرنا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر حالت میں زندہ ہیں ۔ بایں معنی کہ آپ کسی حالت میں بھی بیکار نہیں ہیں ، مگر آپ حق سبحانہ کیطرف توجہ میں مستغرق تھے ، اور جب کسی نے سلام کیا ۔ تو آپؐ کی روح لوٹا دی گئی ، یعنی یہ کہ جس جانب آپؐ کی پہلے توجہ نہ تھی ، اس طرف توجہ دیں ۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا بیان

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اس حدیث کی تشریح میں یوں فرماتے ہیں[2]

در ینجا اشکال می آرند کہ مضمون ایں حدیث مخالف حیات ، آں حضرت است در برزخ کہ ردّ روح بر آنحضرت در وقت سلام دلالت دارد بر مفارقت روح از بدن شریف وے ، در بعض اوقات ، و جواب می دہند کہ مراد بعود روح نہ عود اوست ببدن بعد از مفارقت بلکہ افاقت و توجہ اوست ، بایں عالم و سماع صلوٰۃ و سلام است و آنحضرت مشغول است در برزخ باحوال ملکوت و مستغرق است ، در مشاہدۂ ربّ العزت چنانکہ در دنیا در حالت وحی می بود پس تعبیر کردہ شد از افاقت وی ، از اں مشاہدہ و استغراق برد روح چنانکہ در حدیث معراج واقع شدہ کہ فَاسْتَيْقَظْتُ وَأَنَا بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ پس بیدار شدم ، و حال آنکہ من در مسجد حرام ام و معراج در خواب نبود بر مذہب حق ۔ پس مراد افاقت و بر آمدن اوست از مشاہدۂ آں عالم و نیز حیات انبیاء صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ و علیہم و ردّ روح ببدن ایشاں بعد از ذائقت موت است یکبار بجریان سنت الٰہی ، و بعد ازیں زمانہ خالی نیست از صلوٰۃ و سلام امت و مفارقت روح در وی ، مرۃ بعد اخریٰ تکرر دائمی تعذیب است کہ دانستہ تنزیہ راحت عزت و کرامت وے صلی اللہ علیہ وسلم از اں پس باید کہ دائم در حیات باشد ، واللہ اعلم ، اللّٰہم بالصواب ، و آن و رواں ماند کہ ایں فضیلت ردّ سلام از اں حضرت مخصوص بزائران قبر شریف است یا عام است ، از نا ہر مجلہ کہ سلام گوید

---

[1] فیض الباری : ۲ : ۶۵ [2] شرح مشکوٰۃ فارسی ۱ : ۲۰۴

یا عام است. بر ہر کسے را کہ سلام فرستد چنانکہ در تشہد و غیر آں ظاہر ہمیں است الا آنکہ سلام زائران را بنفس شریف بے واسطہ سلام کند و بر دیگراں بوساطت ملائکہ سیاحین بود،

یہ وہ جوابات ہیں جو اس حدیث کا اشکال رفع کرنے کیلئے دیئے گئے ہیں مگر راقم حروف کے نزدیک سیوطی کا دوسرا جواب جس میں "حتیٰ" مقدر مانا گیا ہے، درست ہے، .... اور باقی جوابات میں تکلف پایا جاتا ہے، اور اعتراض باقی رہتا ہے، مثال کے طور پر حضرت شاہ صاحب کے نزدیک ایک جانب سے دوسری جانب توجہ مراد ہے، اس صورت میں حق سبحانہٗ کی جانب سے آنحضرت کی توجہ کلیۃً منقطع ہو جانی چاہیئے۔ کیونکہ جب ہر آن و ہر لحظہ کوئی نہ کوئی سلام کر رہا ہو، تو ہر آن و ہر لحظہ آنحضرتؐ کی توجہ بھی اسی طرف رہی، اور حق سبحانہٗ کیطرف توجہ نہ رہی، اگر کہا جائے دونوں جانب توجہ قائم رہتی ہے، تو پھر ردّ روح کا کوئی معنی نہ ہوا،

شیخ حسن العدوی الحمزاوی نے بھی مشارق الانوار میں اس پر بحث کی ہے چنانچہ ملاحظہ ہو مشارق الانوار صفحہ ۶۸ – ۶۹)

اب جبکہ یہ بات محقق ہو گئی کہ انبیاءؑ زندہ ہیں۔ لہٰذا ان کا احترام اس وقت بھی اسی طرح ہو گا جس طرح کہ اس دنیاوی زندگی میں ہوتا تھا۔ چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں،

حُرمتہٗ حیًّا وَ میّتًا سواءٌ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اب بھی اسی طرح ہو گا جس طرح دنیاوی زندگی میں تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ سے جب کوئی شخص مسئلہ پوچھنے آتا تو وہ فوراً بتا دیتے، مگر اگر کوئی حدیث سننے آتا تو اسے انتظار کرنے کو کہتے۔ پھر باقاعدہ وضو وغیرہ کر کے بڑی شان و شوکت سے مسند پر بیٹھ کر اس شخص کو بلاتے اور حدیث سناتے ان سے جب اس کے متعلق پوچھا گیا۔ تو فرمایا کہ میں حدیث نبوی کی تعظیم کرنا چاہتا ہوں۔

پھر جب حدیث سننے کے لئے لوگ کثرت سے آنے لگے۔ تو ان میں سے کسی نے کہا: حضرت بہتر ہو کہ آپ ایک آدمی مقرر کر دیں جو آپ کے الفاظ ان لوگوں تک پہنچا دے تو فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم

مسلمانو! اپنی آواز بلند نہ کرو۔

حُرمتہٗ حیًّا وَ میّتًا سواءٌ، دنیاوی زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی آپؐ کا احترام ایک جیسا ہے امام مالکؒ نے قراءت حدیث کی مجلس میں آواز بلند کرنا منع قرار دیا اس قیاس پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپکی مجلس میں آواز بلند کرنا منع تھا[1]۔

حضرت عمرؓ کا دو بدویوں کو مسجد نبوی میں شور مچانے سے منع کرنا،

بخاری نے سائب بن یزید سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا۔ کہ کسی نے مجھ پر کنکر مارا[2] میں نے دیکھا تو عمرؓ تھے اور مجھے فرمایا جاؤ

---

[1] نسیم الریاض: ۳: ۳۹۸ [2] وفاء الوفاء میں ہے، کہ سائب مسجد میں لیٹے ہوئے تھے جبکہ حضرت عمرؓ نے کنکر مارا تھا، ملاحظہ ہو وفاء الوفاء ج ۱: ۳۵۳، کنکر اس لئے مارا کہ سائب چونکہ نزدیک تھے۔ اس لئے انہیں بلانے کے لئے آواز بلند کرنا پڑتی تھی (باقی صفحہ ۱۸۱ پر)

ان دونوں شخصوں کو پکڑ لاؤ، میں انہیں لے آیا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں پوچھا، تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو، انہوں نے جواب دیا کہ ہم طائف کے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں کوڑے لگاتا۔ کیا تم مسجد رسول اللہ میں آواز بلند کرتے ہو[۵۱]۔

حافظ ابن حجر اس حدیث پر لکھتے ہیں،

وَمِنْ هٰذِهِ الْجِهَةِ يَتَبَيَّنُ كَوْنُ هٰذَا الْحَدِيْثِ لَهٗ حُكْمُ الرَّفْعِ لِاَنَّ عُمَرَ لَا يَتَوَعَّدُهُمَا بِالْجَلْدِ اِلَّا عَلٰى مُخَالَفَةِ اَمْرٍ تَوْقِيْفِيٍّ،

یہاں سے معلوم ہو گیا۔ کہ یہ حدیث مرفوع شمار کیجائے گی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ انہیں کوڑے لگانے کی سزا کا حکم اسی صورت میں لگا سکتے ہیں۔ جبکہ یہ امر توقیفی ہو،

ابوبکرؓ سے مروی ہے، کہ آپؐ نے فرمایا:۔ نبی کے پاس اس کی زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی آواز بلند کرنی مناسب نہیں[۵۲]،

دیوار میں میخ گاڑنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچتی ہے

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے، کہ جب کبھی انہیں آس پاس کے گھروں سے میخ گاڑنے کی آواز آتی تو وہ کسی کو بھیجکر انہیں منع کرتیں۔ اور کہتیں کہ رسول اللہ کو اذیت مت پہنچاؤ[۵۳]،

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو گھر کے دروازے کی چوکھٹ بنوانے کی ضرورت ہوئی تو انہوں نے اس خیال سے کہ مستری کے کام اور ٹھک ٹھک کی آواز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو۔ وہاں چوکھٹ نہیں بنوائی۔ بلکہ مناصع میں جو مدینہ کے بیرونجات میں ایک کھلا میدان تھا۔ وہاں بنوائی، اس روایت کو محمد بن الحسن المعروف بابن زبالہ نے نقل کیا ہے، لہٰذا جس طرح آپؐ کی حیات میں آپؐ کا ادب کیا جاتا تھا۔ اسی طرح اب بھی کرنا چاہیئے، کیونکہ آپؐ قبر میں زندہ ہیں اور وہاں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں[۵۴]،

سید احمد رفاعی کے لئے دست مبارک کا ظاہر ہونا

سید ابو العباس احمد بن ابی الحسن علی بن ابی العباس المعروف بابن رفاعی، متوفی ۵۷۸ھ صوفیا و کبار میں سے ہوئے ہیں۔ اور آپ کے متبعین کو احمدیہ کہا جاتا ہے۔ آپ کی مشہور ترین کرامت یہ ہے، کہ ۵۵۵ھ میں حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر روضۂ مقدس کی زیارت کے لئے گئے، گنبد خضراء کے قریب پہنچکر آپؐ نے باآواز بلند کہا۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا جَدِّيْ (نانا جان السلام علیکم) فوراً روضۂ اطہر سے آواز آئی وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا وَلَدِيْ، اس ندا کو سن کر آپؐ پر وجد طاری ہو گیا۔ آپ کے علاوہ جتنے آدمی وہاں موجود تھے

(بقیہ صفحہ ۱۸۰) اور اگر بلند آواز سے انہیں بلاتے تو خود اسی جرم کے مرتکب ہوتے جس پر ان دو بدویوں کو زجر کرنا چاہتے تھے،

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۵۱] فتح الباری: ۱: ۴۴۴-۴۵۴، زرقانی: ۸: ۳۰۴ اور خفاجی: ۳: ۳۸۷

[۵۲] زرقانی: ۸: ۳۰۴، [۵۳] زرقانی: ۸: ۳۰۴ اور وفاء الوفاء ۱: ۳۱۸، [۵۴] زرقانی: ۸: ۳۰۴ اور وفاء الوفاء ۱: ۲۹۸

سب نے آواز کو سنا، تھوڑی دیر بعد بحالت گریہ آپ نے یہ دو شعر پڑھے، ؎

فِیْ حَالَۃِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ کُنْتُ اُرْسِلُھَا — تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ وَھِیَ نَائِبَتِیْ

وَھٰذِہٖ دَوْلَۃُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ — فَامْدُدْ یَمِیْنَکَ کَیْ تَحْظٰی بِھَا شَفَتِیْ

”دوری کی حالت میں میں اپنی روح کو اپنا نائب بنا کر زمین بوسی کے لئے بھیجا کرتا تھا،،

مگر اب تو اجسام کی باری آگئی۔ لہذا آپؐ دایاں ہاتھ نکالیں تاکہ میرے ہونٹ (ان کو بوسہ دیکر) سعادتمندی حاصل کریں“[1]

اسی وقت روضہ مطہر سے دست مبارک نکلا، اور آپؐ نے اس کو بوسہ دیا۔ اس وقت روضہ مطہر پہ لوگوں کا ایک جم غفیر جمع تھا جن میں حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ)، شیخ عدی بن مسافر اموی (م ۵۵۸ھ) شیخ عبدالرزاق حسینی واسطی بھی تھے۔[1]

میں نے اس کتاب میں حتی المقدور خوابوں کا ذکر کرنے سے اجتناب کیا ہے، اگرچہ محدثین کے ہاں خوابوں پر بہت حد تک اعتماد کیا گیا ہے۔ بالخصوص جبکہ خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے متعلق ہو، چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں[2] علی بن مسہر کہتے ہیں کہ میں نے اور حمزہ زیات نے ابان (بن ابی عیاش م ۱۴۰ھ) سے سماعاً تقریباً پانچ سو احادیث روایت کیں، اس کے بعد میری ملاقات حمزہ سے ہوئی تو انہوں نے مجھے بتلایا۔ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور میں نے یہ احادیث آپؐ کے سامنے پیش کیں۔ آپؐ نے صرف چند ایک کا اعتراف کیا، پانچ یا چھ کا اور باقیوں کے متعلق فرمایا کہ میں نے نہیں کہیں، اس پر ہم نے ابان سے روایت کرنا چھوڑ دی،

مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس کی روایت سوید سے کی ہے، اور عقیلی کہتے ہیں کہ احمد بن علی الابار نے بیان کیا۔ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ تو عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپؐ ابان بن ابی عیاش کو پسند کرتے ہیں، تو فرمایا:- نہیں۔

آپ نے دیکھا کہ صلحاء امت خوابوں پر بھی کس قدر اعتماد رکھتے تھے، یہاں پر حمزہ نے صرف اس لئے ابان سے حدیث کی روایت ترک کر دی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ بہت سی احادیث جن کی روایت ابان نے کی ہے، میری فرمودہ نہیں ہیں، اگر میں اس قسم کے خوابوں کو یہاں درج کرنے لگوں تو ایک مستقل کتاب بن جائے، مگر میں صرف چار خوابوں کا ذکر کروں گا۔ جن سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز اور تصرف اب تک جاری و ساری ہے۔

ہلال بن المحسن الصابی کے ایمان لانے کا واقعہ

ہلال بن المحسن بن ابراہیم ابو الخیر کاتب، پہلے صابی مذہب رکھتے تھے، ان کا دادا ابو اسحاق صابی مشہور رسائل نویس ہوا ہے، ان کا باپ بھی صابی مذہب پر تھا، اور دونوں اکٹھے مسلمان ہوئے،

---

[1] مشارق الانوار: ۵۸ و الفتح المبین: ۹۰ - ۹۱ بحوالہ تنویر الحلک فی امکان رویۃ النبی والملک از سیوطی، نسیم الریاض: ۳: ۴۸۹ خفاجی) نے دولۃ الاشباح کی بجائے نوبۃ الاشباح کر دیا ہے، مگر معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا،

[2] تھذیب التھذیب: ۱: ۱۰۰، تاریخ جرجان از حمزہ بن یوسف السہمی: ۵۰۵: کتاب الجرح والتعدیل ج ق ۱: ۲۹۵ - ۲۹۶

ھلال نے کفر کی حالت میں بہت سے شیوخ حدیث سے حدیث سُنی ۔ اس کی وجہ یہ تھی، کہ اُن کے پاس علم ادب سیکھنے جاتے تو حدیث بھی سنتے پھر جب مسلمان ہو گئے، تو ان احادیث سے انہیں بہت فائدہ ہُوا ۔ انہوں نے نوّے سال کی عُمر پائی جس میں سے تقریباً آدھی عمر کفر کی حالت میں گذری، اور باقی آدھی ایمان کی حالت میں، ان کی وفات ۴۴۸ھ میں ہوئی، حافظ ابن کثیر نے ان کے ایمان لانے کا قصّہ بہت مختصر بیان کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواب میں بہت سے معجزات دکھلائے جنہیں بیدار ہونے کے بعد ویسا ہی پایا ۔ ان میں سے ایک یہ ہے ۔ کہ آپؐ نے اسے کہا ۔ کہ تمہاری بیوی حاملہ ہے، اور لڑکا پیدا ہوگا ۔ جب پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا ۔ مورخین اس محمد کو "غرس النعمہ" کہہ کر پکارتے، اس لئے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا، انعام کے طور پر لگایا ہوا پَودا تھا، ہلال نے ایک کتاب [illegible] میں لکھی ہے ۔

محقق ابن الجوزی نے ان کے ایمان لانے کا مفصل واقعہ بیان کیا ہے، جسے میں ذیل میں درج کرتا ہوں،

پہلا خواب | ھلال کہتے ہیں کہ میں نے ۳۹۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ۔ کہ میری قیام گاہ پر تشریف لائے ہیں، یہ جاڑے کا موسم تھا، اور کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی، یہاں تک کہ پانی بھی جم گیا تھا ۔ آپؐ نے مجھے بٹھلایا، جب میں نے آپ کو دیکھا تو میں لرز اٹھا ۔ آپؐ نے فرمایا ڈرو نہیں میں رسول اللہ ہوں ۔ آپؐ مجھے گھر کی نالی پر لے گئے، جس کے اوپر مٹی کا مٹکا پڑا تھا اور فرمایا: جس طرح نماز کیلئے وضو کیا جاتا ہے، اسی طرح وضو کرو، میں نے مٹکے میں ہاتھ ڈالا، مگر پانی جما ہوا تھا، میں نے مٹکے کو توڑ ڈالا اور اس میں سے اسقدر پانی لے لیا جتنے سے میں اپنے چہرے، بازو اور پاؤں پر بہا سکوں، اور آپ چبوترے پر کھڑے ہوئے اور مجھے بھی کھینچ کر اپنے پہلو میں کر لیا ۔ اور نماز پڑھی اور نماز میں سورۃ فاتحہ اور اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ پڑھی، پھر رکوع اور سجود کیا ۔ میں بھی آپ کے ساتھ اسی طرح کرتا گیا ۔ پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے اور سورۃ فاتحہ اور کوئی اور سورت پڑھی جس کا مجھے علم نہیں ۔ پھر سلام پھیرا اور میری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا: تو عقلمند اور پڑھا لکھا آدمی ہے، اور اللہ تعالیٰ تجھ سے بھلائی کرنا چاہتے ہیں، پھر تم اسلام کو کیوں چھوڑ رہے ہو، حالانکہ اس کی صداقت پر دلائل قائم ہو چکے ہیں ۔ اور اس کفر پر کیوں قائم ہو، ہاتھ نکالو اور مجھ سے مصافحہ کرو ۔ میں نے آپؐ کو اپنا ہاتھ دیا آپؐ نے فرمایا کہو:

اَسْلَمْتُ وَجْهِيْ لِلّٰهِ وَاَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ الْوَاحِدَ الصَّمَدَ الَّذِيْ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَّلَا وَلَدٌ وَاَنَّكَ يَا مُحَمَّدُ رَسُوْلُهٗ اِلٰى عِبَادِهٖ بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى ۔

میں نے یہ الفاظ کہے، پھر آپؐ اٹھ گئے ۔ اور میں بھی وہاں سے اٹھا، کیا دیکھتا ہوں کہ میں چبوترے پر کھڑا ہوں، میں نے خوف اور گھبراہٹ کے مارے چیخنا اور چلانا شروع کر دیا، شور سن کر گھر والے بیدار ہوئے اور میرے پاس آ گئے، میرے والد نے بھی شور سُنا ۔ تو پُوچھا کیا بات ہے، میں نے والد کو آواز دی وہ بھی آ گئے، ہم نے چراغ جلایا، اور میں نے سارا قصہ کہہ سنایا ۔ قصہ سن کر سب پر خاموشی چھا گئی، لیکن میرا باپ قصہ سن کر مسکرایا ۔ اور کہا جا سو جا ۔ صبح کو بات کریں گے ۔ ہم نے مٹکے کو دیکھا تو مٹکے کے ٹوٹنے کیوجہ سے برف جو اس میں تھی ادھر ادھر بکھری پڑی تھی، میرے والد نے گھر والوں سے اس قصہ

۱؎ المنتظم لابن الجوزی: ۸: ۱۷۰ تا ۱۷۹، البدایۃ والنہایۃ: ۱۲: ۷۰،

کو چھپائے رکھنے کو کہا اور کہا بیٹا! یہ ایک سچا خواب ہے، اور اچھی بشارت ہے۔ مگر اچانک اسے ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ ایک شریعت سے دوسری شریعت میں جانے کے لئے کچھ تیاری اور ساز و سامان کی ضرورت ہے جس عقیدہ کے رکھنے کا حکم تمہیں دیا گیا ہے وہی عقیدہ رکھو، میں بھی یہی عقیدہ رکھتا ہوں۔ اپنی نماز اور دعا اسی مذہب کے احکام کے مطابق رکھو، پھر یہ خبر لوگوں میں پھیل گئی۔ اور اس پر کچھ عرصہ گذر گیا۔

صابی کا دوسرا خواب صابی کہتے ہیں کہ میں نے دوسری بار دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دریائے دجلہ پر باب البستان کی گھاٹی پر ہیں، میں نے آگے بڑھ کر آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ آپ نے فرمایا: جو عہد و قرار تو نے مجھ سے کیا تھا۔ تو نے پورا نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نے پورا تو کیا ہے۔ کیا میرا عقیدہ وہی نہیں ہے جس کا آپ نے حکم دیا تھا۔ اور کیا میں نے اپنی نماز و دعا اسی کے مطابق ادا نہیں کی؟ آپ نے فرمایا: نہیں میرا گمان ہے کہ ابھی تمہارے دل میں شک باقی ہے۔ اس کے بعد آپ مجھے گھاٹ والی مسجد کے دروازے پر لے گئے، وہاں ایک خراسانی چت لیٹا ہوا تھا۔ استسقاء کی بیماری کی وجہ سے اس کا پیٹ ایک تو برے کی طرح پھولا ہوا تھا۔ اور اس کے ہاتھ اور پاؤں پر ورم پڑ چکا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کے پیٹ پر پھیرا اور کچھ پڑھا اور وہ شخص صحیح اور تندرست ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کے حکم کی تصدیق کیا خوب ہے۔ اور آپ کے افعال کیسے معجز نما ہیں اور میں بیدار ہو گیا۔

صابی کا تیسرا خواب پھر جب کچھ عرصہ ہوا تو میں نے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس خیمہ کے دروازے پر سوار کھڑے ہیں جس میں میں تھا۔ آپ زین پر بیٹھے بیٹھے جھکے اور مجھے اپنا چہرہ مبارک دکھایا۔ میں نے جھک کر رکاب چوم لی، آپ گھوڑے پر سے اترے۔ میں نے آپ کے لئے تکیہ رکھ دیا، اور آپ اس پر بیٹھ گئے اور فرمایا: کب تک تجھے ایسی بات کا حکم دیتا رہوں گا جس میں تمہاری بھلائی ہے، اور تو کب تک اس میں توقف کرتا رہے گا؟ میں نے عرض کیا: اے میرے آقا! کیا میں اس کے مطابق عمل نہیں کر رہا، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، مگر ظاہر قبیح کے ہوتے ہوئے باطن جمیل کا کوئی فائدہ نہیں اگر تجھے کسی ایک بات کا لحاظ ہے۔ تو یاد رکھو اللہ کا لحاظ رکھنا بہت بہتر ہے، ابھی اٹھو اور جیسا تمہیں کرنا چاہئے ویسا ہی کرو، اب اس کے خلاف نہ کرنا۔ میں نے عرض کیا بسر و چشم۔

میں بیدار ہو کر حمام میں گیا۔ اور مسجد میں جا کر نماز پڑھی۔ اس کے بعد فخر الملک[۲] نے مجھے بلا بھیجا۔ اور مجھ سے پوچھا: تمہیں کیا خبر ملی ہے؟ میں نے کہا میرا عقیدہ تو پہلے بھی یہی تھا مگر اب تک میں نے اسے چھپائے رکھا تھا۔ کہ کل رات میں نے خواب میں ایسا ایسا دیکھا۔ اس نے کہا ہمارے احباب مجھ سے ذکر کیا کرتے تھے۔ کہ تو ہماری طرح نماز پڑھتا ہے اور دعا کرتا ہے، فخر الدولہ نے مجھے کپڑوں کا جوڑا اور سو دینار دئے مگر میں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ میں اس عمل میں دنیا کو داخل کرنا نہیں چاہتا۔ یہ بات سن کر فخر الدولہ بہت خوش ہوا۔ پھر میں نے قرآن مجید لکھنے کا ارادہ کیا۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا یہ میں نے کسی جگہ پڑھا ہے مگر اس وقت یاد نہیں کہ کس کتاب میں پڑھا تھا۔ کہ اس کے والد نے کہا۔ کہ مجھے بھی خواب میں یہی حکم دیا گیا ہے، کہ اسلام لے آؤ، اور وہ اسی لئے مسکرایا تھا...... نیز اس کتاب میں یہ بھی تھا۔ کہ مشکا کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکا مار کر توڑا تھا۔

[۲] فخر الملک نظام الملک طوسی وزیر اعظم کا بیٹا تھا۔ یہ اس وقت گورنر تھا۔

ایک شخص نے رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ۔اس نومسلم کو کہدو کہ تو نے جو قرآن لکھنے کا ارادہ کیا ہے نیک ارادہ کیا ہے، ایسا ہی کرو، اس سے تمہارے اسلام کی تکمیل ہوگی،

صابی کہتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد میں نے جس عورت سے نکاح کیا۔ اس نے مجھے بتلایا۔ کہ شادی کے بعد مجھے کسی نے کہا کہ تم ابھی پہلے دین پر ہی ہو۔ لہذا میں نے تم سے الگ ہونے کا ارادہ کرلیا۔ پھر میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جس کے متعلق کہا گیا۔ کہ یہ رسول اللہؐ ہیں۔ آپ کے ساتھ ایک جماعت بھی تھی جن کے متعلق کہا گیا۔ کہ وہ صحابہؓ ہیں۔ اور ایک آدمی تھا جس کے پاس دو تلواریں تھیں وہ علی بن ابی طالب تھے، اور ایسا معلوم ہوا کہ تو اندر آیا ہے حضرت علیؓ نے ایک تلوار اپنے گلے سے اتار کر تمہارے گلے میں ڈال دی۔ اور کہا یہ تلوار یہاں ہونی چاہیئے۔ اور رسول اللہ نے تم سے مصافحہ کیا۔ امیر المومنین حضرت علیؓ نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اور میں بالاخانہ سے جھانک رہی تھی۔ اور فرمایا: کیا تو اسے نہیں دیکھتی؟ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک تمہارے اور بہت سے لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ باعزت ہے، ہم اسی لئے آئے ہیں کہ تمہیں اس کے مرتبہ کا پتہ چل جائے، اور تمہیں بتادیں کہ ہم نے صحیح طور پر تمہاری شادی اس سے کردی ہے۔ اب تمہیں اطمینان اور خوشی ہونی چاہیئے۔ تمہیں اس شخص سے خیر ہی حاصل ہوگی۔ اس پر میں بیدار ہوئی، اور تمام شکوک جاتے رہے۔

اس قصہ کو بیان کرنے کے بعد علی بن نبہان اپنے نانا ابوالحسن کاتب سے روایت کرتے ہیں۔ کہ تیسری بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا۔ تمہارے خواب کی سچائی کی دلیل یہ ہے۔ کہ تمہاری بیوی حاملہ ہے۔ اور لڑکا ہوگا جب پیدا ہو تو محمد نام رکھنا اور ایسا ہی ہوا جب بچہ ہوا تو اسکا محمد نام رکھا اور ابوالحسن کنیت رکھی۔

نورالدین زنگی کا روضۂ اطہر کے گرد سیسہ کی دیوار بنانا سید سمہودیؒ کہتے ہیں، کہ میں نے علامہ جمال الدین اسنوی کی کتاب "نصیحۃ اولی الالباب فی منع استخدام النصاری" میں پڑھا ہے کہ سلطان نورالدین زنگی کے عہد میں انہوں نے ایک بہت بڑے کام کی خواہش کی۔ اس خیال سے کہ وہ اس میں کامیاب ہوجائیں گے

وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّا اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ

قصہ یوں ہوا کہ سلطان نورالدین رات کو تہجد اور اوراد کے لئے اٹھا کرتا تھا۔ ایک رات تہجد کے بعد سو گئے تو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور آپؐ نے دو بھورے رنگ کے آدمیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا میری مدد کرو اور ان دو شخصوں سے مجھے چھڑاؤ، نورالدین گھبرا کر اٹھا پھر وضو کیا۔ نماز پڑھی اور سو گیا۔ پھر خواب میں پہلا سا قصہ ہوا۔ پھر اٹھا اور نماز پڑھ کر پھر سو گیا۔ پھر تیسری بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہی بات فرما رہے ہیں۔ پھر اٹھا اور کہا اب تو سونے کا وقت نہیں رہا۔ نورالدین کا وزیر جمال الدین موصلی ایک مرد صالح

---

[1] وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ: ۱ : ۶۶۴ تا ۶۷۰، جذب القلوب: ۱۷۹ تا ۱۸۱، شیخ عبدالحق نے اس واقعہ کی تاریخ ۵۵۷ھ دی ہے۔ مدارج النبوۃ: ۲ : ۵۷۸ الجواب الفسیح: ۳۳۴ - ۳۳۵ مصنف نے اپنے والد صاحب روح المعانی کی کتاب الطراز المذہب کا حوالہ دیا ہے۔ کہ اس میں آلوسی نے معتبر تاریخوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے،

تھا - اسے بلا بھیجا۔ اور اسے تمام قصہ سنایا۔ جمال الدین موصلی نے نورالدین سے کہا: اب آپ کس لئے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ابھی مدینہ جائیں، اور کسی شخص سے خواب کا ذکر نہ کریں۔ اسی وقت روانگی کی تیاری کرلی اور بیس آدمیوں اور وزیر کو اپنے ہمراہ لیا۔ اور نہایت تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، اور ۱۶ دن کے اندر مدینہ پہنچ گئے۔ سلطان نے شہر کے باہر ہی غسل کیا۔ پھر مدینہ میں داخل ہوا۔ اور روضۂ اطہر کے پاس پہنچکر نماز پڑھی پھر زیارت کر کے بیٹھ گیا۔ مگر اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ کیا کرے۔ سلطان کو دیکھکر بہت سے لوگ مسجد نبوی میں جمع ہو گئے تھے، وزیر نے انہیں کہا کہ سلطان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ اور خیرات کے لئے اپنے ساتھ بہت سامال لائے ہیں۔ لہٰذا تمام اہل مدینہ کے نام لکھ لو۔ سلطان انہیں ایک ایک کر کے بلاتا گیا اور خیرات دیتا گیا۔ اور ہر شخص کو غور سے دیکھتا گیا، اس کا حلیہ اس حلیے کے مطابق ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کا بیان کیا تھا۔ لوگ آتے اور صدقہ لے کر چلے جاتے، یہاں تک کہ سب ختم ہو گئے۔ سلطان نے دریافت کیا: کیا کوئی رہ تو نہیں گیا۔ جو صدقہ لینے نہ آیا ہو؟ اس پر لوگوں نے کہا۔ صرف دو مغربی شخص رہ گئے ہیں۔ وہ کسی سے کچھ نہیں لیتے۔ اور وہ دونوں نیک اور مالدار آدمی ہیں۔ غریب اور محتاج لوگوں پر صدقہ اور خیرات کرتے رہتے ہیں یہ سن کر اسے خوشی ہوئی۔ اور کہا انہیں میرے پاس لاؤ، جب انہیں لایا گیا تو دیکھا وہ بعینہ وہی شخص ہیں۔ جن کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا تھا۔ سلطان نے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ بلادِ مغرب کے رہنے والے ہیں۔ حج کے لئے آئے تھے، ہم نے چاہا کہ یہ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ کے پاس گذاریں سلطان نے کہا: سچ سچ کہو، مگر وہ اپنی بات پر اڑے رہے، اس پر سلطان نے دریافت کیا۔ کہ یہ کہاں رہتے ہیں۔ لوگوں نے بتلایا۔ کہ حجرہ شریف کے قریب جو سرائے ہے وہاں رہتے ہیں، سلطان ان کو لے کر ان کے گھر آیا۔ اس نے وہاں بہت مال و دولت دیکھی۔ اہل مدینہ نے ان کی بہت تعریف کی۔ اور کہا کہ دونوں صائم الدھر ہیں۔ روضۂ اطہر پر ہر وقت درود پڑھتے رہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے اور ہر روز اہل بقیع کی زیارت کو جاتے ہیں۔ اور ہر ہفتہ اہل قبا کی زیارت کرنے جاتے ہیں۔ انہوں نے کبھی کسی سائل کو رد نہیں کیا۔ اور اس قحط سالی کے زمانہ میں انہوں نے بہت سے حاجتمندوں کی مدد کی ہے، یہ تمام باتیں سنکر سلطان نے کہا: سبحان اللہ۔ اس سے زیادہ کسی بات کا تذکرہ نہیں کیا سلطان خود گھر کے اندر چکر لگانے لگا۔ پھرتے ہوتے سلطان نے ایک چٹائی اٹھائی اور دیکھا کہ سرنگ کھدی ہوئی ہے جو حجرہ شریفہ کی طرف جاتی ہے۔ یہ دیکھکر لوگ کانپ اٹھے،

سلطان نے کہا سچ سچ بتاؤ۔ انہیں جب خوب مارا گیا۔ تو انہوں نے اعتراف کیا۔ کہ وہ دونوں عیسائی ہیں اور عیسائیوں نے انہیں مغربی حاجیوں کے لباس میں بہت سامال دیکر روانہ کیا ہے، اور انہیں ایک بہت بڑی بات کا حکم دیا ہے، جو ان کے دماغ میں آئی تھی۔ اور ان کا یہ خیال تھا۔ کہ وہ یہ کام کرلیں گے۔ بات یہ تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو نکال کر لے جانا چاہتے تھے، اس غرض سے وہ حجرہ شریف سے قریب ترین سرائے میں آ گئے اور انہوں نے وہ بات کی جس کا ذکر ہو چکا۔ یہ لوگ رات کو سرنگ کھودتے ہر ایک کے پاس مغربی لوگوں کے طرز پر ایک چمڑے کا تھیلا ہوتا۔ جو مٹی کھودی جاتی اسے وہ ان تھیلوں میں ڈالکر جنت البقیع کی زیارت کے بہانے وہاں قبروں

کے درمیان ڈال دیتے، ایک مدت تک وہ یہی کرتے رہے اور جب حجرہ شریف کے قریب پہنچے تو آسمان سے سخت کڑک اور بجلی چمکی۔ اور سخت زلزلہ آیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اکھڑ جائیں گے، اسی رات کو سلطان مدینہ پہنچا اور انہیں گرفتار کیا۔ اور انہوں نے اپنے جرم کا اعتراف بھی کیا۔ جب نور الدین ان دونوں شخصوں کا حال ظاہر کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس نے دیکھا کہ اللہ نے اسے اس کا اہل بنایا ہے، تو وہ خوب رویا کیا۔ اور اس نے ان کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا، چنانچہ انہیں اس جالی کے پاس قتل کیا گیا۔ جو حجرہ شریف سے متصل ہے۔ اس کے بعد اس نے سطح آب تک خندق کھدائی اور بہت سا سیسہ جمع کیا۔ اور سیسہ کو پگھلا کر پانی کی سطح تک ایک دیوار حجرہ شریفہ کے گرد بنوادی گئی۔ جب ان امور سے فارغ ہوا تو اپنے دار الحکومت کو واپس چلا آیا۔ اور حکم دیا کہ کسی کافر کو سرکاری کام پر نہ لگایا جائے،

سمہودی اس واقع کی دیگر روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں، سنہ ۴۰۰ھ کے بعد نور الدین کے خواب کی قسم کا ایک اور واقعہ پیش آیا تھا۔ جیسا کہ زین الدین مراغی نے ابن النجار کی تاریخ بغداد سے نقل کیا ہے،

واقعہ یوں ہے کہ کسی زندیق نے مصر کے حاکم عبیدی[1] کو مشورہ دیا۔ کہ وہ جسم مبارک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبین کے جسم کو مدینہ سے نکال کر مصر لے آئے۔ اس نے اس کام کے لئے ابو الفتح کو مقرر کیا۔ جب ابو الفتح مدینہ پہنچا۔ اور لوگوں کو اس کے عزائم بد کا علم ہو چکا تھا۔ ایک مجلس میں ایک قاری تھے، جو زلبانی کے نام سے مشہور تھے، انہوں نے مجلس میں یہ آیت پڑھی۔

وَإِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ ... الیٰ قولہ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

اس پر لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا۔ اور ابو الفتح کو مار ڈالنے کو تھے۔ مگر چونکہ اس وقت حکومت مصریوں کی تھی، اسلئے وہ اسے قتل کرنے سے باز رہے، اس کے بعد شہر میں ایک تند ہوا چلی جس کی وجہ سے اونٹ پالانوں سمیت اور گھوڑے زینوں سمیت اس طرح لڑھکے جس طرح گیند زمین پر لڑھکتا ہے۔ اور اس طرح بہت سے لوگوں کی موت واقع ہوئی، اور میں نے اسی بات کو بہانہ بنا لیا اور واپس چلا گیا۔

عجیب واقعہ | محب طبری الریاض النضرۃ فی فضائل العشرہ میں لکھتے ہیں[2] کہ ہارون ایک عابد و زاہد تھا اور مرد صالح تھا۔ وہ اپنے باپ شیخ عمر سے روایت کرتے ہیں، کہ میں مدینہ میں مقیم تھا۔ ان دنوں خدام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رئیس شمس الدین صواب لمطی تھا۔ شمس الدین صواب بہت نیک آدمی تھا۔ فقراء کے ساتھ محبت اور ان پر بہت احسانات کیا کرتا تھا۔ ہم میں آپس میں بہت انس و محبت تھی،

اس نے ایک روز کہا۔ کہ تم سے ایک عجیب قصہ بیان کرتا ہوں۔ میرا ایک دوست تھا جس کی نشست و برخاست حاکم شہر سے تھی، وہ ایک دن آیا اور کہنے لگا۔ آج ایک بہت بڑی بات واقع ہوئی ہے، میں نے پوچھا وہ کیا ہے، اس نے کہا حلب سے کچھ لوگ آئے ہیں۔ اور انہوں نے حاکم شہر کو بہت سا زر و مال دیا ہے، اور اس سے درخواست کی ہے کہ وہ حجرہ شریفہ کو کھلوادے۔ تاکہ وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کو نکال کر لے جائیں۔ حاکم نے وعدہ کر لیا۔ صواب کہتا ہے کہ یہ سن کر مجھے انتہا درجہ کا غم لاحق ہو گیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ حاکم کی طرف سے بلانے کے لئے آدمی آ گیا، جب میں حاکم کے

(حاشیہ صفحہ ہذا ملاحظہ ہو صفحہ ۱۸۸ پر)

پاس پہنچا تو اس نے مجھے کہا۔ اے صواب آج رات کچھ لوگ آکر دستک دیں گے ان کے لئے مسجد کا دروازہ کھول دینا اور جو وہ کرنا چاہیں انہیں کرنے دینا، نہ ان کی مخالفت کرنا اور نہ اعتراض، میں نے عرض کیا بسر وچشم، صواب کہتا ہے، کہ میں وہاں سے چلا آیا، اور دن بھر روتا رہا، میرے آنسو نہ تھمتے تھے، لوگوں کو میری کیفیت کا علم نہ تھا جب رات ہوئی تو ہم نے عشاء کی نماز پڑھکر مسجد کے دروازے بند کردئے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ باب السّلام کے سامنے کے دروازہ پر دستک ہوئی میں نے دروازہ کھول دیا۔ اور چالیس آدمی پھاوڑے، بیلچے، موم بتیاں اور دیگر آلات لیکر اندر آگئے، اور حجرہ شریف کا رُخ کیا۔ ابھی منبر تک پہنچے تھے کہ وہ سب کے سب مع آلات وغیرہ کے زمین کے اندر دھنس گئے، اور ان کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہا جب کچھ دیر تک امیر کو ان کی جانب سے کوئی خبر نہ ملی تو مجھے بلایا اور پوچھا، اے صواب کیا وہ لوگ تمہارے پاس نہیں پہنچے، میں نے عرض کیا، پہنچے تو تھے، مگر ان سے یہ واقعہ پیش آیا ہے، حاکم نے کہا کیا بکتا ہے؟ میں نے عرض کیا حضور واقع تو اسیطرح ہے، چل کر دیکھ لیں کیا ان کا کوئی نشان بھی باقی ہے، اس پر حاکم نے کہا: بات یہیں کی یہیں رہنی چاہیئے، اگر کہیں اس کا تذکرہ کیا تو تمہاری گردن اڑادی جائیگی،

شاہ عبدالرحیم کا خواب | شاہ ولی اللہ درثمین میں لکھتے ہیں،[1]

اَلْحَدِيثُ الْخَامِسَ عَشَرَ، اَخْبَرَنِي وَالِدِي اَنَّهُ كَانَ مَرِيضًا فَرَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْمِ فَقَالَ: كَيْفَ حَالُكَ يَا بُنَيَّ ثُمَّ بَشَّرَهُ بِالشِّفَاءِ وَاَعْطَاهُ شَعْرَتَيْنِ مِنْ شَعْرِ لِحْيَتِهِ فَتَعَافَى مِنَ الْمَرَضِ فِي الْحَالِ، وَبَقِيَتِ الشَّعْرَتَانِ عِنْدَهُ فِي الْيَقْظَةِ فَاَعْطَانِي اِحْدَاهُمَا فَهِيَ عِنْدِي

پندرھویں حدیث :- میرے والد نے مجھے بتلایا، کہ وہ بیمار تھے، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپؐ نے فرمایا بیٹا کیا حال ہے، پھر آپؐ نے اپنی ریش مبارک کے دو بال دئے، اور شفا کی بشارت دی اور انہیں فوراً آرام آگیا۔ اور جب بیدار ہوئے تو دونوں بال اُن کے پاس موجود تھے، میرے والد نے ایک بال مجھے عطا کیا۔ اور یہ اب تک میرے پاس موجود ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بوصیری کو فالج سے شفا بخشنا | ابو عبداللہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد عبداللہ الصنہاجی البوصیری متوفی ۶۹۵ھ) بہت پایہ کے شاعر ہوئے ہیں، انہیں فالج ہوگیا تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شفا دی تھی، یہ اپنا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں۔

میں نے مدح نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت سے قصیدے لکھے جن میں سے بعض وزیر زین الدین یعقوب بن زبیر کی درخواست پر تصنیف ہوئے، لیکن اس کے بعد میں بعارضۂ فالج مبتلا ہوگیا جس سے میرا آدھا نچلا حصہ بیکار ہوگیا، بہت

حاشیہ صفحہ ہٰذا :- [1] الدر الثمین : ۲ شاہ صاحب نے اسی خواب کو "انفاس العارفین" میں زیادہ تفصیل سے دیا ہے، ملاحظہ ہو انفاس العارفین : ۴۰ تا ۴۲،

(بقیہ حاشیہ ۱۸۷) [5] اس وقت مدینہ میں عبیدیہ یعنی اسمٰعیلی فرقہ کی حکومت تھی ان لوگوں کے عقائد کفریہ عقائد ہیں اور یہ لوگ عقائد اسلام کا احترام نہ کرتے تھے، چنانچہ یہ لوگ حجر اسود کو خانہ کعبہ سے اٹھا کر لے گئے اور ایک مدت کے بعد اسے واپس کیا سے [5] وفاء الوفاء ۱ : ۴۷۰ - ۴۷۱،

علاج کیا، مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، بالآخر خیال آیا، کہ مرنے سے پہلے ایک اور قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہہ ڈالوں چنانچہ اسی حالت میں میں نے ایک قصیدہ تیار کیا اور رات کو بار بار اسے پڑھتا رہا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے بارگاہِ رب العزت میں رو کر دعا کی اسی حالت میں میری آنکھ لگ گئی۔ اور خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپؐ نے پوچھا:- بوصیری کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: حضور آپؐ دیکھ رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے بدن کے مفلوج حصہ پر پھیرا اور اپنی چادر مبارک اڑھائی، جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں بالکل صحیح اور تندرست ہوں، میں نے اس قصیدہ کا ذکر کسی شخص سے نہ کیا تھا۔ مگر ابھی صبح کو گھر سے نکلا ہی تھا۔ کہ ایک درویش ملے جنہوں نے مجھے کہا کہ جو قصیدہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا ہے وہ مجھے عنایت فرمائیے۔ میں نے جواب دیا کہ حضور انور کی مدح میں میں نے بہت سے قصیدے کہے ہیں، آپؐ کی مراد کس قصیدے سے ہے؟ بولے کہ جو تم نے بیماری کی حالت کہا ہے اور جس کا مطلع یہ ہے،

ے

أَمِنْ تَذَكُّرِ جِيرَانٍ بِذِي سَلَمٍ ... مَزَجْتَ دَمْعًا جَرَىٰ مِنْ مُقْلَةٍ بِدَمٍ

اور پھر کہا بخدا رات کو یہی قصیدہ میں نے دربارِ نبوی میں سنا ہے، جب یہ پڑھا جا رہا تھا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو سن کر یوں جھوم رہے تھے، جیسے بادِ نسیم کے جھونکوں سے میوہ دار درخت کی شاخیں جھوما کرتی ہیں، حضورؐ نے اس کو پسند فرمایا۔ اور پڑھنے والے کو اپنی چادر مبارک اوڑھائی، یہ سن کر میں نے اس درویش کو یہ قصیدہ دے دیا۔[1]

---

[1] فوات الوفیات لابن شاکر ۲: ۲۰۵-۲۰۷

علماء دیوبند کا حیات انبیاء کے متعلق عقیدہ

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ حیات انبیاء کا مسئلہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے امت محمدیہ کا آج تک اس پر اتفاق چلا آیا ہے، اس لئے ضرورت تو نہ تھی کہ کسی ایک جماعت کا خاص طور پر ذکر کیا جاتا۔ مگر چونکہ بعض لوگ اپنے دجل و فریب کو ترویج دینے کے لئے لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو دیوبندی کہکر پیش کرتے ہیں، حالانکہ علماء دیوبند ان کے کلمات کفریہ اور عقائد باطلہ سے قطعاً مبرا ہیں، اس لئے مناسب خیال کیا گیا کہ لوگوں پر واضح کر دیا جائے، کہ مسئلہ حیات انبیاء کے متعلق علماء دیوبند نے کس وضاحت سے اپنا عقیدہ پیش کر دیا ہے، اس کے باوجود اگر کوئی اپنی ڈھٹاہٹ سے اپنے آپ کو دیوبندی کہتا رہے، تو اس کا بس یہی جواب ہے، اِذَا لَمْ تَسْتَحِیْ فَاصْنَعْ بِمَاشِئْتَ مگر جہاں تک علماء دیوبند کا تعلق ہے، فَهُمْ فِیْ دَادٍ وَاَنْتَ فِیْ دَاد

میں کتاب کے دوران میں سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ اور مولانا تھانوی کے بیانات پیش کر چکا ہوں اس لئے ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں،

مولوی بدر عالم صاحب کا بیان

مولوی بدر عالم صاحب نے ترجمان السنہ[1] میں حیات انبیاء پر ایک الگ باب باندھا ہے، میں یہاں انہی کے الفاظ میں احادیث کا ترجمہ اور تشریح پیش کرتا ہوں

۱۰۷۱، انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں قبروں میں نماز پڑھتے ہیں

۱۰۷۲، ابوالدرداء روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود بھیجا کرو کیونکہ اس دن کا لقب "مَشْهُوْد" ہے کیونکہ اس میں فرشتوں کی بکثرت آمد ہوتی ہے، اور جو شخص اس دن مجھ پر درود بھیجتا ہے، اس کی درود جب تک وہ اس میں مشغول رہتا ہے، میرے سامنے پیش ہوتی رہتی، راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا موت کے بعد بھی؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر یہ بات حرام کر دی ہے، کہ وہ انبیاء کے جسموں کو گلا سڑا دے، لہٰذا خدا کا نبی زندہ ہی رہتا ہے، اور اس کو رزق بھی دیا جاتا ہے،

اس حدیث کی تشریح میں مولوی بدر عالم صاحب لکھتے ہیں، :-

اہل جنت کی حیات اور دائمی عبادت ذکر حدیث سے ثابت ہے، حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء[2] علیہم السلام اپنی وفات کے بعد بھی عبادات اور نیک اعمال سے معطل نہیں رہتے، بلکہ دوسروں کی درود بھی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے، ان کے جسموں کو زمین نقصان نہیں پہنچاتی، اور ان کو رزق بھی ملتا ہے، یہ جملہ صفات حیات کی صفات ہیں، اس لئے ان کی حیات اور عبادت اس عالم میں بھی اہل جنت کی حیات اور عبادت کی شان رکھتی ہے، لہٰذا جب اس مسئلہ پر غور کرنا ہو تو احادیث کی روشنی میں کرنا چاہئے۔ یہاں صرف اتنی ہی باتوں کو سامنے رکھنا حیات کی حقیقت

---

[1] ترجمان السنۃ: ۳: ۳۰۰-۳۰۵ ع ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴۴ اور ۱۴۹)

سمجھنے کے لئے کافی ہے، اس سے زیادہ اپنی جانب سے محض قیاس آرائیاں کرنا بے وجہ عقائد کو خطرہ میں ڈالنا ہے، اور ان کی موت کو بالکل عام انسانوں جیسی موت سمجھنا بھی محدثین علماء کے خلاف ہے، جبکہ حدیث میں ان کے غسل، انکے دفن ان کی نماز، ان کے ترکہ اور ان بیویوں سے حرمت نکاح کے مسائل صاف صاف موجود ہیں، تو ان کے حق میں بالکل عام موت کا عقیدہ رکھنا بھی کیسے صحیح ہو سکتا ہے،

اس کے بعد حدیث نمبر ١٠٧٢ کے تحت لکھتے ہیں:- جو لوگ خود حاضر ہو کر آپؐ پر درود پیش کرتے ہیں وہ آپ بنفس نفیس خود سنتے ہیں، اور جو دور سے درود و سلام پڑھتے ہیں، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے معین فرما دئے ہیں، وہ اس کو آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں، یہی طریقہ دنیا میں ہے، اپنی موجودگی میں سلام کی سنت آپؐ خود ادا کر لیتے ہیں، اور غائب ہو کر کسی دوسرے آدمی کی معرفت اپنا سلام بھیجتے ہیں، چونکہ وفات کے بعد یہ طریقہ قائم نہیں رہ سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے اس خدمت کے لئے یہاں ملائکہ مقرر فرما دئے ہیں، جو اس خدمت کو سر انجام دیتے ہیں، اگر انبیاء علیہم السلام میں انکار حیات نہیں تو پھر یہ کس لئے ہوتا ہے، اور اگر یہاں حضور و غیبت کا کچھ فرق نہیں تو پھر فرشتوں کا یہ تقرر کس لئے ہے،

ان احادیث صحیحہ سے یہ اندازہ کر لینا چاہیئے، کہ انبیاء علیہم السلام کی شان رفیع کیا ہوتی ہے، ان کی موت کیا عام بشر ہی کی موت کی طرح ہے، یا جس طرح وہ بحالت حیات حج و نماز میں مشغول رہا کرتے ہیں، اسی طرح وہ اپنی وفات کے بعد بھی ان میں مشغول رہتے ہیں۔

مولانا خلیل احمد صاحب کا بیان

السلام علیک ایھا النبی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

عَلٰی اَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیٌّ فِیْ قَبْرِہٖ کَمَا اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ وَلَا فَرْقَ بَیْنَ اَنْ یَّکُوْنَ فَوْقَ الْاَرْضِ اَوْ تَحْتَ حِجَابِھَا کَمَا لَا فَرْقَ فِیْ حُضُوْرِہٖ وَغَیْبَتِہٖ فِیْ زَمَانِ حَیَاتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ[١]

مزید برآں نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ زمین کے اوپر ہیں یا اس کے حجاب کے نیچے جس طرح آپ کے عہد حیات میں آپ کی موجودگی اور عدم موجودگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا

علماء دیوبند کے عقائد کے متعلق مدنی صاحب کا بیان

مولانا حسین احمد مدنی اپنی خود نوشت سوانح عمری میں علماء دیوبند کے عقائد کے متعلق یوں لکھتے ہیں،[٢]

"بہر حال اکابر علماء دیوبند کو بھی اسی وراثت نبوی میں سے عظیم الشان حصہ عناصر وری تھا۔ چنانچہ ملکر رہا۔ اور ایسا کھلا ہوا جھوٹ ان کے خلاف استعمال کیا گیا۔ کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اولاً ان کو اس رسالہ میں وہابی ظاہر کیا گیا۔ حالانکہ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے فرقہ سے ان حضرات کو دور کا بھی تعلق نہ تھا، وہ عقائد و اقوال طائفہ وہابیہ کے مشہور اور مابہ الامتیاز بین اہل السنۃ و بینہم ہیں، ان کے خلاف ان حضرات کی تصانیف بھری ہوئی ہیں۔

---

[١] بذل المجہود: ٢: ١١٤   [٢] نقش حیات: ١: ١٢٠ - ١٢١،

(۱) وہابیہ انبیاء علیہم السّلام کی حیات جسمانی اور بقاء علاقہ بین الروح والجسم کے بعد وفات ظاہری کے منکر ہیں، اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں، بلکہ مثبت بھی ہیں، اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسالے اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں، رسالہ آبحیات نہایت مبسوط رسالہ خاص اس مسئلہ کے لئے لکھا گیا، نیز ہدیۃ الشیعہ، اجوبہ اربعین حصہ دوم اور دیگر رسائل مطبوعہ مصنفہ حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہٗ العزیز اس مضمون سے بھرے ہوئے ہیں،

(۲) وہابیہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں، کہ فقط مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے لئے سفر کرنا چاہیے، وہاں پہنچکر زیارت بھی کرلی جائے، ہمارے اکابر زیارت مطہرہ کے لئے سفر کرنے کو صرف جائز بلکہ افضل المستحبات اور قریب واجب قرار دیتے ہیں، بلکہ محض زیارت کے لئے سفر کرنا جس میں اور کوئی دوسری قربت منوی اور ملحوظ نہ ہو، افضل اور اعلیٰ قرار دیتے ہیں، چنانچہ رسالہ زبدۃ المناسک مصنفہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز باب زیارت المدینۃ اس پر شاہد عدل ہے،

(۳) وہابیہ توسل بالانبیاء والاولیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کو بعد الوفات ممنوع اور حرام قرار دیتے ہیں، یہ حضرات نہ صرف جائز بلکہ "ادعٰی للاجابۃ" اور مفید تر قرار دیتے ہیں، شجرات حضرات چشتیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور آداب زیارت و ادعیہ مدینہ منورہ اس پر شاہد عدل ہیں، جو کہ حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی اور حضرت مولانا یعقوب صاحب اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ اسرارہم کے متعدد تصانیف میں شائع ہیں؛

بیداری میں دیدارِ مصطفوی[۴]

اہل سنت کے ہاں یہ ایک مسلم امر ہے، کہ اولیاء اللہ سے کرامات کا ظہور جائز اور ممکن ہے چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں[۱]،

وَالْمَشْهُوْرُ عَنْ اَهْلِ السُّنَّةِ اِثْبَاتُ الْكَرَامَاتِ مُطْلَقًا

عہد صحابہؓ سے لے کر آج تک اللہ کے نیک بندوں سے کرامات ظاہر ہوتی رہی ہیں، اور در حقیقت ولی کی ہر کرامت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا معجزہ شمار ہو گی، جب ہر کرامت معجزہ ٹھہری تو ہر وہ معجزہ جو کسی نبی سے ظاہر ہوا ہو کسی ولی سے بطور کرامت کے ظاہر ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں[۲]،

اِنَّ كُلَّ مُعْجِزَةٍ وُجِدَتْ لِنَبِيٍّ يَجُوْزُ اَنْ تَقَعَ كَرَامَةً لِوَلِيٍّ،

یہ بھی معلوم ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے ملاقات کی اور ان سے باتیں بھی کیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، لہٰذا اولیاء امت کیلئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیاء کو بطور کرامت دیکھنا صحیح اور جائز ہوگا،

ابو عبد اللہ قرشی کی حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات

یافعی وغیرہ نے نقل کیا ہے، کہ ایک دفعہ مصر میں سخت قحط سالی ہوئی، تو شیخ کبیر ابو عبد اللہ قرشی نے قحط دور کرنے کے لئے دعا کرنا چاہی، ندا آئی کہ دعا مت کرو، کیونکہ اس معاملہ میں تم میں سے کسی کی کوئی بات نہ مانی جائیگی۔ ابو عبد اللہ قرشی شام کیطرف روانہ ہوئے، اور جب ابراہیم خلیل اللہ کی قبر کے قریب پہنچے تو وہ ملاقات کے لئے آئے ابو عبد اللہ قرشی نے عرض کی، یا رسول اللہ میری ضیافت یہی ہے، کہ آپ اہل مصر کیلئے دعا فرمائیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی، تو اللہ نے قحط دور کر دیا[۳]،

اولیاء امت کی گذشتہ اولیاء سے ملاقات کی بے شمار مثالیں ہیں، مگر یہاں میرا مقصد صرف دیدار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا ہے، علماء نے اس والہانہ عقیدت کیوجہ سے جو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اس بارے

---

[۱] فتح الباری: ۷: ۲۰۶ [۲] فتح الباری: ۷: ۳۰۷ ابن حجر مکی اپنے فتاوی میں کہتے ہیں۔ (صفحہ ۲۵۶) وَحَقَّقْتُ فِيْهِ اَنَّ مَا جَازَ لِلْاَنْبِيَاءِ مُعْجِزَةً جَازَ لِلْاَوْلِيَاءِ كَرَامَةً نیز ملاحظہ ہو انباہ الاذکیا صفحہ ۲۴۷)

[۳] فتاوی حدیثیہ: ۲۵۶ - ۲۵۷ [۴] مشارق الانوار ۶۹،

میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر ناضروری سمجھتا ہوں

(۱) تحفۃ الطالب المستہام فی رؤیۃ النبی علیہ السّلام مؤلفہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد الاطعانی الحلبی،

(۲) تنبیہ الغبی فی رؤیۃ النبی مؤلفہ شیخ محمد یوسف بن یعقوب خلوتی شیخ الحرم النبوی (ترکی زبان میں)

(۳) حور الخیام وعذراء ذوی الہیام فی رؤیۃ خیر الانام فی الیقظ کمافی المنام مؤلفہ محمد بن ابراہیم المعروف بجنبلی زادہ متوفی ۱۱۱۹ھ

(۴) غایۃ الاعلام فی رؤیۃ النبی علیہ السّلام مولفہ شیخ جمال ۱۱۰۰ھ السطامی،

(۵) الکواکب الزاہرۃ فی اجتماع الاولیا بسید الدنیا والآخرۃ، مؤلفہ شیخ ابوالفضل عبدالقادر بن حسین بن علی شاذلی ۹۴۶ھ

شیخ عبدالحق کا بیان

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں[1]،

اما دیدن آنحضرت را در یقظ بعد از رفتن ازیں عالم، بعضی محدثین گفتہ اند کہ نقل ایں از ہیچ یکے از صحابہ و تابعین نرسیدہ وگفتہ کہ بحنت شدحزن فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا بغم و محنت فراق آنحضرت در مدت شش ماہ تا جان دادہ وبود خانہ وے رضی اللہ عنہا مجاور ضریح شریف، و ہیچکس نقل نہ کردہ کہ دریں مدت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت را در یقظہ دید[2]،

نعم از بعضے صالحین حکایات دریں باب آمدہ۔ و بصحت رسیدہ و حکایات و روایات شیخ بسیار است نزدیک بحد تواتر رسیدہ و منکر ایں حال تصدیق بکرامات اولیاء دارد یا ندارد و اگر ندارد ساقط شد بحث باوی زیرا کہ منکر است چیزے را کہ اثبات کردہ اند کتاب وسنت و اگر دارد ایں از جملہ کرامات است انکار چیست،

وامام حجۃ الاسلام غزالی درکتاب المنقذ من الضلال گفتہ کہ ارباب قلوب مشاہدہ میکنند در یقظ ملائکہ را و ارواح انبیاءؑ رمی شنوند از ایشاں اصوات و کلمات و اقتباس کنند فوائد را

و در مواہب لدنیہ گفتہ کہ[3] ابن منصور در رسالہ خود نوشتہ کہ در آمد شیخ ابوالعباس قسطلانی بر آنحضرت پس دعا کرد آنحضرت اورا و فرمود اخذ اللہ بیدک یا احمد،

واز شیخ ابو السعود[4] آمدہ کہ مصافحہ می کرد آنحضرت را بعد از نماز،

واز قطب الوقت ابوالحسن شاذلی آوردہ کہ آنحضرت را دیدم، فرمود،

یا علیُّ طَہِّرْ ثِیَابَکَ مِنَ الدَّنَسِ،

واز سید نورالدین یحییٰ آوردہ اند کہ شنید جواب سلام از داخل قبر شریف کہ علیک السلام یا ولدی،

واز شیخ ابوالعباس مرسی آوردہ کہ می فرمود اگر یک چشم زدن جمال سید المرسلین از من محجوب گردد من خود را مسلمان

---

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ : ۳ : ۳۵۲ [2] راقم الحروف کہتا ہے کہ اگر فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا یا کوئی اور صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھ لیتا، تو وہ فتنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کیوقت بپا ہوا تھا۔ پھر بپا ہو جاتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے روانہ ہو جانا، اور دوسری دنیا میں منتقل ہو جانا ایک یقینی امر تھا۔ مگر پھر بھی صحابہ میں آپکی وفات کیوقت اس پر شک گذرا۔ ابھی اس واقعہ کو کچھ دیر نہ ہوئی تھی، اور اگر بیداری کے عالم میں صحابہ کو دیدار نبوی عطا ہو جاتا تو از سرنو یہ فتنہ بپا ہو جاتا، مزید براں یہ فضیلت تو صرف ان لوگوں کیلئے ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیاوی زندگی میں نہ دیکھا ہو صحابہؓ کے لئے کیا یہ شرف کم تھا۔ کہ انہوں نے آنحضرتؐ کی صحبت حاصل کی، لہذا انہیں اس حقیقی صحبت کو چھوڑ کر معنوی صحبت کی ضرورت نہ تھی، [3] ملاحظہ ہو مواہب اللدنیہ : ۵ : ۲۹۶ [4] ابوالسعود بن ابی العشائر الواسطی صاحب کرامات بزرگ ہیں۔

نمی شمرم ،

وگفتہ اند کہ بحقیقت آں نیز تمثال است واگرچہ در یقظ است لے غلبہ وغیبت نیست و در حصول صحت ثبوت احکام شرعی بر غیر رائی حجت نہ ، والله اعلم ،

و در بہجۃ الاسرار باسنادوی کہ در وی دو واسطہ بیش نیست روایت کردہ کہ روزی غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ بر کرسی نشستہ بود و وعظ می فرمود و قریب بدہ ہزار کس در پایہ وعظ وی حاضر شیخ علی ابن ہیتی در زیر پائی بکرسی شیخ نشستہ ناگاہ علی بن ہیتی را خوابی برد ، پس شیخ عبدالقادر قوم را فرمود "اسکتوا" پس ہمہ ساکت شدند ، تا جز انفاس ایشاں شنیدہ نمی شد ، پس فرود آمد ، شیخ از کرسی و بایستاد و با ادب ، پیش شیخ علی در وی بنگریست در وی ، پس بیدار شد شیخ علی و گفت شیخ عبدالقادر باوی کہ دیدی آنحضرت را بخواب گفت : نعم ، گفت ازیں جہت با ادب ورزیدم با تو وایستادم در پیش تو ، فرمود بچہ وصیت کرد ترا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، گفت : بملازمت من مجلس تو ، پس شیخ علی گفت : آنچہ در خواب دیدم شیخ عبدالقادر در بیداری دید

بیداری میں دیدار نبوی کا متعدد لوگوں نے بحث کی ہے ، چنانچہ ملاحظہ ہو زرقانی ج ۵ : صفحہ ۲۹۵ تا ۳۰۰) فتاوی ابن حجر مکی صفحہ ۲۵۵ تا ۲۵۷ ، مولوی بدر عالم صاحب میرٹھی نے ترجمان السنۃ میں اس کا ایک الگ باب باندھا ہے ، سیوطی نے الحاوی فی الفتاوی (۲ : ۲۶۲ - ۲۶۳) میں ذکر کیا ہے ، کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستر سے زیادہ بار دیکھا ، امام عبدالوہاب شعرانی نے متعدد اولیاء کا ذکر کیا ہے ، کہ انہیں بیداری کے عالم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوتا تھا ۔ نیز خود اپنے متعلق بھی لکھا ہے کہ انہیں بھی بیداری میں دیدار مصطفوی حاصل تھا ۔ ان میں چند بزرگوں کے نام یہ ہیں ، شیخ محمد بن ابی جمرہ (لواقح الانوار ۱ : ۱۳۸) ، شیخ عبداللہ بن ابی جمرہ (ج : ۱ : ۱۷۲) شیخ ابوالعباس مرسی (ج : ۲ : ۱۳) ز شیخ ابوالمواہب شاذلی (ج : ۲ : ۶۲ تا ۷۵) وغیرہم ،

زرقانی نے اس مسئلہ پر خوب اچھی طرح بحث کی ہے ، اور اس مسئلہ کو بہت ہی دقیق اور تنگ مقام قرار دیا ہے ۔ اور لکھا ہے کہ دیدار نبوی نہ تو انہیں سر کی آنکھوں سے حاصل ہوتا ہے اور نہ خواب میں بلکہ ایک درمیانی حالت ہوتی اور ملامتیہ فرقہ کے شیخ مسلم کے یہ دو شعر دیے ہیں ،

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] علی ابن ہیتی عراق کے مشہور و معروف اولیاء میں سے ہوئے ہیں ، ابوبکر صدیق رض نے ابوبکر بن ہوار کو خواب میں دو خرقے عطا کئے تھے ، اور جب ابوبکر بن ہوار بیدار ہوئے تو دونوں خرقے ان کے بدن پر موجود تھے ، ان میں سے ایک خرقہ علی بن ہیتی کے پاس پہنچا اور انکے پاس موجود تھا ہیت دریائے فرات پر انبار سے اوپر ایک قصبہ کا نام ہے ، ان کی وفات ۴

میں ، ان کی وفات ۵۶۴ھ میں ہوئی ، ملاحظہ ہو مواہب لدنیہ حوالہ مذکور ،

۴ حاشیہ صفحہ ہذا لے آخر ماہ محرم ۵۶۴ھ میں ہوئی جبکہ ان کی عمر ایک سو بیس سال سے تجاوز کر چکی تھی ، لواقح الانوار ۱ : ۱۲۵ - ۱۲۶ ،

اسی قسم کا واقعہ ابوالحسین محمد بن احمد بن اسماعیل المعروف بابن سمعون المتوفی ۳۸۷ھ کا ہے ۔ ان کی مجلس میں ابوالفتح القواس نے آنحضرت کو خواب میں دیکھا تھا اور ابن سمعون نے بیداری میں (طبقات الحنابلہ لابن ابی یعلیٰ ۲ : ۱۰۷) نیز ملاحظہ ہوں حواشی صفحہ نمبر ۳۹

فَمَنْ یَدَّعِیْ فِیْ ھٰذِہِ الدَّارِ اَنَّہٗ ۝ یَرَی الْمُصْطَفٰی حَقًّا فَقَدْ فَاہَ مُشْتَطًّا
وَلٰکِنْ بَیْنَ النَّوْمِ وَالْیَقْظَۃِ الَّتِیْ ۝ تُبَاشِرُ ھٰذَا الْاَمْرَ رُتْبَۃٌ وُّسْطٰی

جس نے یہ دعویٰ کیا کہ دنیا میں اس نے حقیقی معنوں میں آنحضرت ؐ کی زیارت کی تو اس نے اپنی حد سے بڑھکر بات کی لیکن یہ حالت ایسی حالت ہوتی ہے جو خواب اور بیداری کے بیچ والی حالت ہو، اور حقیقت بھی یہی ہے، کہ اس وقت رائی پر ایک قسم کی غیبوبت طاری ہوجاتی ہے، اور حواس ظاہرہ برقرار نہیں رہتے، اور میرے خیال میں یہی اعتدال پسندانہ عقیدہ ہے، البتہ قطب غوث کے لئے ممکن ہے، کہ وہ غیبوبت کے بغیر ہی یہ دیدار حاصل کرلے جیسا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا واقعہ ظاہر کرتا ہے،

شیخ احمد سرہندی کا بیان

شیخ احمدؒ معروف بہ مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴ھ فرماتے ہیں[۱]،

شخصے بود درلباس صوفیاں کہ بہ بد اعتقادی مبتلا بود ایں فقیر در حقِ او تردد داشت، اتفاقاً گمان بنیم کہ انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم اجمعہم جمع اند ہمہ بزبان واحدی فرمایند در حق آں شخص کہ لیس منّا ۔ دریں اثنا بخاطر رسید کہ از شخص دیگر کہ فقیر در حق او مترود بود استفسار نماید در بارۂ او فرمودند کان منّا ، نَعُوْذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ سُوْءِ الْاِعْتِقَادِ وَمِنْ طَعْنِ اَنْبِیَائِہِ الْاَمْجَادِ ،

یہاں پر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے انبیاء کے ساتھ بیداری کے عالم میں اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے،

مجدد صاحب کی حضرت الیاس اور خضر سے ملاقات

مجدد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں[۲]،

بارہا مجھ سے حضرت خضر علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے احوال کی نسبت دریافت کیا کرتے تھے، چونکہ فقیر کو ان کے حال پر پوری پوری اطلاع نہ دی گئی تھی، اس لئے جواب میں توقف کیا کرتا تھا، آج صبح کے حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیٰ نبینا علیہما الصلوٰۃ والسّلام روحانیوں کی صورت میں حاضر ہوئے، اور تلقی روحانی یعنی روحانی ملاقات سے حضرت خضر نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح میں سے ہیں، حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہوکر وہ کام جو جسموں سے وقوع میں آئیں یعنی جسمانی حرکات وسکنات اور جسدی طاعات وعبادات ہماری ارواح سے صادر ہوتی ہیں، اس اثناء میں پوچھا کہ کیا آپ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں، فرمایا کہ ہم شرائع کے ساتھ مکلف نہیں ہیں، لیکن چونکہ قطب مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں، اور قطب مدار امام شافعیؒ کے مذہب پر ہے، اس لئے ہم بھی اس کے پیچھے امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں، اس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی طاعت پر کوئی جزاء مترتب نہیں ہے، صرف طاعت کے ادا کرنے میں اہل طاعت کیساتھ موافقت کرتے ہیں، اور عبادت کی صورت کو مدّنظر رکھتے ہیں،

اور یہ معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات فقہ شافعیؒ کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں ....

---

[۱] مبدأ ومعاد: ۴۳-۴۴ [۲] مکتوبات، مکتوب: ۲۸۲ ج اول صفحہ ۵۸۴ - ۵۸۵ نیز ملاحظہ ہو صفحہ اسی کتاب کا ۱۴۱-۱۴۲

. . . . اور کمالات نبوت کی مناسبت فقہ حنفی کے ساتھ ہے، یعنی اگر بالفرض اس امت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا، تو فقہ حنفی کے مواقف عمل کرتا،

صوفیاء کے ہاں حیات نبویؐ کا نظریہ

صوفیاء کے ہاں نظریہ حیات نبویؐ کی بنیاد مشہور مقولہ "مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا" پر ہے، چنانچہ مجدد الف ثانی فرماتے ہیں[۱]

"او ست صلی اللہ علیہ وسلم کہ مشرف شدہ بموتی کہ پیش از موت است اگر تشبہ جویند ہم باو سزاوار است،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہستی ہیں، جو موت سے پہلے ہی موت سے مشرف تھے، لہٰذا اگر ہمیں مشابہت اختیار کرنا ہے، تو ان سے مشابہت اختیار کرنی چاہیے،

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:-

وَاعْلَمْ اَنَّ الرُّوْحَ لَمَّا فَارَقَ الْجَسَدَ بِالْمَوْتِ الَّذِیْ هُوَ قَبْلَ الْمَوْتِ وَجَدَ الْعَارِفُ الْوَاصِلُ رُوْحَهٗ غَیْرَ دَاخِلٍ فِی الْجَسَدِ وَلَا خَارِجٍ عَنْهُ وَلَا مُتَّصِلٍ مَعَهٗ وَلَا مُنْفَصِلٍ عَنْهُ وَوَجَدَ اَنَّ لِلرُّوْحِ تَعَلُّقًا مَعَ الْجَسَدِ بِصَلَاحِ الْجَسَدِ بَلْ لِغَرَضٍ یَعُوْدُ اِلَی الرُّوْحِ کَمَالُهٗ اَیْضًا وَذٰلِکَ التَّعَلُّقُ هُوَ مَنْشَاءُ الصَّلَاحِ وَالْخَیْرِ فِی الْجَسَدِ وَلَوْ لَا ذٰلِکَ التَّعَلُّقُ لَصَارَ الْجَسَدُ بِحَذَافِیْرِهٖ شَرًّا وَنَقْصًا[۲]

یاد رکھیں کہ روح جب اس موت کیساتھ جو قبل از موت واقع ہوتی ہے، بدن سے جدا ہوتی ہے، تو عارف واصل یوں محسوس کرتا ہے، کہ روح نہ تو جسم میں داخل ہے، نہ اس سے خارج نہ اس کا اس سے اتصال ہے، نہ انفصال، مگر روح کا جسم کے ساتھ صلاح جسم کی غرض سے کچھ تعلق قائم ہے، بلکہ اس اتصال کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ روح کو بھی جسم سے کمال حاصل ہو، اسی کی بدولت جسم کو بہبود اور خیر حاصل ہوتی ہے، اگر ایسا نہ ہو تو جسم ہمہ تن شر اور نقص بنجائے،

اسی نظریہ کی بنا پر زاہد و فقیہ و عالم ابوالابراہیم بن اسمٰعیل بن محمد بن عبداللہ المستملی البخاری فرماتے ہیں[۳]

پس ہمہ خلق را موت بالبیت تا از نفس بے نفس گشتند، یا از جول او در حال حیات از نفس بے نفس گشت چوں مرگ آمد حال او پس از مرگ ہمچو حال او بود کہ پیش از مرگ، یعنی کہ زنان او را عدت گذشتن نبود، اگر مرگ او چوں مرگ اغیار بودے حکم زنان او چوں حکم زنان اغیار بودے، و اگر مرگ او علیہ السلام چوں مرگ دیگراں بودی اثبات رسالت بو از مرگ محال بودی کہ مرد رسول باشد، چوں امر آمد . . . .

کہ بقیامت می باید گفتن اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ و نیامد اشهد انه

---

[۱] مبدا و معاد: ۶۱ [۲] مبدا و معاد: ۲۲ [۳] شرح التعرف: ۲: ۶۰- ۶۱،

كَانَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلَ اللهِ، درست شد کہ مرگ او حیات است، و چوں نامۂ امت او در گور برو عرضہ کنند تا بطاعت امت شادی کند و بمعصیت غم خورد و عذر خواہد، درست شد کہ موت او حیات است، پس حیات او موت گشت و موت حیات و تا زندہ بود از بعضی خبر داشت و از بعضے نداشت چوں بمرد از کل احوال امت خبر داشت اگر موت او موت بودی، چناں آن دیگراں نقصان علم واجب گردی نہ زیادتی علم،[1] تا حی بود خود حی بود و چوں میت گشت خود منزہ تر گشت، حیات او را صفت موت نہادند،[2] بی نفسی کہ میت را با نفس کار نباشد و نیز بے اختیاری کہ میت را اختیار نباشد، و نیز بے خلافی کہ میت را خلاف نباشد، و ازیں معنی بود کہ حق تعالیٰ گفت وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ، وَمَا رَمَيْتَ نفی کرد، پس رَمَيْتَ اثبات کرد، یک شے مثبت و منفی عجب است، معنیش چناں باشد کہ آنجا کہ توئی تو نہ توئی کہ تو منم، تر از اں جا کہ از آں خود توئی آنگاہ تو باشی کہ یک نفس بذات خویش زنی چوں اتفاق است، کہ انفاس تو و حرکات و سکنات و فکرات و خطرات تو بذات من است نہ بذات تو، پس قائم بمنی نہ بخود، تا فانی از انجا کہ توئی، باقی از انجا کہ منم،

و دلیل بر آنکہ حیات او مرگ بود، و موت او ہمچوں حیات کہ چوں خلق را میان حیات و موت فرق بود چوں نفس مرد روح بحق تعالیٰ داد و حق را بیافت،

مصطفیٰ علیہ سلام اللہ چنیں میگوید، أَمَا لَسْتُ كَأَحَدِكُمْ إِنِّي أَبِيتُ عِنْدَ رَبِّي،

و بروایت دیگر إِنِّي أَظَلُّ عِنْدَ رَبِّي، بیتوتت صفت لیل است و ظَلُولَتْ صفت نہار خبر میدہد کہ من ہمہ شب و روز با حقم، در آنحضرت موت نباشد، ما ہی میریم و ہر کہ با ما باشد بمیرد، و حق سبحانہ نمیرد و ہر کہ با او باشد نمیرد،

و نیز يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِيْنِي، اگر از حضرت غائب بودی مطعم و ساقیش خلق بودی نہ حق،

و نیز لغت، تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي، نوم نفی کرد، و نوم موت است، و موت جزوی را با او راہ نباشد موت کلی را با او راہ کے باشد، اگر بمردی خفتی، خفتن دلیل مرگ است، چوں خلق را گاہ با حق صحبت بود و ہم، تا بحق اقبال بود از خلق اعراض و گاہ با خلق صحبت بود، تا گاہ بر خلق صحبت بود و از حق اعراض،

و خلق از پیش دیدند و ایشاں ندیدند، باز سید از پیش ہماں.....[3] دیدی و از پس ہماں، و دریں اشارت است کہ او ہم اقبال است و ہیچ اعراض نہ، و ہمہ موافقت است و مخالفت نہ، و ہمہ حضرت است غیبت نہ، و ہمہ مشاہدہ است و ہیچ خواب نہ، و ہمہ قرب است بعد نہ، و ہمہ حیات است موت نہ، و ہمہ حق است و ہیچ نفس نہ،

چوں او را علیہ السلام صفات ایں بود، دیگراں را مرگ بایستے تا از غیبت بحضرت آمدندی، او را موت و حیات یکساں گشت، و او را پیش از مرگ قیامت معاینہ گردانیدند، حکمت در بیرون او بمعراج، واللہ اعلم، ایں بود تا خلق غائب باشند، و او علیہ السلام حاضر...... و خلق بعید باشند و او قریب و ہمہ محجوب باشند و او مکاشف

---

[1] ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱۳ [2] ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۰، [3] اصل کتاب میں "نہادنہ" دیا ہے اور وہ غلط ہے،

ترجمہ: لہٰذا تمام مخلوق کے لئے موت کا آنا ضروری ہے، تاکہ نفس سے بےنفس ہو جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ زندگی ہی میں اپنے نفس سے بےنفس ہو چکے تھے، جب موت آئی تو آپؐ کی حالت یہ تھی۔ کہ موت سے پہلے ہی اس مقام پر پہنچ چکے تھے، لہٰذا جب موت آئی تو موت کے بعد ان کی وہی حالت تھی جو موت سے پہلے تھی چنانچہ آپ دیکھتے نہیں کہ آپ کی ازواج کے لئے عدت نہ تھی، اگر آپؐ کی موت اوروں کی طرح ہوتی تو آپؐ کی ازواج پر بھی وہی احکام جاری ہوتے جو اوروں کی ازواج پر ہوتے ہیں، نیز یہ کہ اگر آپؐ کی موت اوروں کی موت کی طرح ہوتی تو وفات کے بعد رسالت کا ثابت کرنا محال ہوتا۔ کیونکہ مردہ رسول کیسے ہو سکتا ہے، اس لئے قیامت کے دن یوں کہنے کا حکم آیا ہے، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ یوں کہنے کا حکم نہیں آیا:۔ وَاَشْهَدُ اَنَّهٗ کَانَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپؐ کی موت حیات ہے۔ اور چونکہ امت کے اعمال نامے قبر میں آپؐ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، اور نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں، اور بد اعمال پر آپ کو افسوس ہوتا ہے، اور آپؐ ان کے لئے استغفار کرتے ہیں، لہٰذا یہاں سے بھی ثابت ہوا کہ آپ کی موت حیات ہے لہٰذا آپؐ کی زندگی موت تھی، اور موت حیات، جب تک آپ زندہ تھے بعض کی خبر تھی بعض کی نہ تھی، مگر مرنے کے بعد آپؐ کو امت کے تمام احوال کی خبر ہو گئی، اگر آپ کی موت موت ہوتی، تو اوروں کی طرح وفات سے علم میں کمی ہوتی نہ کہ زیادتی، جب تک زندہ تھے خود زندہ تھے، اور جب مر گئے تو زندہ تر ہو گئے، آپ کی زندگی میں موت کی صفات تھیں نفس نہ تھا، کیونکہ میت کو نفس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، اختیار نہ تھا۔ اس لئے کہ میت کو کوئی اختیار نہیں ہوتا، خلاف نہ تھا کیونکہ میت میں خلاف نہیں ہوتا، کوئی مراد نہ تھی کیونکہ میت کی کوئی مراد نہیں ہوتی تدبیر نہ تھی اس لئے کہ میت کے لئے تدبیر نہیں ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ (جب آپؐ نے کنکر پھینکا، تو آپؐ نے تو نہ پھینکا تھا۔) اللہ تعالیٰ نے وَمَا رَمَيْتَ کہکر نفی کی پھر رَمَيْتَ کو ثابت کیا، ایک چیز مثبت بھی اور منفی بھی، یہ ایک عجیب بات ہے، اس کے معنی یوں ہوئے کہ آپ آپ نہیں بلکہ آپ میں ہوں، آپؐ کا بذات خود آپ ہونے کا سوال اس وقت تک ہو سکتا ہے۔ کہ آپ بذات خود سانس لیں، مگر چونکہ اس پر اتفاق ہے، کہ آپ کا سانس و حرکات و سکنات افکار و خیالات سب میری ذات سے وابستہ ہیں، نہ کہ آپ کی ذات سے، لہٰذا آپ میری ذات سے قائم ہیں، نہ قائم بخود، جہاں تک بذات خود ہیں فانی ہیں، مگر باقی ہیں تو اس لئے کہ میں ہوں،

اسبات کی دلیل کہ آپ کی حیات موت کی طرح تھی، اور موت زندگی کی طرح یہ ہے، کہ مخلوق میں حیات اور اور موت میں فرق ہوتا ہے، جب نفس مر جاتا ہے، تو روح حق تعالیٰ کو دیکھ لیتی، اور حق کو پالیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ میں تمہارے جیسا نہیں ہوں، میں تو اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں، دوسری روایت میں ہے کہ میں اپنے رب کے پاس دن گزارتا ہوں۔ بیتوتت رات کی صورت ہے اور ظلولت دن کی، آپؐ فرماتے ہیں کہ میں دن رات اللہ کے پاس ہوتا ہوں، اور اللہ کی بارگاہ میں موت نہیں ہم

مرتے ہیں، اور جو چیز ہمارے ساتھ ہوگی اسے موت آئیگی، حق سبحانہٗ نہیں مرتے اور جو حق کے ساتھ ہوگا، نہ مرے گا،

نیز یہ فرمایا:۔ کہ مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے، اگر آپؐ بارگاہِ ربُّ العزّت سے غائب ہوتے، تو مخلوق آپؐ کو کھلانے پلانے والی ہوتی نہ حق،

پھر فرمایا، میری آنکھیں بند ہوتی ہیں مگر دل نہیں سوتا، آپؐ نے نیند کی نفی کی اور نیند موت ہے، جب جزوی موت آپؐ کو نہ آسکتی تھی، تو کلی موت کیسے آسکتی ہے، اگر مرنے والے ہوتے تو آپؐ کو نیند آتی، کیونکہ موت نیند کی نشانی ہے، مخلوق کو حق سے صحبت رکھنے کا حکم ہے، تاکہ جب تک حق کی طرف توجہ ہو، مخلوق سے اعراض ہو، اور کبھی مخلوق سے صحبت ہوتی ہے، تاکہ جب مخلوق سے صحبت ہو حق سے اعراض ہو،

مخلوق آگے سے دیکھ سکتی ہے، پیچھے سے نہیں، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے اور پیچھے سے ایک جیسا دیکھ سکتے تھے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے، کہ آپ ہمہ تن متوجہ ہیں، کسی طرف سے اعراض نہیں آپ ہمہ تن موافق ہیں، آپؐ میں مخالفت نہیں، ہمہ تن حاضر ہیں غائب نہیں، ہمہ تن مشاہدہ ہیں، حجاب نہیں ہے، ہمہ تن قریب ہیں کوئی بُعد نہیں، ہمہ تن حیات ہیں کوئی موت نہیں، حق ہیں، نفس نہیں،

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات ٹھیریں، تو اور رسل کے لئے موت کا آنا ضروری تھا، تاکہ غیبت سے حضوری میں آئیں، مگر آپؐ کیلئے موت اور حیات یکساں ہوچکی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موت سے پہلے ہی قیامت کا معائنہ کرایا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے لئے لے جانے کا مقصد یہ تھا، واللہ اعلم، کہ مخلوق غائب ہو اور آپ حاضر، مخلوق دور ہو اور آپ قریب، سب حجاب میں ہوں، اور آپکے لئے ہر چیز بےحجاب ہو

ابو ابراہیم بخاری ایک اور مقام پر فرماتے ہیں[1]۔

انبیاء ذو طرفین اند، یکی ظاہر و یکے باطن، ظاہر ایشاں چنیں باشد خلقی بشری چنانکہ خدای تعالیٰ گفت:۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ونیز گفت لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ، و نیز گفت:۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وباطن ایشاں علوی باشد، عَرْشِیْ حَقِّیْ هوی رمانی (؟) چنانکہ پیغمبر علیہ السلام گفت:۔ اَنَا لَسْتُ كَاَحَدِكُمْ وازیں ظاہر خود را نخواست از بہر آنکہ ظاہر او ہمچناں کہ آنِ ما بود، لکن معنیش آنست کہ اَنَا لَسْتُ كَاَحَدِكُمْ مِنْ اَ وَ بَاطِنًا وَاَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ظَاهِرًا وَخِلْقَةً، ومعنی ایں سخن آنست کہ چوں ظاہر ایشاں چوں ظاہر ما بود، بر ظاہر ایشاں فترت کرد و آنچہ بر ظاہر ما رود از سہو و غفلت، ہمچو ما بخورند و بخسپند و محدث و جنب گردند و مخالطت و عشرت کنند و باز باطن ایشاں ساہی و غافل نگشتی، چنانکہ از آنِ ما، ازیں معنی گفت پیغامبر علیہ السلام تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ بظاہر بخفتی چوں بشر، و بر باطن خواب روا نہ چنانکہ بر حق خواب روا نہ چنانکہ حق تعالیٰ گفت: لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ

[1] شرح تعرف: ۲: ۲۰۲،

وَلَانَوْمٌ ہم باطن مصطفےٰ را علیہ السّلام ہم بریں صفت گردانید، ظاہر او مشاہدۂ خلق را بُود، و باطن او مشاہدہ حق را، چوں بظاہر بخفت از خلق غافل گشت، واگر بباطن نیز بخفتے از حق غافل گشتے، حجاب از خلق روا باشد، و از حق روا نباشد، شمارا نہ بینم شاید و کار برآید و اگر ساعتے او را نہ بینم، طاقت ندارم، نَوم جزو لیست از موت و موت اعظم موت کلی است، بر ظاہر او نَوم روا بُود، از بہر آنکہ موت رُوا بود، چوں بر باطن او نَوم روا نبود، موت نیز روا نبود، ازیں معنی بود کہ در گور ہمچناں خبر داشت کہ در حیات و عدّت زنان او منقضی نگشت،

ونیز پیغامبر علیہ السّلام گفت، :- اِنِّیْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ اِنِّیْ اَظَلُّ عِنْدَ رَبِّیْ،

ایں صفت باطن باشد نہ صفت ظاہر، ظاہرش در کنار عائشہ بود، و عائشہ رضی اللہ عنہا رب نبود، چوں ظاہرش با عائشہؓ بود ہمچوں عائشہؓ بخفت، و چوں باطنش با حق بود ہمچوں حق نخفت، در حضرتِ حق خواب محال باشد و موت ہم محال بود،

(ترجمہ) انبیاء میں دو پہلو پائے جاتے ہیں، ایک ظاہر کا اور دوسرا باطن کا، ان کا ظاہر جنسی یعنی خلقی اور بشری ہوتا ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ، اے نبیؐ انہیں کہدیجیے میں تو تمہارے جیسا انسان ہوں،

نیز فرمایا، لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ، اللہ تعالیٰ نے مومنین پر یہ احسان کیا ہے، کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا، اور انبیاء کا باطن علوی ہوتا ہے، عرشی، حقی ہوتی رباً نی[1]، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، اَسْتُ کَاَحَدِکُمْ میں تمہاری طرح کا نہیں ہوں یہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ظاہر مراد نہ لیا تھا، اس لئے کہ آپ کا ظاہر تو ہماری طرح ہی تھا۔ آپ کی مراد یہ تھی، کہ میں اپنے سِر اور باطن کے اعتبار سے تمہارے جیسا نہیں ہوں، اور ظاہر اور خلقت کے اعتبار سے تمہارے جیسا انسان ہوں، اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت کا ظاہر ہمارے ظاہر کی طرح تھا۔ لہذا ہر وہ بات مثلاً سہو و غفلت جو ہمارے ظاہر پر طاری ہو سکتی ہے، ان کے ظاہر پر بھی طاری ہو سکتی ہے، وہ ہماری طرح کھاتے ہیں، سوتے ہیں، قضائے حاجت کرتے ہیں، بے غسل ہوتے ہیں، میل جول رکھتے ہیں، عشرت کرتے ہیں، مگر ان کا باطن غافل نہیں ہوتا تھا، جس طرح کہ ہمارا باطن ہوتا ہے، اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے فرمایا، تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ، میری آنکھیں سوتی ہیں، مگر دل نہیں سوتا۔ بظاہر بشر کی طرح سوتے، مگر آپؐ کے باطن پر نیند روا نہ تھی، جس طرح اللہ تعالیٰ پر نیند نہیں آسکتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ اسے نہ اونگھ آتی ہے، نہ نیند، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کو بھی ایسا ہی بنا دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر مشاہدۂ خلق کے لئے تھا، اور باطن مشاہدہ حق کے لئے، جب آپؐ کا ظاہر سو جاتا، تو مخلوق سے غافل ہو جاتے اگر باطن بھی سوتا، تو حق تعالیٰ سے غافل ہو جاتے، مگر ایسا نہ تھا، مخلوق سے حجاب روا ہے، حق سے حجاب روا نہیں، اگر تمہیں نہ دیکھوں تو کوئی حرج نہیں مگر اگر تھوڑی دیر کے لئے اُسے نہ دیکھوں تو اس (کی برداشت) کی مجھ میں طاقت نہیں، نیند موت کا ایک جزو ہے

---

[1] میں "ہوتی ربانی" کے معنی سمجھ نہ سکا، ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ غلط چھپے ہوں،

ہے، اور موت اعظم موت کلی ہے، آنحضرتؐ کے ظاہر پر نیند روا تھی، اس لئے کہ آپؐ کے ظاہر پر موت روا تھی، اور چونکہ آپؐ کے باطن پر نیند روا نہ تھی، اس لئے موت بھی روا نہ تھی، اسی لئے تو قبر میں بھی آپؐ کو اسی طرح کا علم ہے جس طرح زندگی میں تھا، نیز اسی لئے تو آپؐ کی ازواج مطہرات کی عدت ختم نہیں ہوئی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے، «اپنے رب کے پاس رات گذارتا ہوں، میں اپنے رب کے پاس دن گذارتا ہوں، یہ باطن کی صفت ہے، ظاہر کی نہیں، آپؐ کا ظاہر تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا، اور عائشہؓ رب نہ تھیں، لہٰذا چونکہ آپؐ کا ظاہر عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھا، لہٰذا وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح سو گیا، اور چونکہ باطن اللہ کے ساتھ تھا، اسی لئے چونکہ اللہ تعالیٰ نہیں سوتے باطن بھی نہیں سویا۔ اللہ کے لئے نیند محال ہے، اسی لئے تو موت بھی محال ہے،

صوفیاء کے ہاں تو حیات انبیاء کا مسئلہ ایک مسلّم امر ہے جس پر انہیں بحث کرنے اور دلائل دینے کی ضرورت نہیں، بلکہ ان کے ہاں تو اللہ کا ہر محبؔ زندہ ہے، چہ جائیکہ انبیاءؑ، ان کے ہاں موت حیات کو زائل کرنے کا نام نہیں، بلکہ موت منزل دنیا سے منتقل ہو کر منزل آخرت کو جانے کا نام ہے[1]، شیخ اکبر ایک مقام پر فرماتے ہیں، کہ موت ازالہٴ حیات کا نام نہیں، بلکہ دراصل ایک والی کو معزول کرنے اور دوسرے کو مقرر کرنے کا نام ہے[2]،

پھر ایک اور مقام پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں[3]، کہ اللہ کے نیک بندوں کا دنیا سے منتقل ہونا دو طرح سے ہوتا ہے، بعض بذریعہ موت منتقل ہوتے ہیں، اور موت نام ہے اس دنیاوی زندگی سے مفارقت کا، اور وہ اخروی زندگی سے زندہ ہو جاتے ہیں، اور بعض اس دنیاوی زندگی کو ساتھ لے کر آخرت میں بغیر موت کے منتقل ہوتے ہیں، یہ شہداء ہوتے ہیں،

انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ذکر اپنے مخصوص اور دقیق پیرایہ میں کیا ہے، میں ان کے کلام کے دقیق ہونے کی وجہ صرف مفہوم پیش کرتا ہوں، اہل ذوق حضرات اصل عبارت فتوحات مکیہ جلد ۴[5] صفحہ ۳۷۰ پر دیکھ لیں،

وفات کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا، تو آپؐ نے صرف "رفیق اعلیٰ" کہا، اور صرف یہی الفاظ آپؐ سے سننے میں آئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس زندگی میں بھی آپؐ کے رفیق تھے[6]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی زندگی بمنزلہ رات کے تھی، اور اب اس کی سحر ہونے کو تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اب یہ خواہش تھی، کہ آپؐ رات اور خواب کی مرافقت سے نکل کر دن اور بیداری کی مرافقت اختیار کریں،

اللہ تعالیٰ ہر رات عرش سے آسمان دنیا پر آتے ہیں، یہ تو عوام کے لئے ہے، مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] فتوحات مکیہ: ۴: ۲۹۰، [2] فتوحات مکیہ: ۴: ۲۸۹ [3] فتوحات مکیہ: ۴: ۵ [4] ایسے طرح: ج ۴: صفحہ ۱۷ پر فرماتے ہیں، حیث انتقلوا الی الآخرة من غیر موت [5] چونکہ اصل عبارت بہت دقیق ہے، اور اکثر میں حضرات کو سوائے کشر کے کچھ اور دکھائی نہ دے گا اسلئے میں نے ارادةً اصل عبارت نہیں دی، [6] ملاحظہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لو کنت متخذا خلیلا غیر ربی لاتخذت ابابکر خلیلا لکن اخوة الاسلام ۱۲

کی تمام دُنیاوی زندگی رات تھی حق تعالیٰ رات بھر آپؐ ..... کے رفیق تھے، اب اس رات کی سحر ہونے کو تھی، اور رب العزّت عرش کو لوٹنے والے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رفیق سے جدائی گوارا نہ تھی، لہٰذا جب رفیق اعلیٰ آسمان دنیا سے عرش کو منتقل ہوا تو آپؐ بھی ساتھ ہی منتقل ہو گئے، یہی وجہ تھی کہ اس دُنیا سے انتقال کے وقت آپؐ بار بار رفیق اعلیٰ پکار رہے تھے، کچھ اور نہیں کہا، اس لئے کہ انسان حاجتمند اور عاجز ہے، لہٰذا وہ ساتھی کی تلاش میں ہوتا ہے، جب آپؐ نے حق تعالیٰ کو بہترین رفیق پایا اور آپؐ کو معلوم تھا، کہ اللہ تعالیٰ کی رفاقت ہی درحقیقت وہ رفاقت ہے، جو اس جہان میں پائی جاتی ہے، لوگ اوروں کی طرف رفاقت کو منسوب کرتے ہیں یہ ان کی جہالت کی وجہ سے ہے، اسی لئے آنحضرت نے ایسا رفیق طلب کیا، جس کے ہاتھ میں تمام عنایات ہیں، آپ اصل کو چھوڑ کر نقل کی طرف نہیں گئے۔ یہی حال ان تمام لوگوں کا ہے، جو اللہ کی ملاقات کرنا چاہتے ہیں،

* * *

بابِ چہار دہم[1]

در فضائل زیارت حضرت سید المرسلین که مقصد اقصائی ارباب دین و مطلب اعلائی اصحاب یقین است صلی اللہ علیہ وسلم و اثبات حیاتِ انبیا صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین

بداں ، اَرْشَدَکَ اللّٰہُ وَاَسْعَدَکَ ، کہ احادیث در شان زیارت حضرت رفیع الشان ، رسول انس والجان علیہ افضل الصلوات الرحمٰن ، بسیار آمدہ بعضی بصریح لفظ زیارت قبر شریف و مرقد منیف و بعض بالفاظ دیگر بوجہی کہ متضمن ثبوت این مقصد و مؤکد حصول این مطلب تواند شد ، آنچہ بصریح لفظ زیارت وقوع یافتہ این احادیث است کہ از نقل ثقات بطرق متعددہ بعضی ازاں بدرجہ صحت رسیدہ و اکثر بمرتبہ حسن آمدہ ثبوت یافتہ

حدیث اول[1] مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ[2]

فرمود کسیکہ زیارت قبر شریف میکند واجب ولازم گردد شفاعت من مر او را ، و وجہ تخصیص زوار قبر شریف بایں فضیلت باعموم امیدواری این نعمت مر جمیع مومنان امت را آں باشد ، کہ مراد شفاعتی خاص بود کہ موجب حصول مرتبہ مخصوص گردد و غیر ایشاں را وصول بداں درجہ باوجود زیادت اعمال و کثرت فضائل میسر نباشد ہمچنانکہ اختصاص و امتیاز بعض اصحاب معالی نصاب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ، از سائر امت کہ در تمام عمر یک نظر جمال کمال سرور انبیاء مشرف نشدہ باشند ، پر توعیم ، ثبوت این مدعا می اندازد ، یا آنکہ این کلام بشارت انجام احبار و وعدہ بود مر بوجوب شفاعت و وقوع آں حتماً ، در باب زائر قبر منیف بمقتضائی وعدہ آں سید ارباب کرم صلی اللہ علیہ وسلم ، و در دیگراں بر مرتبہ جواز و امکان باقی منقصر باشد ، و یا آنکہ [illegible]ت بود بموت زوار بر دین اسلام بر برکت حضرت سید انام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کہ استحقاق شفاعت متفرع بر آنست ۔

حدیث ثانی[2] مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ ،

حدیث ثالث مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا تُعْمِلُہٗ حَاجَۃٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ

---

[1] جذب القلوب : ۲۸۷ تا ۳۱۲ ، [2] یاد رہے کہ شیخ عبد الحق نے زیارت قبر کی احادیث کو اثبات حیات کے باب میں درج کیا ہے ، اس لئے کہ آنحضرت نے زیارت کنندہ کے لئے شفاعت کرنے کا وعدہ فرمایا ہے ، اور شفاعت کیلئے زیارت کنندہ کا جاننا ضروری ہے ، اور وہ حیات کے بغیر نہیں سکتا ، [3] اصل کتاب میں برکت کی بجائے نرک دیا ہے ، ح

لہٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ،

وایں ہردو حدیث دربیان معنی و تعین مراد درحکم حدیث اول اند ، بافادۂ ثالث اشتراط صدق واخلاص را کہ مدار صحت و اعتبار جمیع اعمال وافعال است ،

(۴) حدیث رابع | مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ ،

می فرماید زیارت قبر من بعد از وفات حکم صحبت من دارد در حین حیات بمبنائی ایں حدیث بر ثبوت و صحت حیات حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم است چنانکہ تحقیق ایں مسئلہ بتفصیل در آخر باب مبین گردد ومضمون کرامت مشحون ایں حدیث مثبت و مؤید آں اشارت است کہ در حدیث اول بداں تلمیحی کردہ شد یعنی اختصاص وامتیاز زوار قبر کرامت نثار حضرت رسول مختار بفضیلت وسعادت خاص کہ دیگراں را نبود ، چنانچہ تفرد وتمیز اصحاب کرامت مآب آں حضرت در زیادت فضل وکثرت ثواب ولیکن تشبیہ لازم نیاید کہ زائر را حکم صحابی بود در جمیع وجوہ فضل ، و تمامہ احکام ہمچنانکہ استماع حدیث در منام از زبان سید انام مثبت شرائع واحکام نگردد با وجود صحت رویت وحقیقت آں بحکم مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ ،

(۵) حدیث خامس | مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ ،

وعید بر عدم ادراک سعادت زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واحراز ایں فضیلت بعد از تحصیل نعمت حج از جہت حرص آں سرور بر حصول ثواب مر امت را وکمال شفقت او ، بر ایشاں صلی اللہ علیہ وسلم ،

(۶) حدیث سادس | مَنْ زَارَنِیْ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا اَوْ شَہِیْدًا ،

شفاعت چنانکہ گفتہ اند ، نسبت باہل معصیت بود وشہادت برائی اہل طاعت ، ودر روایتی آمدہ :-

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا وَّ شَہِیْدًا ،

(۷) حدیث سابع | مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ، وَمَنْ مَاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بَعَثَہُ اللّٰہُ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ،

میفرماید :- ہر کہ زیارت من کند وآں را مقصود اعلی داند ، روز قیامت ہمسایہ من باشد ، ودر سایہ حمایت من بود ، وہر کہ در حرم مکہ یا مدینہ بمیرد ، از عذاب روز قیامت در امان باشد ،

(۸) حدیث ثامن | قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ، مَنْ حَجَّ حَجَّۃَ الْاِسْلَامِ وَزَارَ قَبْرِیْ وَ غَزٰی غَزْوَۃً وَصَلّٰی فِیْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ یَسْاَلِ اللّٰہُ فِیْمَا افْتَرَضَ عَلَیْہِ ،

دریں حدیث فضیلت حج اسلام وزیارت قبر حضرت سید انام وجہاد وغزا با کفار وگذاردن نماز در بیت المقدس کہ مقام ابرار واخیار است ذکر یافتہ واحتمال دارد ، کہ ایں جزای خاص کنایہ رسیدن است ، از فرائض مخصوص باجتماع ایں امور باشد ، یا بر ہر یکے ازیں ہا مترتب گردد ، واللہ اعلم ،

(۹) حدیث تاسع | مَنْ حَجَّ اِلٰی مَکَّۃَ ثُمَّ تَصَدَّقَنِیْ فِیْ مَسْجِدِیْ کُتِبَتْ لَہٗ حَجَّتَانِ مَبْرُوْرَتَانِ

قصد زیارت آنحضرت و مشرف شدن بمسجد شریف وی صلی اللہ علیہ وسلم برابر حج مبرور و مقبول است بلکہ سبب قبولیت حج است کہ گذاردہ است و جزائی حج مبرور جنت است و جوباً چنانکہ در احادیث آمدہ و حج مبرور آن بود، کہ در وی ارتکاب محرمات و مناہی نکنند، و مدخلیت سمعہ وریا نبود و بحقیقت آنکہ در درگاہِ خداوند قبول افتد۔ وذالک بفضلہ تعالیٰ ،

(۱۰) حدیث عاشر | مَنْ زَارَنِیْ مَیِّتًا فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ حَیًّا وَمَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ اُمَّتِیْ لَہٗ سَعَۃٌ ثُمَّ لَمْ یَزُرْنِیْ فَلَیْسَ لَہٗ عُذْرٌ ،

معنی ایں حدیث شامل منطوق حدیث اول ورابع و خلاصۂ مضمون خامس است ، چنانکہ

(۱۱) حدیث حادی عاشر | از امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرم اللہ وجہہ روایت کردہ اند ،

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَمَنْ لَّمْ یَزُرْ قَبْرِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ ،

موافق مضمون حدیث رابع و خامس است ،

(۱۲) حدیث ثانی عشر | نیز از حضرت امیر المومنین است ،

مَنْ سَاَلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الدَّرَجَۃَ وَالْوَسِیْلَۃَ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَمَنْ زَارَ قَبْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ کَانَ فِیْ جِوَارِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ،

مؤدی معنی جزو اول حدیث سابع است با زیادت افادہ آنکہ طلب درجہ وسیلہ مرآں حضرت را بایں کہ گویند ،

اَللّٰھُمَّ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالدَّرَجَۃَ الرَّفِیْعَۃَ ،

موجب حلول شفاعت و نزول کرامت ہر یکے ازیں احادیث را طرق متعددہ است ۔ اگر آں را جدا جدا ذکر کند عدد احادیث بیشتر ازاں آید کہ مذکور شد، چنانچہ سید علیہ الرحمۃ کردہ است ،

فصل

از جملہ احادیث کہ مثبت حیات انبیاء است صلوات اللہ علیہم بعد از عموم نصوص قرآنی در حیات زمرۂ شہداء مقتولین فی سبیل اللہ ایں حدیث است کہ ابو یعلی بنقل ثقات از روایت انس بن مالک می آرد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،

اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ ،

واز آنچہ بخصوص اثبات حیات سید کائنات کند علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات والتسلیمات ایں حدیث است کہ مشہور و معروف است :۔ مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ

ولیکن علماء اختلاف کردہ اند، کہ ایں فضیلت عظمیٰ عام است مر ہر کسے را کہ بشرف تسلیم بر سید کائنات علیہ افضل التسلیمات مشرف است خواہ زائر قبر شریف بود یا غائب ازاں حضرت کبریٰ در ہر مکان کہ باشد، یا آنکہ مخصوص است بزوار قبر شریف و حضار آں مکانِ منیف ، بعضی علماء برآں رفتہ اند کہ ایں فضیلت مخصوص زائراں و نصیب حاضران است بقرینۂ قیدی کہ

در روایت احمد بن حنبل رحمة الله علیه آمده است،

مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ

وتحقیق کلام بر وجهیکه بعضی فضلای متاخرین نموده اند آنست که فرستادن سلام بر سید انام صلی الله علیه وسلم بر دو
نوع است یکی آنکه قصد وی دعا و سوال از جناب ذوالجلال عز اسمه است بنزول سلام و ورود رحمت بر حضرت رسالت
خواه بلفظ خطاب یا بصیغهٔ غیب خواه قائل آن حاضر آن درگاه بود یا غائب از درگاه چنانکه گوید اَلسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ
یا گوید اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، و ازین نوع است که بعضی علماء آن را بخصیص جناب رسالت داشته
اند، و منع اطلاق آن کرده بر غیر الا بطفیل و تبعیت، و نوع دیگر آنکه مقصود از وی تحیت و اکرام است که زائر بعد از وصول
بقبر شریف گوید، بچنانکه داخل مجلس بر اهل مجلس سلام گوید، و این کیفیت خصوصیت باین حضرت عظمی ندارد، و ملکه
سلام بحکم شریعت مستدعی و مستوجب جواب و رد سلام است، بر حکم خواه بے واسطه مشافهه گوید یا بالواسطه رسول و
نائب فرستد و شارع علیه الصلوة والسلام احق و اولی است برعایت ادای این واجب و اگر این حکم یعنی رد سلام در
نوع اول نیز ثابت شود، و در میت و امتیاز نوع ثانی بثبوت شرف قرب و تشریف خطاب بود، و اما آنچه در حدیث
دیگر آمده که حق سبحانه و تعالی بحبیب خود صلی الله علیه وسلم فرمود که هر که از امت تو یکبار بر تو سلام فرستد، من ده بار
بروی سلام فرستم بظاهر آنست که آن مخصوص بنوع اول باشد، کذا قالوا، و نسائی باسناد صحیح از ابن مسعود
رضی الله عنه می آرد که فرمود آنحضرت صلی الله علیه وآله وسلم حق سبحانهٔ فرشتگان را خلق فرمود که سیاح اند در
زمین و سلام امت مرا بمن می رسانند، و این در حق غائب است، و اما آنکه حاضر است در وی دو حدیث آمده
یکے دلالت دارد که آنحضرت سماع سلام وی میکند و بنفس نفیس خود متکفل رد سلام وی می شود، چنانچه مدلول حدیث
سابق است،

و نیز از ابن عمر آمده:-

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ فِیْ قَبْرِیْ رَدَدْتُ عَلَیْهِ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ فِیْ مَکَانٍ اٰخَرَ بَلِّغُوْنِیْهِ

و حدیث دیگر آنکه دال است که درین حالت نیز ملکه موکل است که ابلاغ سلام بر آن سرور می کند و متکفل رد وی
میشود، روایت است از ابو هریره رض،

مَا مِنْ عَبْدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ اِلَّا وَکَّلَ اللّٰهُ بِهَا مَلَکًا یُبَلِّغُنِیْ وَکُفِیَ اَجْرَ اٰخِرَتِهٖ
وَدُنْیَاهُ وَکُنْتُ لَهٗ شَهِیْدًا اَوْ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ

و وجه توفیق والله اعلم، آن تواند بود، که جریان سنت الٰهی عز اسمه بر آن بود که ملکی در حضرت رسالت موکل شده
باشد، که تبلیغ تسلیمات بندگان کند، چنانچه در بارگاه ملوک و سلاطین معهود است، و با وجود آن بعضی بندگان
مخلص و خاصگان مقرب، بلکه تمام شکسته دلان را بنفس نفیس خود نیز رد سلام و جواب کلام تشریف و تکریم می فرموده
باشند، فَیَا حَبَّذَا اَسْعَادَةَ مَنْ فَازَ بِذٰلِکَ وَ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ (ع)

ع :- ہمہ خواہند ترا تا تو کرا می خواہی ،

وعبد الحق[ل] که از اکابر ائمه حدیث است در احکام صغری باسناد صحیح از ابن عباس رضی الله عنهما می آرد که آنحضرت صلی الله
علیه وسلم فرموده :- هیچ احدی بقبر برادر مومن خود که او را در دنیا می شناخت نگذرد و بروی سلام نکند مگر آنکه برادر وی او را
بشناسد و رد سلام وی بکند، و ابن عبد البر این حدیث را روایت کرده و تصحیح نموده چنانچه ابن تیمیه آن را نقل کرده است
باندک تفاوتی در لفظ و نیز امام عبد الحق در کتاب عاقبت از حدیث عائشه رضی الله عنها روایت میکند.

مَا مِنْ رَجُلٍ يَزُوْرُ قَبْرَ اَخِيْهِ فَيَجْلِسُ عِنْدَهٗ اِلَّا اسْتَأْنَسَ بِهٖ حَتّٰى يَقُوْمَ

وابن ابی الدنیا از ابوهریره روایت آورده که اگر بقبر آشنائی بگذرد و بشناسد و اگر سلام کند رد سلام کند[ع]
که احادیث درین معنی بسیار است و گوید که هرگاه این معنی در آحاد امت و عموم مومنین متحقق باشد، فکیف بسید
المرسلین و صفوة المتقین صلی الله علیه و آله وسلم اجمعین ،

بارزی در توثیق عری الایمان از سلیمان بن سحیم می آرد که گفت آنحضرت را صلی الله علیه وآله وسلم در خواب دیدم
پس پرسیدم یا رسول الله! اینها که بزیارت تو می آیند، و بر تو سلام میکنند سلام ایشان می شنوی فرمود نعم وارد
علیهم، گفت می شنوم و جواب سلام ایشان نیز میگویم ،

وابن نجار از ابراهیم بن بشار روایت می کند که گفته است سالے از سالها حج کردم و بزیارت سید المرسلین بمدینه
آمدم چون بقبر شریف رسیدم و سلام کردم از داخل آواز شنیدم که می گویند وعلیک السلام و امثال آن از اولیاء
الله و صلحای امت بسیار منقول است ، و باتفاق علماء در حیات آنحضرت بعد از وفات هیچ شبه نیست
همچنین سائر انبیاء علیهم الصلوة والسلام در قبور زنده اند بحیاتی کامل تر و بحقیقت تر از حیات شهداء
که در کلام مجید از وی خبر داده است وکیف لا و آنحضرت سید الشهداء است و اعمال شهداء در میزان اوست و فرموده
است صلی الله علیه وسلم : عِلْمِيْ بَعْدَ وَفَاتِيْ كَعِلْمِيْ فِيْ حَيَاتِيْ ،

و رواه الحافظ المنذری و ابن عدی فی الکامل ،

و ابو یعلی بنقل ثقات از انس بن مالک می آرد :- قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ ،

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ .

و بیهقی از روایت انس می آرد و تصحیح می کند ،

اَلْاَنْبِيَاءُ لَا يُتْرَكُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ بَعْدَ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً وَلٰكِنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ حَتّٰى
يُنْفَخَ فِي الصُّوْرِ . بیهقی گوید که اگر بصحت رسد، که لفظ حدیث همیں است، مراد آن بود که حیات ایشان در قبر
دائم و مستمر است، ولیکن در مدت اربعین مجال نماز و عبادت ظاهر نبود، و نیز بیهقی گوید که شواهد بر حیات انبیاء علیهم
السلام از احادیث صحیحه بسیار است بعد از آن که ذکر کرده حدیث مرور آن حضرت بموسی علیه و علی نبینا الصلوة والسلام
و وی نماز میگذارد، در قبر خود، و احادیث دیگر که در ملاقات آنحضرت با انبیاء و نماز گذاردن او با ایشان ورود یافته، سلام الله

(حاشیه صفحه هذا ملاحظه بر صفحه ۲۰۹ پر)

علیہم اجمعین و مبنائی جمیع ایں احادیث بر آنست کہ حق سبحانہ و تعالیٰ بر انبیاء علیہم السلام بعد از موت ایشاں رد ارواح می کند و ایشاں پیش خدا زندہ اند، و بعد از وی صعقہ نفخۂ اولیٰ بحکم نص فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۔ بایشاں نیز راہ یابد و لازم نیاید کہ آں نیز بجمیع وجوہ بمعنی موت بود الا در حق ذہاب استشعار دراں حالت و بعضی گفتہ اند کہ شہداء بحکم خداوند سبحانہ کہ فرمودہ است اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ، ازیں حکم مستثنیٰ گشتہ اند و نیز میگوید کہ حدیث صحیح آمدہ کہ افضل ایام یوم جمعہ است بسیار گوئید در یں روز بر من صلوٰۃ زیرا کہ صلوٰۃ شما معروض میگردد بر من ، گفتند : یا رسول اللہ! چگونہ معروض گردد صلوٰۃ ما بر تو، و تو بوسیدہ شدہ باشی ، فرمود حق سبحانہ تعالیٰ حرام گردانیدہ است بر زمین کہ اجساد انبیاء را بخورد ،

و بزار بر جال صحیح از روایت عبد اللہ بن مسعود می آرد کہ فرمود ، مر خدائے را فرشتگان اند سیاح در زمین کہ میرسانند مرا اعمال امت ، فرمود وفات من بہتر است مر شما را ۔ زیرا کہ عرض کردہ میشود بر من اعمال شما آنچہ بہتر است شکر میگویم مر خدائی را بر آں ، و از انچہ بد می بینم استغفاری کنم مر شما را ۔

استاذ منصور بغدادی میگوید : محققین ، متکلمین بر آنند کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حی است بعد از وفات و مسرور می شود بر طاعت امت و اجساد انبیاء علیہ السلام بوسیدہ نمی شود در قبر ،

بیہقی در کتاب الاعتقاد میگوید : کہ ارواح انبیاء علیہم السلام بعد از قبض باز فرستادہ میشود بر ایشاں و ایشاں زندہ اند پیش خدا مثل شہداء ، زیرا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم با جماعتی از ایشاں در شب معراج اجتماع نمود و ملاقات کرد و صاحب تلخیص از شافعیہ گفتہ است ، مالی کہ از آں حضرت ماندہ ہم بر ملک او باقی است ، چنانچہ در حالت حیات بود انتقال نمی کند بملک ورثہ چنانکہ اموات را باشد ، و سبیل او آنست کہ بر اہل و عیال او انفاق نمودہ شود ، بے اعتبار قسمتی کہ میراث را کنند ، و ایں را از خصائص آنحضرت شمردہ ، و امام الحرمین ایں قول را تصحیح نمودہ و فرمودہ کہ موافق سیر صدیق است رضی اللہ عنہ در آنچہ آنحضرت از اموال گذاشتہ بود (انتہیٰ ،

و کلام ایں ائمہ اسلام اقتضائی اثبات در احکام دنیا نیز می کند ، پس حیات ایشاں علیہم السلام اخص و اکمل و اتم از حیات شہداء باشد ، چنانچہ مذہب مختار و منصور است ، ز چنانچہ کلام بیہقی در بعضی مواضع ناظر دراں است کہ آں حیات مثل حیات شہداء است ، ملکہ مراد وی تشبیہ است در اصل حیات در رفع استبعاد نہ در جمیع خصوصیات پس وارد نہ شود ، آنچہ بعضے علماء در ینجا نزاع کردہ و گفتہ اند کہ اگر مراد بایں حیات آں حالت است کہ حق سبحانہ تعالیٰ شہداء را اثبات

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] اصل کتاب میں صا عقہ دیا ہے جو غلط ہے ، [2] اصل کتاب میں گوئید دیا ہے ، جو غلط ہے ،

[3] یہاں پر اصل کتاب میں عبارت رہ گئی ہے ، یہ حدیث صفحہ ۱۹۰ پر گزر چکی ہے ، وہاں سے اس کی تصحیح کر لی جائے ،

(بقیہ حاشیہ متعلق صفحہ ۲۰۸) [4] یہاں عبد الحق سے مراد ابو محمد عبد الحق بن عبد الرحمن الازدی الاشبیلی متوفی ۵۸۲ھ سے ہے ، ان کی دو کتابیں ہیں ، الاحکام الکبریٰ فی الحدیث تین جلدوں میں ضخیم کتاب ہے ، اور دوسری الاحکام الصغریٰ جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے ، ردِ سلام کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۳۸ - ۳۹

[5] اصل کتاب میں سہنوری دیا ہے ، جو غلط ہے ۔

نموده فرموده است بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ . صحیح است ولیکن خلافی نیست درآنکه بر شهداء احکام موت از انقطاع ملک وغیره جاری است، وگفته که عجب است از امام که خود میگوید

مَاتَ رَسُولُ اللّٰهِ عَنْ كَذَا سَنَةً وَمَاتَ دِرْعُهٗ رَاهِنٌ عَنِ الْعَشَرَةِ

نسبت موت باں حضرت میکند، باز اثبات حیات چگونه باشد،

وزرکشی گوید: هیچ محل تعجب نیست، مَاتَ ثُمَّ اَحْيَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى،

وشهرستانی در غایة المرام از امام الحرمین نقل می کند که گفت پیغمبر خدا صلی الله علیه وسلم زنده است صلوٰة و سلامی که بروے فرستند استماع می کند،

وسبکی در شفاء الاسقام[51] میگوید، که موت نبی صلی الله علیه وسلم مستمر نیست، وحق سبحانهٗ اورا بعد از اوقات موت واجرای سنت اماتت احیا فرموده وانتقال ملک ومانند آں مشروط بموتی است که مستمر باشد وایں حیات اعلی واکمل است، از حیات شهداء ثبوت او مر روح را بلی اشتباه وبلی اشکال است، واما جسد پس احادیث ثابت شده که اجساد انبیاء نپوسیده ونمی گردد، وعود روح بجسد ثابت است مر جمیع اموات را هر چند شهدا نباشند وبعض در استقرار واستمرار روح در بدن حیثیتی که بدان زنده گردد، چنانکه در دنیا بود یا خود بے روح زنده باشد وآں در قدرت ومشیت ایزد جل جلاله، زیرا تلازمت حیات مر روح را پیش اہل سنت وجماعت امری عادیست نه عقلی وعقل تجویز آں می کند، پس اگر قیام دلیل سمعی بر وی بصحت رسد واجب گردد اعتقاد بداں جماعتی از علماء قائل بداں شده اند واثبات آں کرده، نماز گذاردن موسی علیه السلام در قبر چنانچه در حدیث آمده مثبت آنست چه نماز گذاردن بے شبهه استدعا جسدی کند که محل حیات باشد، وہم چنیں صفاتی که مذکور شده اند در لیلة المعراج وبانبیاء علیهم السلام اسناد یافته همه صفات اجسام است، انتهی.

بداں تمامه اہل سنت وجماعت اعتقاد دارند، به ثبوت ادراکات مثل علم وسمع مر سائر اموات را از احاد بشر خصوصا انبیاء را علیهم السلام وقطع میکنند[52] بعود حیات مر هر میت را در قبر چنانکه در احادیث ورود یافته است و وارد شده که بعد از عود حیات در قبر بار دیگر موت عود میکند بلکه نعیم قبر وعذاب آں را تا قیام قیامت ادراک میکنند و شک نیست که ادراک مشروط بحیات است لیکن کفایت میکند حیات جزوی از اجزاء او به ثبوت آں نوع حیات که مستلزم بقائی بنیه وقیام جثه چنانچه در دنیا بود، نباشد ولیکن ادله که بحیات انبیاء دلالت دارند مقتضای آں حیات ابدان است چنانچه در دنیا بود باوجود استغنا از غذا وباحصول قوت که بود در عالم چه غذا از اسباب عادی است که در دنیا احتیاج بدن بداں مشروط است ولیکن حق سبحانهٗ وتعالیٰ قادر است که بے آں نیز زنده دارد واحادیث

---

۵۱ اصل کتاب میں شفاء الاسقام کی بجائے شفاء السقام دیا ہے،

۵۲ اصل کتاب میں میکنند کی بجائے می کنم دیا ہے، جو غلط ہے، میں نے تصحیح کر دی ہے،

وایجا بعضی احوال واعراض دربدن کند که التفات واحتیاج بغذا مرتفع گردد، چنانچه در بعضی احوال بطریان فرح وسرور یا عروض حزن وغم چندین مدت باکل وشرب احتیاج نیفتد، بلکه باید دنیاید با آنکه بعد از تسلیم سببیت غذا مر حیات وبقائی بدن را دلیلی نیست برحصر سببیت، روی شاید که سبحانه تعالی را اسباب دیگر بود مر ابقائی ابدان را

اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۔

وقدوۃ المحققین کمال الدین بن الہمام رحمۃ اللہ علیہ، درمسایرہ میفرماید که بعد از اتفاق اہل حق بر اعادت روح در قبر مقدار آنچه بوی ادراک نعیم وعذاب قبر توانی کرد. بسیاری از اشاعرہ وحنفیہ در ساعادت روح تردد کردہ اند وتلازم روح وحیات را منع نمودہ غیر آنکه جریان عادت الٰہی بران وقوع یافته که بقائی حیات بروح باشد والا در اصل امکان حیات وقدرت پروردگار عزشانہ بر احیائی اجساد بے قیام ارواح بآنہا خلافے نیست پس بعضی علماء حنفیہ قائل شدہ اند بوضع روح در جسد وبعضی باتصال روح بتراب وتالم روح وتراب معاً، (انتہٰی)

فصل

بداں که حیات انبیاء علیہم السلام وثبوت این صفت مر ایشاں را وترتب آثار واحکام آں ہیچکس را از علماء خلافی نیست غیر آنکه در وجود ایشاں در قبور وتمکن واستقرار در خصوص این موضع بعضی از علماء سخن کردہ، شیخ علاؤ الدین (اصل: اعلاؤ الدین) قونوی که از محققین علماء شافعیه است، میگوید که آنچه برمن ظاہر می شود این است که اعتقاد حیات انبیاء علیہم السلام در قبور ووجود ایشاں در وی بوجہی که پیش از وفات ثابت بود، واستمرار واستقرار ایشاں در قبور ہم بریں وجه از مسائل فروع نیست که در وی بدلائل ظنیه غیر قطعیه اکتفا تواں کرد او بمشاہدہ عیانی ثابت شدہ که حیاتی که ایشاں را پیش از وفات ثابت بود زوال پذیرفته وفانی شدہ وادعای عود آں حیات را دلیل قطعی وحجتی ساطع باید تا اعتقاد بداں صورت بندد وبلکه ما اعتقاد داریم بحیات ایشاں نزد پروردگار جل جلالہ بجائیکه اشرف واکمل واعلیٰ است از حیات متعارف واعتقاد داریم که آں حضرت بالرفیق الاعلیٰ است در سمٰوات علیٰ، نزد سدرۃ المنتہیٰ عندہا جنۃ الماوٰی واین جنت افضل واکمل است، از یں که در قبر مقیم بود، اگرچه بمقتضائی حدیث نبوی فسحتی دو سعتے در قبر مؤمن می کنند که مد بصر باشد چه جائی قبر سرور انبیاء وسید اہل اصطفا صلی اللہ علیہ وسلم ولیکن بودن او در جنت اعلیٰ که عرض او عرض سمٰوات وارض بود اکمل واعلیٰ است با آنکه در حدیث آمدہ که انبیاء را بعد از چہل روز در قبور نمی گذارند وایشاں نماز می کنند پیش پروردگار خود تا نفخ صور ودر حدیث دیگر آمدہ که من گرامی ترام نزد پروردگار خود که بعد از سہ روز مرا در قبر بگذارد وہمچنین ظاہر شد، که قطع باقامت انبیاء علیہم السلام بایں حیات در قبور واستمرار ایشاں در وی چنانکه پیش از وفات بودہ اند متعذر است واما صلوٰۃ موسیٰ در قبر دلالت ندارد بر استمرار اقامت او در وی کیف وحال آنکه در حدیث صحیح آمدہ که آنحضرت او را وانبیاء دیگر را صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین در سمٰوات ملاقات کردہ، پس وجه توفیق آں بود که باوجود قرار ایشاں بر سمٰوات گاہے انتقال بجائی دیگر از موضع قبر وغیرہ نیز کنند، وازیں جا لازم نیاید که در قبر مستمر ومستقر باشند، انتہیٰ کلام قونوی، و

از صریح منطوق وی ظاہر شود کہ تردد او در استمرار حیات و استقرار ایشاں است در قبور و لیکن اصل معا کہ ثبوت حیات است نزد پروردگار عز اسمہ مسلم و مقرر است از جہت ثبوت آں بدلیل قطعی کہ نص قرآن است، چنانچہ خود بعد از ایراد کلام مذکور گفتہ است کہ اما در اثبات حیاتی دیگر مغائر ایں حیات معہودہ متعارفہ کہ در نظر و عادت بشریت بے تغذی و لوازم آں صورت بقاء نپذیرد، ہیچ نزاعی و تردد نیست پس محصل خلاف دوام و استمرار است، در قبور بحیاتی کہ پیش از وفات بود و لیکن در ینجا مجال سخن ہست اگر بسمع رضا موسع شود شاید کہ در محل قبول افتد و آں این است کہ بعد از ثبوت اصل حیات بدلیل قطعی و عدم قطع چنانچہ خود اعتراف کردہ ہیچکدام از جانبین نہ استمرار در قبر چنانچہ وی ذکر کردہ و بحدیث

اَلْاَنْبِیَاءُ لَا یُتْرَکُوْنَ ، وَاَنَا اَکْرَمُ عَلٰی رَبِّیْ ،

اَلْحَدِیْثَیْنِ ، معارضت و تقویت نمودہ و نہ عدم استمرار از جہت ورود،

اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ ،

و صحت رؤیت موسیٰ مصلیاً در قبر بحکم اِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا

شک نیست کہ وضع اجساد شریفہ ایشاں در قبور مشاہد و معاین است، و اصل بقای آنہا است برحال خود و عدم انتقال مادام کہ دلیل قطعی برخلاف آں قائم شود "و لم یقم"، پس ثابت شد کہ حیاتیکہ مقطوع بہ است در قبور باشد، نہ در سمٰوات ، "واللہ اعلم"

و محققین اہل حدیث و شراح آں برآنند کہ حدیث، اَلْاَنْبِیَاءُ لَا یُتْرَکُوْنَ ،

و کذلک اَنَا اَکْرَمُ عَلٰی رَبِّیْ الی آخرہا ، بصحت نرسیدہ اند و بہ ثبوت نہ پیوستہ[1] ، و در راویاں کسے ہست کہ بہ سوء حفظ بلکہ زیادہ از اں منسوب است، و اگر صحیح باشند تاویلش آنست کہ مراد از ترک است بے اشتغال بعمل و عبادت مولا و بعد از مضی مدت ہم در قبر اند مشغول بصلوٰۃ و طاعت حق بلکہ در فضائل آں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آمدہ کہ ہیچ پیغمبری نیست کہ او را بعد از سہ روز از قبر بہ نداند بجز من کہ از پروردگار خود در خواستم کہ ہم در میان خود باشم تا روز قیامت تا ایشاں بحکم

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ،

از نزول بلا و حلول عذاب مامون و مصون باشند و بموجب سیاق ایں حدیث تواند کہ استمرار و استقرار در قبر بحقیقت حیات مخصوص حضرت سید المرسلین باشد صلی اللہ علیہ وسلم و سائر انبیاء را اصل حیات عند اللہ کہ متفق علیہ است ثابت بود ، (واللہ اعلم)

مرویست کہ چوں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ محاصرہ کردند بعض از صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین باوی گفتند، کہ مصلحت آنست کہ با اہل شام ملحق شوی تا ازیں بلاد محنت خلاصی یابی، فرمود، ہرگز روا ندارم کہ از دار ہجرت خود مفارقت کنم، و مجاورت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بگذارم

---

[1] اصل کتاب میں پیرستہ دیا ہے جو غلط ہے [2] اصل کتاب میں لسوئی دیا ہے، جو غلط ہے،

وقضیہ سماع سعید بن المسیب در ایام واقعہ حرہ اذان از حجرہ شریفہ تا سہ روز کہ مردم مفارقت مسجد نبوی کردہ بودند مشہور است،

اما آنکہ قونوی تفضیل و ترجیح دادہ بودن آنحضرت را صلی اللہ علیہ وسلم در بہشت اعلیٰ بر استمرار او در قبر شریف جواب وی آنست کہ قبر آحاد مومنین روضہ ایست از ریاض جنت پس قبر شریف سید المرسلین افضل ریاض جنت باشد، و تواند بود کہ وی را صلی اللہ علیہ وسلم ہم در قبر از تصرف و نفوذ حالتی بود، کہ از سموات و ارض و جہان حجاب مرتفع باشد بے تجاوز و انتقال زیرا کہ امور آخرت و احوال برزخ را با حوال دنیا کہ مقید و مضیق حدود و جہات است قیاس نتواں کرد و آنچہ در تطبیق صلوٰۃ موسیٰ علیہ السلام در قبر و رویت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم او را در آسمان گفتہ است کہ انبیاء علیہم السلام باوجود استقرار ایشاں بر سموات گاہے بقبور نیز نزول و انتقال می کنند، کسی کہ قائل باستمرار ایشاں است در قبر بر عکس آں می رود و میگوید کہ باوجود قرار ایشاں در قبر در بعضی احیان بقوت نفوذی کہ در عالم ایشاں را دادہ اند عروج و انتقال بسموات نیز نمایند، یا گویند کہ مراد دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مر ایشاں را در قبور در حالت مرور آنحضرت از سموات بہ ترتیبی، کہ ذکر یافتہ است یعنی قولہ فِی السَّمَآءِ السَّادِسِ، مثلاً حال از فاعل باشد نہ از مفعول پس استقرار در آسمان صفت آنحضرت باشد نہ انبیاء واگرچہ ایں تاویل خلاف ظاہر است،

و شیخ ابن ابی جمرہ[1] در بہجہ میگوید کہ دیدن آنحضرت مر انبیاء را علیہ وعلیہم السلام در شب اسریٰ در سموات چند وجہ احتمال دارد، اول آنکہ ایشاں را در قبور شان بر صورتیکہ خبر دادہ است از آں موسیٰ کہ فرمودہ است از سموات مشاہدہ کردہ باشد و حق سبحانہ وتعالیٰ از قوت بصر و بصیرت کہ بداں ادراک ایں حالت کند، بحضرت اعطا فرمودہ بر طبق قول او صلی اللہ علیہ وسلم

رَأَیْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فِی عَرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ

وایں محتمل[2] دو وجہ است، جنت و نار را ازیں موضع دیدہ باشد چنانچہ گوئی رَأَیْتُ الْهِلَالَ مِنْ مَنْزِلِیْ مِنَ الطَّاقِ وَالْمُرَادُ مَوْضِعُ الطَّاقِ، یا صورت جنت و نار را در عرض حائط متمثل ساختہ باشند، و قدرت صلاحیت ہر دو دارد دوم[3] وجہ از دیدن آنحضرت انبیاء را در سموات آنکہ ارواح ایشاں را در سموات متمثل بر صورت ایشاں دیدہ باشد سیوم آنکہ اجساد مطلق ایشاں را از قبور برداشتہ از برای اکرام حبیب خود صلی اللہ علیہ وسلم و تعظیم او باں موضع بردہ باشد تا او را از جہت ایشاں انس و بشارت باشد، وغیرہ آں از آنچہ علم ما بداں احاطہ نتواند کرد، حال گروہ و قدرت باہرہ و آیات ظاہرہ خود بروی پیدا آرد، جمیع ایں وجوہ محتمل است، و ہیچ کدام از نہا بر دیگرے ترجیح ندارد و قدرت کاملہ صالح کل است، (انتہی)

و از آنچہ دلالت دارد بر وجود سرور انبیاء در قبر مکرم واقعہ سلطان سعید نور الدین شہید است در سنہ سبع و خمسین و خمس مأتہ در باب رویت آنحضرت در منام در یک شب سہ بار و خبر دادن او را از شر دو نفر انی کہ نسبت بقبر شریف تصور

---

[1] اصل کتاب میں جمرہ کی بجائے حمزہ چھپا ہے جو غلط ہے، اور بہجہ کی بجائے بہجہ رہا ہے۔ کتاب کا پورا نام بہجۃ النفوس و غایتہا بمعرفۃ ما لہا وما علیہا ہے، یہ بخاری کی شرح ہے، ان کی وفات ۶۹۵ھ میں ہوئی،

نقبے کرده بودند و رسیدن او بآنجا ازار کس بمدینهٔ مطیبه و دریافتن او آن دو[2] ملعون را و احراق او مر آنها را و حفر خندق حوالی حجرهٔ شریفه و مملو ساختن آن بر صاص مذاب چنانچه تفصیل آن در بیان فضائل مسجد ذکر کرده آمده، و این قصه را جمیع مورخان مدینهٔ منوره مثل شیخ جمال الدین مطری و مجد الدین فیروز آبادی و غیر ایشان از علمای اعلام ذکر کرده اند و تصحیح نموده، و امام عبد الله یافعی در ترجمه مذکور می نویسد که بعضے از عرفای شیوخ گفته اند که سلطان نور الدین معدود است از اولیاء در اربعین و نائب او صلاح الدین از سی صد،

و ابن اثیر گوید: تواریخ ملوک که پیش از اسلام و بعد از آن بوده تتبع کردم بعد از خلفای راشدین و عمر بن عبد العزیز ملکی نیکو سیرت تر از نور الدین نیافتم و عجب است که در ترجمه او ذکر این قصه مشهوره نیست، والله اعلم،

بدان که علامه قونوی بعد از تردد نادر وجود انبیاء در قبور گفته است که گمان نبرند که التفات ایشان بقبور منقطع و تعلق ایشان بدان مرتفع گشته بلکه میان ایشان و قبور علاقهٔ خاصه مستمره غیر منقطعه ثابت است که نسبت با اماکن دیگر ثبوت ندارد و همچنین در میان قبور سائر مومنین و ارواح ایشان نسبت خاصی است مستمر که بدان زائران را می شناسد و رد سلام بر ایشان می کند بدلیل استحباب زیارت در جمیع اوقات. بعد از آن احادیث کثیره درین باب می آرد و میگوید که جمیع این احادیث دلالت دارد بر آنکه اموات را ادراک و سماع حاصل است و شک نیست که سمع از اعراضی است، که مشروط است بحیات پس همه حی اند ولیکن حیات ایشان در مرتبه کمتر از حیات شهداء است،

. . . . وحیات انبیاء صلوٰة الله علیهم کامل تر از حیات شهداست و تحقیق درین باب که مختار جمهور علماء است . . . . همانست که از تاج الدین سبکی نقل کرده، والله اعلم بحقیقة الحال والیه المرجع والمآل،

فصل

چون مساق کلام در تحقیق این مرام حقیقت انتظام مبسوط و مشروح آمد اشارت به بعضی مباحث متعلقه بدان که موجب تکمیل و تتمیم مقصود بود نیز مناسب نمود، ومن الله التوفیق،

بحث اوّل

در حدیث: اِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ، اشکال مشهور است و آن اینست که این عبارت یعنی رد روح نبوی صلی الله علیه وسلم و اعادهٔ وی در بدن شریف نزد سلام کردن یکے از امت بر آں حضرت دلالت دارد بر عدم استمرار حیات مر آنحضرت را زیرا که اگر حیات دائم و مستمر بود، رد روح نزد سلام معنی ندارد چه معنی او این است که اعاده روح نزد سلام حادث و متجدد می شود تا بدان رد سلام میکند

وجواب این اشکال بوجوه متعدده بیان نموده اند،

یکے آنکه معنی حدیث آنست که تحقیق رد کرده است حق تعالی بر من روح مرا تا رد سلام می کنم و درین وجه بعضی از

متعلماں را بجہت رعایت قوانین نحویہ کہ حاصل آں لزوم اقتران حال است بزمان فعل کہ مقتضائی آں مقارنت حدوث ردّ و اعادہ رُوح است نزد سلام نہ قبل ازاں محل مناقشہ و گفتگوئی ہست و فیہ ما فیہ،

وجواب دیگر آنکہ مراد برد رُوح نہ رد حِسّی است کہ فرستادن رُوح بقالب میت باشد بلکہ عبارت است از توجہ و اقبال رُوح اقدس و اطہر او از اشتغال و استغراق بشہود حضرت قدس و مشاہدہ ملأ اعلیٰ بسوی ایں عالم واقف واو راک او مراتب آنرا تا تدارک سلام و رد جواب آں میسر گردد، یعنی رُوح شریف او را التفات معنوی و نزول روحانی بدو اثر بشریت حاصل میگردد، تا رد سلام امت خود میکند و بعضی گفتہ اند کہ ایں کلام خطاب است بر مقدار فہم اہل ظاہر کہ در تفاہم و تعارف از موتی بے ردّ رُوح ممکن و متصور نباشد، و خلاصہ مجمل کلام کنایت است از سماع و جواب بوجہ اتم و اکمل با آنکہ اگر ردّ رُوح را ہم بر ظاہر خود حمل کنند نیز لازم آید کہ نفائی رُوح در قالب شریف دائم و مستمر باشد زیرا کہ چوں بسلام اول شخص از اشخاص امت رُوح پر فتوح آنحضرت صلعم بقالب شریف مرسل و مرجوع شد اعتقاد قبض او بعد ازاں بے دلیلے ثابت و معقول نباشد، و الا لازم آید توالی و تتالی موتات خارج از حد حصر و تناہی و ہیچکس بداں قائل نیست و نیز التزام آں لائق بحال عاقل نہ اذ لا یخلو عن نوع تعذیب، با آنکہ ہیچ ساعتے از ساعات نیست کہ یکے از امتان او بروی سلام نفرستد، پس لازم آید دوام حیات، و دوام ردّ سلام،

و شیخ مجد الدین شیرازی گفتہ است کہ بنیان حرف استعلا در قول او صلی اللہ علیہ وسلم عَلَیَّ رُوْحِیْ دلیلی است بر ثبوت ہویت آنیہ و ورود و نزول بروی پس گویا کہ عبارت است از تجدّد وضعی خاص و حالتی مخصوص و با ثبوت اصل وجود حیات نعم اگر میگفت، رَدَّ رُوْحِیْ فِیْ اَوْ فِیْ جَسَدِیْ خلاف آں متوہم می شد، و فلیفہم،

بحث ثانی

گفتہ اند کہ نماز موسیٰ علیہ السلام در قبر و ہم چنیں نماز انبیاء در شب اسریٰ و آمدن موسیٰ بحج و تلبیہ گفتن، چنانچہ در حدیث دیگر آمدہ است کہ گویا من نگرم بموسیٰ از ثنیہ فرو می آید و تلبیہ میگوید و ہمچنیں فرمود گویا می نگرم بیونس علیہ السلام کہ تلبیہ میگوید چہ معنی دارد و حال آنکہ نماز و سائر عبادات از اعمال دنیاست کہ دار تکلیف و امتحان است، و در دار آخرت ہیچ تکلیفے و امر و نہی نیست،

جواب ازیں سوال نیز بچند وجہ گفتہ اند:-

اوّل:- آنکہ صلوٰۃ اینجا ذکر و دعاست و آں از اعمال آخرت است،

دوم:- آنکہ انبیاء افضل اند..... از شہدا و شہداء احیاء اند نزد خدا پس اگر حج و نماز کنند بعید نباشد

سیوم:- آنکہ ایں حالات زمان حیات ایشاں است کہ حضرت را نمودہ اند، لہذا فرمود،

وَكَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی مُوْسٰی — كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی يُوْنُسَ

و بعضی گفتہ اند کہ در برزخ جریان و انسحاب احکام دنیا ثابت است و منافی استکثار اعمال و زیادت اجر نیست

زاد دو ۱۶

وانقطاع اعمال مخصوص است بروز آخرت و نیز آنچه منقطع است در آخرت امتحان و تکلیف است و اگر عمل بے ثمرت تکلیف و مجاہدہ بر سبیل تلذذ بذکر مولیٰ و خضوع وی حصول پذیرد مانعی نیست چنانچہ در خبر آمدہ است، کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در وقت شفاعت سجدہ کند و معنی سجدہ غیر عبادت و عمل چہ باشد تا بدانکہ معنی تشبیہ قول او صلی اللہ علیہ وسلم کَأَنِّی اُنْظُرُ چہ باشد۔

بعضی میگویند کہ ایں رؤیائی منام است چنانچہ در روایت ابن عمر آمدہ کہ آنحضرت فرمودہ صلی اللہ علیہ وسلم بَیْنَمَا[1] اَنَا نَائِمٌ رَأَیْتُنِی اَطُوْفُ بِالْکَعْبَۃِ، و رؤیت در منام در حکم نظر است بعیان

و بعضی گفتہ اند کہ ایں اخبار است از انچہ وحی کردہ شد، بروی از احوال ایں انبیاء و بسبب کمال یقین آنرا در حکم مشاہدہ و عیان آوردہ تعبیر از وی برؤیت نظر کردہ۔

و شیخ علاؤ الدین قونوی میگوید کہ بعید نیست کہ گفتہ شود کہ ارواح مقدسہ انبیا بعد از مفارقت بمنزلہ ملائکہ است بلکہ افضل از ایشاں و ہمچنانکہ ملائکہ متمثل شوند در صور مختلفہ کذالک جائز باشد کہ ارواح مقدسہ انبیاء نیز متمثل گردند و ممکن است کہ ایں تصرف مر بعضی خواص عباد را در حالت حیات نیز درست دہد و روح واحد در ابدان متعددہ غیر بدن معہود متصرف گردد، چنانچہ بعضی محققین در تسمیہ ابدال گفتہ اند، کہ گاہی یکے از ایشاں بمکانے رود و در مکان اول شبحی و مثالے در بدل خود بگذارد و سادۂ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم عالمی متوسط در عالم اجساد و ارواح اثبات کردہ اند کہ آں را عالم مثال گویند، الطف از عالم اجساد و اکثف از عالم ارواح، و ظہور ارواح در صور مختلفہ مبنی بر آں ساختہ و ظہور جبرئیل علیہ السلام بصورت دحیہ کلبی و تمثل او مر مریم را بصورت بشر سوی الخلق از آں عالم میدانند و بنا بر علیہ جائز بود کہ موسیٰ علیہ السلام با استقرار در آسمان ششم بشبح و پیکر مثال در قبر متمثل باشد و آں حضرت او را در ہر دو مکان مشاہدہ فرمودہ و بعد از اثبات عالم مثال جواب از مسائل کثیرہ بیروں آید، و اشکالات بسیار مثل بیان وسعت جنت و رؤیت او در عرض حائط مثلاً منحل گردد۔ (انتہی کلام الشیخ)

و حقیقت آنست کہ تحقیق مسئلہ حیات انبیا علیہم السلام و غیر ایشاں موقوف معرفت ایں[2] عالم است و تحقیق و بیان

---

[1] اصل کتاب میں "بَیْنَنَا" دیا ہے، جو غلط ہے۔

[2] راقم حروف المفتقر الی اللہ الغنی کہتا ہے، کہ جن بزرگوں نے عالم مثال اور انبیاء کے اجساد مثالیہ کا ذکر کیا ہے، انہوں نے انکے جسد اصلی کو بھی زندہ مانا ہے، فرق صرف یہ ہے، کہ انہوں نے تعدد اجساد مانا ہے، ایک اصلی اور دوسرا مثالی، مگر حیات دونوں میں باقی ہے، جیسے جبرئیل کا دحیہ کلبی کی صورت میں آنا کہ ان کا جسد اصلی بھی زندہ تھا، اور جسد مثالی بھی اور روح جسد مثالی میں آکر بے شمار کام کر جاتی ہے جیسا کہ سیوطی نے انباء الاذکیاء میں ذکر کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولیاء اور صلحاء امت کے جنازوں پر حاضر ہوئے ہیں چنانچہ علامہ آلوسی بغدادی روح المعانی میں فرماتے ہیں (۲۳: ۱۳-۱۴) وقد اثبت غیر واحد تمثل النفس وتطورہا لنبینا صلی اللہ علیہ وسلم بعد الوفاۃ وادعی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قد یری فی عدۃ مواضع فی وقت واحد مع کونہ فی قبرہ الشریف یصلی یعنی ایک علماء نے وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس کی مثال اور مختلف صورتوں میں ہونے کا ذکر کیا ہے الخ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۷ پر ملاحظہ ہو)

آنحضرتؐ موسیٰؑ و یونسؑ را علیہما السلام بمعرفت زمان و مکان روحانیات و تمیز فرق آنہا از زمان و مکان جسمانیات چنانچہ محققین صوفیہ کردہ اند وسعت دہد، میگویند کہ دراں عالم زمان منقسم بماضی و مستقبل و حال نیست وحالت یونس در بطن ماہی وعبور موسیٰ از دریائے نیل وحالت وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یکی است پس رؤیت آنحضرت ایشاں را قاصد حج و قائل تلبیہ ہماں حالت است، کہ ایشاں در حیات خود قصد حج کردہ بودند و تلبیہ می گفتند و حقیقت ایں حالت و دریافت آں اعلیٰ و ارفع است از قائل شدن بتمثل ایشاں و دیدن آنحضرت صورت مثالیہ ایشاں را و چوں اطناب کلام دریں مباحث از اصل مرام دور می انداخت ..... اقتصار سخن بریں مقدار لازم افتاد، واللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَحْکَمُ

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو جانے کے فضائل کے بیان میں کہ ارباب دین کا انتہائی مقصد یہی ہے اور اصحاب یقین کا بلند ترین مطالب بھی یہی ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور حیات انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں

یاد رکھو! خدا تمہیں ہدایت کرے، اور سعادتمند بنائے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کے بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں، بعض میں زیارت قبر کے الفاظ صراحتہً پائے جاتے ہیں، اور بعض میں اور الفاظ ہیں، ایسے طریقہ پر کہ ان میں مدعا زیارت قبر شریف کا ذکر ہے اور اس مدعا کی تاکید پائی جاتی ہے جن احادیث میں زیارت قبر شریف کا ذکر صراحتہً آیا ہے، یہ احادیث ہیں جو کہ ثقہ راویوں سے پایۂ صحت کو پہنچ چکی ہیں، بعض صحیح کے درجہ میں اور بعض حسن کے مرتبہ میں

پہلی حدیث مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ

جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی،

باوجود اس کے کہ امت کے تمام مومنین کو اس کی امید ہے، کہ آپ ان کی شفاعت کریں گے۔ زائرین قبر شریف کو اس فضیلت کے ساتھ مخصوص کرنے کا مقصد یہ ہے، کہ ان کے لئے خاص شفاعت ہو گی، جو ان کے لئے ایک خاص مرتبہ حاصل کرنے کا سبب بنے گی، اور لوگوں کو باوجود اس کے کہ ان کے اعمال بہت ہوں گے، یہ فضیلت حاصل نہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۶) اور لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس کے کہ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں... ایک ہی وقت میں کئی ایک مقامات پر دیکھے جاتے ہیں جن بزرگوں نے انبیاء کی حیات کو دنیاوی حیات بتایا ہے جہاں تک میرا خیال ہے انکا مقصد انبیاء کی دنیاوی زندگی، کی طرح کی زندگی نہیں بلکہ اس سے کہیں اعلیٰ اور افضل زندگی مراد لی ہے، ان کی مراد کو سمجھے بغیر ان بزرگوں کی بھی تنقید کی، متانت اور شرافت سے بعید بات ہے، اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِیْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ
شیخ عبدالحق نے اور مقامات پر بھی حیات نبوی پر بحث کی ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ ج ۲: ۵۷۵ تا ۵۷۸، اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۴۰ ج ۲: ۱۸۶–۱۸۷ ج ۴: ۲۴۷،

ہوگی، جیساکہ ہم دیکھتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی مرتبہ صحابہ میں بعض ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے عمر بھر میں صرف ایک بار جمال نبوی کا مشاہدہ کرنے کا شرف حاصل کیا۔ مگر پھر بھی ان کا مرتبہ بمقابلہ باقی امت کے اعلیٰ اور افضل ہے، یا یہ کہ آں حضرت نے ان الفاظ میں حتمی طور پر ان لوگوں کے لئے شفاعت کرنے کا وعدہ فرمایا ہے جو آپ کی قبر شریف کی زیارت کو آئیں، یا یہ کہ زیارت کنندہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس بات کی بشارت پائی جاتی ہے، کہ اس کی موت ایمان پر ہوگی، اس لئے کہ شفاعت کا مستحق تو وہی ہو سکتا ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہو،

(۲) **دوسری حدیث** | مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ جس نے میری قبر کی زیارت کی اسکے لئے میری شفاعت جائز ہوگئی،

(۳) **تیسری حدیث** | مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا تُعْمِلُہٗ حَاجَۃٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَہٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ،

جو میری زیارت کے لئے آئیگا، اور میری زیارت کے سوا کوئی اور بات اسے حرکت میں نہیں لائی ہوگی تو اس کا حق ہوگا کہ قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں،

ان دونوں حدیثوں کے معنی اور مراد وہی ہے جو پہلی حدیث میں ہے، تیسری حدیث میں صدق و اخلاص کی شرط لگائی گئی ہے، اور اسی پر تمام اعمال و افعال کا دارومدار ہے،

(۴) **چوتھی حدیث** | مَنْ حَجَّ وَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ،

فرمایا، کہ وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرنا ایسا ہے، جیسا کہ میری زندگی میں میری صحبت میں بیٹھنا،

اس حدیث کی بناء اس بات پر ہے، کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ثابت ہو، جیسا کہ اس باب کے آخر میں اس کی تحقیق آئے گی، اس حدیث کے مفہوم سے بھی پہلی حدیث کے مفہوم کی تائید ہوتی ہے، یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کرنیوالوں میں ایک خاص فضیلت وسعادتمندی پائی جاتی ہے جو اوروں میں نہیں، جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں زیادتی فضیلت اور کثرت ثواب کے اعتبار سے امتیاز پایا جاتا ہے لیکن اس تشبیہ سے یہ لازم نہیں آتا، کہ زائر کو ہر قسم کی فضیلت اور احکام میں صحابی کا درجہ دیا جائے، اسی طرح اگر کوئی خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حدیث سن لے تو باوجود اس کے کہ خواب سچی ہے، اور آنحضرت کے فرمان من رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاَیٔ الْحَقَّ (جس نے مجھے خواب دیکھا اس نے درحقیقت مجھے دیکھا) کے مطابق وہ خواب حقیقت ہے، پھر بھی اس سے شرائع اور احکام ثابت نہیں ہو سکتے،

(۵) **پانچویں حدیث** | مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ،

(جس نے حج کیا، اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ سے جفا کی)

یہ وعید ہسان لوگوں کے لئے جنہوں نے باوجود اس کے کہ حج کی نعمت حاصل کرلی ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی زیارت حاصل نہیں کی اور اس فضیلت سے احتراز کیا ہو، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسبات کی بہت خواہش ہے بلکہ آپ کی امت کو ثواب حاصل ہو، اور آپ کو امت سے بہت ہی شفقت اور محبت ہے

(۶) **چھٹی حدیث** | مَنْ زَارَنِي إِلَى الْمَدِينَةِ كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا أَوْ شَهِيدًا،

(جس نے مدینہ پہنچ کر میری زیارت کی میں اس کی یا تو شفاعت کروں گا، یا اسکے حق میں گواہ ہونگا)
جیسا کہ بزرگوں نے کہا ہے، کہ شفاعت اہل معصیت کے لئے ہوتی ہے، اور شہادت اطاعت گذاروں کے لئے، ایک اور روایت میں ہے، مَنْ زَارَ قَبْرِي كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا أَوْ شَهِيدًا،

(۷) **ساتویں حدیث** | مَنْ زَارَنِي مُتَعَمِّدًا كَانَ فِي جِوَارِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللهُ مِنَ الْآمِنِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ،

فرمایا:- کہ جس نے میری زیارت کی اور یہی اسکا اصلی مقصد ہو، وہ قیامت کے دن میری ہمسائیگی اور میری پناہ میں ہوگا، اور جو شخص مکہ یا مدینہ میں مرے گا۔ وہ قیامت کے دن عذاب سے محفوظ رہے گا

(۸) **آٹھویں حدیث** | نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں، مَنْ حَجَّ حَجَّةَ الْإِسْلَامِ وَزَارَ قَبْرِي وَغَزَا غَزْوَةً وَصَلَّى فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ يَسْأَلِ اللهُ فِيمَا افْتَرَضَ عَلَيْهِ،

اس حدیث میں حج اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کفار سے جنگ وجہاد اور بیت المقدس میں جو کہ نیک لوگوں کی جگہ ہے، نماز پڑھنے کی فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے، ہو سکتا ہے، کہ مخصوص فرائض کے متعلق سوال نہ کئے جانے کا خاص اجر مجموعی طور پر ان تمام امور کیوجہ سے ہو، یا ان میں سے ہر ایک پر مترتب ہوتا ہو، واللہ اعلم،

(۹) **نویں حدیث** | مَنْ حَجَّ إِلَى مَكَّةَ ثُمَّ قَصَدَنِي فِي مَسْجِدِي كُتِبَتْ لَهُ حَجَّتَانِ مَبْرُورَتَانِ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا قصد کرنا، اور آپ کی مسجد میں آنے کا شرف حاصل کرنا حج مبرور و مقبول کے برابر قرار دیا گیا ہے، بلکہ یہ اس کے حج کی قبولیت کا سبب ہوگا،
اور حج مبرور کی جزا لازمی طور پر جنت ہے، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے حج مبرور وہ حج ہے جس میں محرمات ومناہی کا ارتکاب نہ کیا جائے، اور نہ ہی شہرت طلبی اور ریا پایا جائے، اور درحقیقت وہ حج ہے، جو بارگاہ خداوندی میں مقبول ہو، اور یہ اللہ کے فضل سے ہی ہو سکتا ہے،

(۱۰) **دسویں حدیث** | مَنْ زَارَنِي مَيِّتًا فَكَأَنَّمَا زَارَنِي حَيًّا وَمَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أُمَّتِي لَهُ سَعَةٌ ثُمَّ لَمْ يَزُرْنِي فَلَيْسَ لَهُ عُذْرٌ

(جس نے میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے مجھے میری زندگی میں دیکھا۔ اور جس نے میری قبر کی .... زیارت کی، اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہو جائیگی، میری امت میں سے جو شخص صاحب استطاعت

ہوگا اور وہ میری زیارت نہ کرے گا، تو پھر اس کا کوئی عذر قبول نہ ہوگا،

اس حدیث کا مضمون پہلی اور چوتھی حدیث میں شامل ہے، اور پانچویں حدیث کا خلاصہ ہے، جیسا کہ

(۱۱)، **گیارھویں حدیث** جس کی روایت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے کی ہے،

مَنْ زَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي وَمَنْ لَمْ يَزُرْ قَبْرِي فَقَدْ جَفَانِي،

جوتھی اور پانچویں حدیث کے مضمون کے مطابق ہے،

(۱۲)، **بارھویں حدیث** حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،

مَنْ سَأَلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ الدَّرَجَةَ وَالْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ زَارَ قَبْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي جِوَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس حدیث کا مضمون ساتویں حدیث کے ابتدائی حصہ کے مضمون کے ابتدائی حصہ کے مطابق ہے، اور اس میں اس قدر اضافہ کیا گیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درجہ اور وسیلہ کی دعا ان الفاظ میں کرنا،

اَللّٰهُمَّ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ

شفاعت اور خدا کی مہربانی کے نازل ہونے کا سبب ہے، یہ تمام احادیث متعدد طریقوں سے مروی ہیں اگر ہم ان تمام کو الگ الگ بیان کریں تو احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے، جیسا کہ سید[ع] علیہ الرحمتہ نے کیا ہے

فصل

قرآن مجید میں شہدا اور اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کے زندہ ہونے کے متعلق صریح آیات کے علاوہ جن احادیث میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی حیات کو ثابت کیا گیا ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے۔ جسے ابو یعلی نے ثقہ راویوں سے حضرت انس سے روایت کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ،

(انبیاء زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں،)

یہ حدیث خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ثابت کرتی ہے،

وَمَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِي حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

لیکن علماء میں اختلاف ہے، کہ آیا یہ فضیلت ہر سلام کرنے والے کے لئے ہے، خواہ وہ قبر شریف پر موجود ہو یا غائب ہو، خواہ کسی جگہ بھی ہو، یا یہ کہ یہ فضیلت صرف زائرین قبر شریف کے لئے مخصوص ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ فضیلت زائران قبر کے لئے مخصوص ہے، اس لئے کہ احمد بن حنبل کی روایت میں قبر کی قید موجود ہے،

مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي،

[ع] سید سے مراد سید سمہودی ہیں،

بعض فضلا و متاخرین کی تحقیق کے مطابق اس بحث کی تحقیق یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے کے دو طریقے ہوتے ہیں، ایک یہ کہ اس کا مقصد دعا ہو اور بارگاہ رب العزت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلامتی اور رحمت کے نازل کرنے کی درخواست ہو، خواہ اس میں مخاطب کا صیغہ استعمال کیا ہو، خواہ غائب کا اور خواہ قائل قبر شریف پر موجود ہو یا نہ ہو، چنانچہ وہ کہے اَلسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ یا یوں کہے، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، بعض علماء اس قسم کے سلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے اور آنحضرتؐ کے علاوہ کسی اور کے لئے اس سلام کے اطلاق سے منع کیا ہے، ہاں اگر تبعاً لے آئیں تو جائز ہے، دوسرا طریقہ یہ ہے، کہ اس کا مقصد سلام و تعظیم ہو، جیسے زائر قبر پر پہنچنے کے بعد کہنا چاہتا ہے، جیسے کسی مجلس میں آنے والا شخص اہل مجلس کو سلام کہتا ہے یہ کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ شریعت کے حکم کے مطابق سلام کرنے والے کو سلام کا جواب دینا ضروری ہے خواہ بالمشافہ بغیر واسطے کے سلام کہے، خواہ بواسطہ نائب و قاصد، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو زیادہ حقدار ہیں، کہ اس واجب کو ادا کریں، اگرچہ رد یعنی سلام کا جواب دینا پہلی قسم میں بھی ثابت ہو، تو کوئی تعجب نہیں، اور دوسری قسم میں امتیازاً اسی صورت میں ہوگا، جبکہ سلام کنندہ کو شرف قرب حاصل ہو، اور وہ آنحضرتؐ سے خطاب کرے ایک اور حدیث میں جو آیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ سے کہا، کہ تمہاری امت میں سے جو شخص ایک بار تم پر سلام بھیجے گا میں اس پر دس بار سلام بھیجوں گا۔ اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے، کہ یہ پہلی قسم کے ساتھ مخصوص ہے، علماء نے اسی طرح کہا ہے، نسائی نے ابن مسعود سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے فرشتے پیدا کئے ہیں جو دنیا میں سیاحت کرتے ہیں، اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں، یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو غیر حاضر ہوں، حاضرین قبر شریف کے متعلق دو حدیثیں آئی ہیں، ایک سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا سلام سنتے ہیں، اور بنفس نفیس اس کا جواب دیتے ہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں آیا ہے ع

ابن عمر سے بیہقی مروی ہے کہ:۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ فِیْ قَبْرِیْ رَدَدْتُ عَلَیْہِ وَمَنْ صَلّٰی فِیْ مَکَانٍ اٰخَرَ بَلَّغُوْنِیْہِ ،

(جو شخص میری قبر پر صلوٰۃ بھیجتا ہے میں اس کا جواب دیتا ہوں، اور جو کسی اور جگہ میں صلوٰۃ بھیجتا ہے، تو فرشتے اسے مجھ تک پہنچا دیتے ہیں)

ایک اور حدیث میں آیا ہے، کہ اس حالت میں بھی ایک فرشتہ مقرر ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پہنچاتا ہے، اور اس کا جواب دیتا ہے، ابو ھریرہؓ سے مروی ہے، کہ:۔

مَا مِنْ عَبْدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ اِلَّا وَکَّلَ اللّٰہُ بِھَا مَلَکًا یُبَلِّغُنِیْ وَکُفِیَ اَجْرَ اٰخِرَتِہٖ وَ دُنْیَاہُ وَکُنْتُ لَہٗ شَھِیْدًا اَوْ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ،

جو شخص میری قبر پر مجھے سلام کہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہوتا ہے جو مجھ تک وہ سلام پہنچا دیتا ہے، اور اسے دنیا اور آخرت کا بہت اجر عطا کیا جاتا ہے، اور میں قیامت کے دن اس کا گواہ یا شفیع ہوں گا

ان احادیث میں موافقت اس طرح ہو گی، کہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے، کہ بارگاہِ رسالت مآب میں ایک فرشتہ متعین کر رکھا ہے، جو بندوں کے سلام پہنچاتا ہے، جیسا کہ بادشاہوں کے درباروں میں دستور ہے۔ مگر اس کے باوجود آپ بعض مخلص بندوں اور خاص مقرب لوگوں کو نہیں، بلکہ تمام شکستہ دلوں کو بنفسِ نفیس سلام کا جواب دیتے ہیں، جسے یہ سعادت حاصل ہو جائے اور کیا چاہیے، اور یہ اللہ کا فضل ہے جس پر چاہے کرے،

مصرع :- ہمہ خواہند ترا تا تو کرا می خواہی ۔

عبدالحق نے جو اکابر ائمہ حدیث میں سے ہیں، احکام صغریٰ میں صحیح سند سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

جو شخص اپنے اس مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے، جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا، اور اسے سلام کہتا ہے، تو صاحبِ قبر اسے پہچانتا ہے۔ اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے، ابن عبدالبر نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے، اور اسے صحیح قرار دیا ہے، چنانچہ ابن تیمیہ نے تھوڑے سے لفظی فرق سے اسے نقل کیا ہے، امام عبدالحق نے کتاب عاقبت میں حضرت عائشہ سے نقل کی ہے،

مَا مِنْ رَجُلٍ يَزُوْرُ قَبْرَ أَبِيْهِ فَيَجْلِسُ عِنْدَهٗ إِلَّا اسْتَأْنَسَ بِهٖ حَتّٰى يَقُوْمَ

جو شخص اپنے باپ کی قبر کی زیارت کو جاتا ہے، اور اس کے پاس بیٹھتا ہے، تو وہ اس سے انس محسوس کرتا ہے، تا آنکہ وہ اٹھ کر چلا آتا ہے،

ابن ابی الدنیا نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے، اگر کوئی کسی آشنا کی قبر کے پاس سے گذرے تو وہ اسے پہچانتا ہے اور اگر سلام کہے تو سلام کا جواب بھی دیتا ہے، سمہودی کہتے ہیں، کہ جب یہ بات افرادِ اُمت اور عام مومنین میں پائی جاتی ہو، تو سید المرسلین کا کیا ہی کہنا،

بارزی نے توثیق عری الایمان میں سلیمان بن سحیم سے روایت کی ہے، کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، تو عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا آپؐ ان لوگوں کا سلام سنتے ہیں، جو آپؐ کی زیارت کو آتے ہیں، اور سلام کرتے ہیں؟ فرمایا: ہاں! اور جواب بھی دیتا ہوں،

ابن نجار نے ابراہیم بن بشار سے روایت کی ہے، کہ ایک سال میں نے حج کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینہ آیا، جب قبر شریف پر پہنچکر سلام عرض کیا۔ تو قبر کے اندر سے میں نے وَعَلَيْكَ السَّلَامُ کی آواز سنی اولیا اور صلحاء اُمت سے اس کی بہت سی روایات منقول ہیں، اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے، کہ وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ہونا یقینی امر ہے، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں، اور یہی حال باقی تمام انبیاء کا ہے، کہ وہ قبروں میں زندہ ہیں، ایسی زندگی کہ شہداء کی زندگی سے جن کے متعلق قرآن مجید میں خبر دی گئی ہے، زیادہ کامل اور زیادہ حقیقی زندگی ہے، ایسا کیوں نہ ہو جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہداء ہیں، اور شہداء کے اعمال بھی آپؐ ہی کے میزان میں شامل ہوں گے، نیز آپؐ نے فرمایا ہے :- عِلْمِيْ بَعْدَ وَفَاتِيْ كَعِلْمِيْ فِيْ حَيَاتِيْ ،

(مجھے وفات کے بعد اسی طرح علم حاصل ہوگا جس طرح زندگی میں تھا)

اس حدیث کی روایت حافظ منذری اور ابن عدی نے الکامل میں کی ہے۔

ابو یعلی نے ثقہ لوگوں کی روایت سے انسؓ بن مالک سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِی قُبُوْرِہِمْ یُصَلُّوْنَ۔

(انبیاء زندہ ہیں، اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں)

بیہقی نے انسؓ سے روایت کی ہے، اور اسے صحیح قرار دیا ہے،

اَلْاَنْبِیَاءُ لَا یُتْرَکُوْنَ فِی قُبُوْرِہِمْ بَعْدَ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً وَلٰکِنَّہُمْ یُصَلُّوْنَ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ حَتّٰی یُنْفَخَ فِی الصُّوْرِ

(انبیاء کو چالیس راتوں کے بعد قبروں میں نہیں رہنے دیا جاتا۔ بلکہ وہ اللہ کے حضور میں نماز پڑھتے ہیں، تا آنکہ صور پھونکا جائے گا)

بیہقی کہتے ہیں کہ اگر ثابت ہو جائے کہ حدیث کے الفاظ یہی ہیں، تو معنی یوں ہوں گے، کہ ان کا قبر میں زندہ ہونا تو دائمی ہے، مگر چالیس راتوں کے اندر نماز و عبادت کے آثار ظاہر ہوں گے، نیز بیہقی کہتے ہیں، صحیح احادیث سے حیات انبیاء کے بہت سے شواہد ملتے ہیں، اس سے پہلے انہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرے اور وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے، اسی طرح اور احادیث بیان کی ہیں، کہ آنحضرت کی ملاقات انبیاء سے ہوئی اور آپؐ نے ان کی امامت کی، ان تمام احادیث کی بنا ر اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد انہیں ان کی ارواح لوٹا دیتے ہیں، اور وہ اللہ کے ہاں زندہ ہوتے ہیں، اور پھر اللہ تعالیٰ کے فرمان:- فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ ط کے مطابق نفخہ اولیٰ کی صعقہ کا اثر ان تک پہنچے گا۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ صعقہ ہر لحاظ سے موت ہی ہو، بلکہ صرف اس قدر ہوگا، کہ اس اس حالت میں حواس قائم نہ رہیں گے بعض کہتے ہیں کہ اللہ کے فرمان اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ کے مطابق شہدا اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، نیز بیہقی فرماتے ہیں، کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ کہ جمعہ کا دن افضل الایام ہے اس دن مجھ پر بہت درود پڑھا کرو اس لئے کہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے، عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا درود آپ کے سامنے کیسے پیش کیا جائیگا جبکہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے، تو فرمایا:- اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے،

بزار نے رجال صحیح سے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے فرشتے بھی پیدا کر رکھے ہیں، جو دنیا میں سیاحت کرتے رہتے ہیں، اور امت کے اعمال مجھ تک پہنچاتے ہیں، نیز فرمایا:- میری وفات تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس لئے کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے، اچھے ہوں گے، تو اللہ کا شکر ادا کروں گا۔ اور اگر برے ہوں گے تو اللہ سے تمہارے حق میں مغفرت طلب کروں گا۔

استاد منصور بغدادی فرماتے ہیں محققین متکلمین کا یہی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد

زندہ ہیں، اور امت کی اطاعت گذاری پر خوش ہوتے ہیں۔ اور انبیاء کے جسم قبروں میں بوسیدہ نہیں ہوتے،

بیہقی کتاب الاعتقاد میں کہتے ہیں، کہ موت کے بعد انبیاء کی ارواح انہیں لوٹا دیجاتی ہیں، اور وہ شہداء کی طرح اللہ کے ہاں زندہ ہوتے ہیں، اس لئے کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات انبیاء کی ایک جماعت سے ہوئی،

شافعیہ میں سے مصنف تلخیص فرماتے ہیں، کہ جو مال آنحضرت کی وفات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے بعد باقی رہ گیا تھا، وہ آپ کی ہی ملکیت میں اسی طرح تھا، جیسا کہ آپ کی زندگی میں وہ مال دیگر اموات کی طرح وارثوں کو منتقل نہ ہوگا، اس مال کا آپکے اہل عیال پر خرچ کیا جائیگا، اور تقسیم وراثت کا قطعی اعتبار نہ کیا جائیگا، اور اس نے اسے آنحضرت کی خصوصیات میں شمار کیا ہے، امام الحرمین نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ جو مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا، حضرت ابو بکر صدیق نے اس کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا، انتہی

ان بڑے بڑے اماموں کا کلام اس بات کا متقاضی ہے، کہ دنیاوی احکام میں بھی ان کی زندگی ثابت ہو، لہذا ان کی زندگی شہداء کی زندگی کے مقابلہ میں زیادہ کامل اور تام ہوگی، اور یہی مذہب مختار ہے، ایسا نہیں جیسا کہ بعض مقامات پر بیہقی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، کہ انبیاء کی حیات شہداء کی زندگی کیطرح ہے، ان کی مراد صرف اصل حیات میں تشبیہ دینا ہے، اور بعد کو وہ ذکر کرتا ہے، تمام خصوصیات میں مشابہت مراد نہیں، لہذا اس مقام پر بعض علماء نے جو اعتراض کیا ہے وہ وارد نہیں ہوتا، ان کا کہنا ہے، کہ اگر اس حیات سے مراد وہ حالت ہے، جسے حق تعالیٰ نے شہداء کے لئے ثابت کیا ہے، اور فرمایا ہے:- بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ تو صحیح ہے۔ مگر اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، کہ شہداء پر موت کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً ملکیت کا منقطع ہو جانا وغیرہ، انہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نے کہا ہے کہ امام بیہقی پر تعجب آتا ہے، کہ خود ہی کہتے ہیں، کہ

رسول اللہ نے وفات پر اس قدر بیویاں چھوڑیں، آنحضرت نے وفات پائی اور وہ عشرہ مبشرہ سے راضی تھے،"

خود ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وفات کا ذکر کرتے ہیں، اور پھر حیات کس طرح ثابت کرتے ہیں،

زرکشی کہتے ہیں کہ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں: وفات پا جانے کے بعد اللہ نے آپ کو زندہ کر دیا ہے،

شہرستانی نے امام الحرمین سے غایۃ المرام میں نقل کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور جو صلوٰۃ و سلام کہا جاتا ہے، آپ اسے سنتے ہیں،

سبکی شفاء الاسقام میں کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت دائمی نہ تھی، حق تعالیٰ نے آپ کو موت کا مزہ چکھانے کے بعد اور موت کی سنت کو جاری کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا ہے، ملکیت وغیرہ کا منتقل ہونا تو وہاں ہوتا ہے، جہاں موت مستمر ہو۔ اور یہ حیات شہداء کی حیات کی نسبت اعلیٰ اور اکمل ہے، روح کے زندہ ہونے میں تو کسی قسم کا شبہ ہی نہیں، اور احادیث سے ثابت ہے کہ انبیاء کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے اور خواہ میت شہید نہ بھی ہو، تمام اموات کے لئے روح کا جسم میں لوٹایا جانا ثابت ہے، صرف بحث اس میں ہے، کہ کیا روح بدن میں مستمر و مستقر ہوتی ہے کہ

اس سے جسم زندہ ہو جائے، جیسا کہ دنیا میں تھا، یا جسم بذاتِ خود روح کے بغیر ہی زندہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں اس لئے کہ زندہ ہونے کے لئے روح کا ہونا امر عادی ہے، امر عقلی نہیں ہے، اور عقل اسے جائز قرار دیتی ہے، لہٰذا اگر کوئی سمعی دلیل صحیح طور پر ثابت ہو جائے، تو ہم کو اس پر اعتقاد رکھنا لازم ہو جائے گا۔ اور علماء کی ایک جماعت اس کی قائل ہے، اور اسے ثابت کیا ہے، موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا بھی یہی ثابت کرتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اس لئے کہ نماز ادا کرنے کے لئے جسم کا ہونا ضروری ہے کہ اسی میں زندگی ہوتی ہے، اسی طرح تمام وہ صفات جن کا ذکر شب معراج میں آیا ہے، اور انہیں انبیاء علیہم الصلوات کی طرف منسوب کیا گیا ہے، تمام کی تمام اجسام کی صفات ہیں، انتہیٰ،

یاد رکھیں کہ تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے، کہ عام اموات کو ادراکات مثلاً علم و سمع حاصل ہیں، بالخصوص انبیاء کو، اور وہ کہتے ہیں، کہ قبر میں ہر میّت کو زندہ کیا جاتا ہے، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، لیکن یہ نہیں آیا، کہ قبر میں زندگی کے عود کر لے کے بعد پھر موت آتی ہے، بلکہ میّت قبر کی نعمتوں اور عذاب کو قیامت تک پاتی رہتی ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں، ادراک کے لئے زندگی کا ہونا شرط ہے، مگر اس کے لئے کسی ایک جزو کا زندہ ہونا کافی ہے، جس سے تمام جسم کا باقی رہنا جس طرح دنیا میں تھا لازم نہیں آتا، مگر جو دلائل حیاتِ انبیاء پر دلالت کرتے ہیں، ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے، کہ ان کی بدنی زندگی ہے، جیسا کہ دنیا میں تھی، مگر انہیں غذا کی ضرورت نہیں، جس کے وہ دنیا میں عادی ہو چکے تھے، اس لئے کہ غذا ان اسباب میں سے ہے، جس کا انسان دنیا میں عادی ہو چکا ہوتا ہے، اور دنیا میں بدن کو غذا کی ضرورت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ قادر ہیں، کہ اس کے بغیر بھی زندہ رکھیں، چنانچہ بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ خوشی و سرور، اور حزن، غم طاری ہونے سے انسان کو کافی مدت تک کھانے پینے کی حاجت نہیں ہوتی، بلکہ اس کا خیال بھی نہیں آتا، اگر ہم بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیں کہ غذا زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے، تو بھی اسباب کی کوئی دلیل نہیں، کہ زندہ رہنے کے لئے یہی ایک سبب ہو سکتا ہے، کوئی اور سبب نہیں ہو سکتا، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی اور سبب بدن کو قائم رکھنے کے لئے پیدا کر رکھا ہو، اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ،

قدوۃ المحققین کمال الدین بن الہمام مسایرہ میں فرماتے ہیں، باوجود اس کے کہ اہل حق کا اس پر اتفاق ہے، کہ قبر میں روح بدن میں لوٹا دی جاتی ہے، جس سے میت نعیم و عذاب کا ادراک کر سکے، پھر بھی بہت سے اشاعرہ اور احناف نے روح کے لوٹائے جانے میں تردد کیا ہے، اور ان کا کہنا ہے، کہ زندگی کے لئے روح کا ہونا ضروری نہیں ہاں عادت خداوندی یہی ہے، کہ زندگی کی بقا روح کے ساتھ ہو، ورنہ در حقیقت اس بات میں کسی اختلاف نہیں ہے کہ حیات ممکن ہے، اور اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ اجسام کو روح کے بغیر ہی زندہ رکھے، اس لئے بعض احناف اس بات کے قائل ہیں، کہ روح بدن میں رکھی جاتی ہے بعض کہتے ہیں روح کا اتصال مٹی سے رہتا ہے، اور روح اور مٹی دونوں عذاب محسوس کرتے ہیں، انتہیٰ،

فصل

یاد رکھیں کہ انبیاء علیہم السلام کے زندہ ہونے اور صفت حیات ان کے لئے ثابت ہونے اور زندگانی کے آثار اور احکام کے ان پر جاری ہونے پر کسی عالم کو اختلاف نہیں ہے، لیکن انبیاءؑ کے قبر میں ہونے اور اس خاص جگہ میں انکے قیام پذیر ہونے میں بعض علماء نے اختلاف کیا ہے، محققین علماء شافعیہ میں سے شیخ علاؤ الدین قونوی فرماتے ہیں، کہ جو بات مجھے معلوم ہوتی ہے یہ ہے، کہ یہ اعتقاد رکھنا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور وہ اپنی قبروں میں اسیطرح موجود ہیں جس طرح وفات سے پہلے تھے، اور یہ کہ وہ اسی طرح اب بھی اپنی قبروں میں قرار پا رہے ہیں، یہ ان ظنی مسائل میں سے نہیں ہیں، جن میں ظنی اور غیر قطعی دلائل پر اکتفا کی جاسکے، اور جو کچھ عینی مشاہدہ سے ثابت ہے. یہ ہے، کہ جو زندگی انہیں وفات سے پہلے حاصل تھی، وہ اب زوال پذیر اور فانی ہو چکی ہے، اور یہ دعویٰ کرنا کہ وہی زندگی لوٹ آئی ہے، اس پر قطعی دلیل، روشن حجت ہونی چاہیئے تاکہ ہم اس کے معتقد ہو سکیں، اس کے باوجود ہمارا اعتقاد ہے، کہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں، اور وہ زندگی اس متعارف زندگی کے مقابلہ میں اشرف و اعلیٰ اور اکمل ہے اور ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہیں، اور یہ حالت اس حالت کی نسبت کہ آپ کو قبر میں مقیم سمجھیں افضل و اکمل ہے، اگرچہ حدیث نبوی کے تقاضا کے مطابق مومن کی قبر میں اس قدر وسعت کی جاتی ہے، جس قدر کہ آنکھ کام کر سکے، پھر سرور انبیاءؑ کی قبر کی بحث کا تو کیا کہنا، لیکن پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت اعلیٰ میں ہونا جس کا عرض آسمانوں اور زمینوں جتنا ہے، یقیناً اس سے اعلیٰ و اکمل ہے، پھر حدیث میں بھی آیا ہے، چالیس روز کے بعد انبیاءؑ کو ان کی قبروں میں نہیں رہنے دیا جاتا ہے اور وہ قیامت تک پروردگار کے سامنے نماز پڑھتے رہیں گے، یہ بھی حدیث میں آیا ہے، کہ میں اپنے پروردگار کے نزدیک اس سے بالا و بلند ہوں، کہ تین دن سے زیادہ مجھے قبر میں رہنے دیا جائے، لہذا ظاہر ہو گیا، کہ قطعی طور پر یہ کہنا کہ انبیاءؑ اب بھی قبر میں اسی زندگی کو لئے ہوئے مقیم ہیں اور رہیں گے، جیسا کہ وفات سے پہلے تھے مشکل ہے، اب رہا یہ سوال کہ موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا گیا۔ تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بدستور وہیں رہے، جبکہ حدیث میں آیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات آسمانوں میں ان سے اور دیگر انبیاء علیہم الصلوات سے ہوئی، لہذا دونوں حدیثوں میں تطبیق یوں ہوگی، کہ آسمانوں میں ہونے کے باوجود انبیاء علیہم الصلوات کبھی دیگر جگہوں میں بھی چلے جاتے ہیں، مثلاً قبر وغیرہ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ہمیشہ قبر میں رہیں، یہ قونوی کا بیان ہے، اس کے بیان سے یوں معلوم ہوتا ہے، کہ ان کو تردد صرف اس بات میں ہے کہ انبیاء ہمیشہ قبروں میں رہتے ہیں، مگر انہوں نے اصل مدعا کو تسلیم کیا ہے، یعنی یہ کہ انبیاء اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں، اس لئے کہ یہ بات تو دلیل قطعی یعنی نص قرآنی سے ثابت ہے، چنانچہ وہ خود مذکورہ بالا بیان کے بعد لکھتے ہیں،

مگر اس معہود اور متعارف زندگی کے علاوہ جو انسانی نگاہ اور عادت میں غذا کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، کسی اور زندگی کے ثابت کرنے میں ہمیں نہ کوئی نزاع ہے، نہ تردد، لہذا اختلاف صرف اس بات میں ہوا کہ انبیاءؑ ہمیشہ

قبروں میں اسی زندگی کو لئے ہوئے رہتے ہیں، جو وفات سے پہلے انہیں حاصل تھی لیکن ہمیں اس پر کلام ہے، اگر غور سے منیں تو شاید مقبول ہو جائے۔ اور وہ یہ ہے، کہ قطعی دلیل کے ساتھ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی زندگی ثابت ہو جانے کے بعد اور جیسا کہ انہوں نے اعتراف کیا ہے، جانبین میں سے کسی ایک جانب کا قطعی فیصلہ نہ دیتے ہوئے نہ قبر میں ہمیشہ رہنے کے متعلق جیسا کہ انہوں نے ذکر کیا ہے، اور ان دو حدیثوں سے اپنے بیان کی تائید کی ہے،

اَلْاَنْبِیَاءُ لَا یُتْرَکُوْنَ وَاَنَا اَکْرَمُ عَلٰی رَبِّیْ،

اور نہ عدم استمرار کے متعلق کیونکہ حدیث میں آیا ہے، اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِہِمْ یُصَلُّوْنَ۔

اور موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھنا بھی ثابت ہے، کیونکہ جب تعارض پیدا ہو جائے، تو دونوں ساقط ہو جاتی ہیں، اس میں قطعاً شک نہیں، کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارک قبروں میں پڑے ہوئے دیکھے گئے ہیں، اور اصل بات یہی ہے، کہ وہ اپنے حال پر باقی ہیں، اور جب تک کوئی قطعی دلیل اس کے خلاف قائم نہ ہو جائے وہ اس حالت سے منتقل نہیں ہوئے، اور دلیل قائم ہوئی نہیں، لہذا ثابت ہوا کہ جس زندگی کو ہم قطعی طور پر ثابت کر چکے ہیں، وہ قبروں میں ہی ہوگی، نہ کہ آسمانوں میں، واللہ اعلم،

محققین اہل حدیث اور شارحین حدیث کا خیال ہے، کہ حدیث اَلْاَنْبِیَاءُ لَا یُتْرَکُوْنَ اور اسی طرح حدیث اَنَا اَکْرَمُ عَلٰی رَبِّیْ اِلٰی آخِرِہٖ، درجہ صحت کو نہیں پہنچیں اور ثابت نہیں ہوئیں، اور ان کے راویوں میں کوئی نہ کوئی راوی ایسا ہے جس کا حافظہ کمزور ہے، اور یا کوئی اس سے بھی بڑھکر عیب پایا جاتا ہے، اگر ان دونوں حدیثوں کو صحیح...... مان بھی لیا جائے، تو ان کی تاویل یہ ہوگی، کہ یہاں مراد یہ ہے، کہ انہیں عمل اور عبادت میں مشغولیت کے بغیر نہیں رہنے دیا جاتا، اور وہ اس موت کے گذر جانے کے بعد بھی قبر میں نماز اور عبادت خداوندی میں مشغول ہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں یہاں تک آیا ہے، کہ میرے سوا کوئی پیغمبر نہیں، جسے تین دن کے بعد قبر سے نہ اٹھا لیا گیا ہو، اس لئے کہ میں نے خدا سے درخواست کی ہے، کہ مجھے قیامت تک اپنی امت میں ہی رہتے دیا جائے، تاکہ وہ بفرمان :۔

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمْ وَاَنْتَ فِیْہِمْ

بلا اور عذاب کے نازل ہونے سے محفوظ رہیں، اس حدیث کے مطابق ہو سکتا ہے، کہ قبر میں ہمیشہ کے لئے حقیقی زندگی کے ساتھ رہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو، اور باقی انبیاء کیلئے در اصل وہی زندگی ہو۔ جو اللہ کے ہاں ہے واللہ اعلم،

روایت ہے کہ جب حضرت عثمان بن عفان کا محاصرہ کیا گیا، تو بعض صحابہؓ نے کہا کہ مناسب ہے کہ آپ اہل شام کے پاس چلے جائیں تاکہ اس مصیبت سے آپ کو نجات ملے، آپ نے جواب میں فرمایا۔ کہ میں ہرگز مناسب نہیں سمجھتا، کہ دار ہجرت سے چلا جاؤں، اور رسول اللہ کا پڑوس چھوڑ دوں،

سعید بن مسیب کا واقعہ مشہور ہے۔ کہ انہوں نے ایام حرہ میں تین دن حجرہ شریف سے اذان کی آواز سنی جبکہ لوگ مسجد نبوی کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

قونوی نے بہ نسبت اس کے کہ آپ قبر شریف میں ہوں، اس بات کو ترجیح دی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہشت عالی

میں ہوں، اس کا جواب یہ ہے کہ عام مومنین کی قبر میں جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہیں، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ریاض جنت کی افضل ترین کیاری قرار پائی اور ہو سکتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں ایسا تصرف اور حالت عطا کی گئی ہو، کہ سموٰت، ارض اور جنت سے حجاب اٹھ گیا ہو، بدوں اس کے کہ آپ اپنے مقام سے تجاوز کریں، یا منتقل ہوں، اس لئے کہ امور آخرت اور احوال برزخ کا قیاس دنیا کے احوال سے نہیں کیا جا سکتا۔ قونوی نے موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں آسمانوں میں دیکھنے کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے جو کہا ہے، کہ باوجود اس کہ انبیاء کا قیام آسمان میں ہے۔ مگر بعض اوقات اتر کر قبروں میں چلے آتے ہیں لیکن جو لوگ اس بات کے قائل ہیں، کہ ان کا قیام قبر میں ہوتا ہے، وہ اس کے برعکس کہتے ہیں، کہ باوجود اس کہ ان کا قیام قبر میں ہوتا ہے مگر بعض اوقات اپنی قوت نفوذ کی وجہ سے آسمانوں میں بھی منتقل ہو جاتے ہیں، یا یوں کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں سے گذرتے ہوئے انبیاء کو قبروں میں اس ترتیب سے دیکھنا جس کا ذکر احادیث میں آیا ہے، یعنی مثلاً چھٹے آسمان پر فاعل کی حالت کو بیان کرتا ہے نہ کہ مفعول کی لہٰذا (شب معراج) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان چہارم پر پہنچنا آپ کی صفت ہوئی نہ کہ انبیاء کی اگرچہ یہ تاویل ظاہری معنوں کے مخالف ہے،

شیخ ابن ابی جمرہ بہجہ میں کہتے ہیں۔ کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ وسلم کا دیگر انبیاء کو آسمانوں میں دیکھنا کئی طرح سے ہو سکتا ہے، ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں کے ان مقامات سے جن کا ذکر کیا ہے، انبیاء علیہم الصلوات کو اس حالت میں دیکھا جس کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ قوت بصر و بصیرت عطا کی ہو جس سے آپ اس حالت کا ادراک کر سکیں۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح آپ نے فرمایا ہے،

رَأَيْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فِي عَرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ،

(میں نے جنت اور دوزخ کو اس دیوار کی پہنائی میں دیکھا)

اس کے دو احتمال ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت نے اپنی جگہ سے ہی جنت اور دوزخ کو دیکھ لیا ہو، جیسا کہ کہتے ہیں، کہ میں نے اپنے گھر کی طاق سے چاند دیکھ لیا، یا یہ کہ جنت اور دوزخ کی صورت دیوار کی پہنائی میں پیش کر دی گئی ہو، اور اللہ تعالیٰ ہر دو پر قادر ہے،

انبیاء کو آسمانوں میں دیکھنے کی دوسری وجہ یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ارواح کو ان کی صورتوں میں متشکل دیکھا ہو، تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کے لئے زمین سے اٹھا کر وہاں لے گیا ہو تاکہ آنحضرت کو ان کی وجہ سے انس محسوس ہو، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اور بات حاصل ہو جس کا علم ہمیں نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی قدرت ظاہر کریں، ان تمام وجوہ کا احتمال ہو سکتا ہے، کسی ایک وجہ کو دوسری پر ترجیح نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہر چیز کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ (انتہی)

ان امور میں سے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں موجود ہیں، سلطان نور الدین شہید کا

واقعہ ہے، کہ ۵۵۵ھ میں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات میں تین بار خواب میں دیکھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نور الدین کو ان دو نصرانیوں کے متعلق خبر دی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق برا ارادہ رکھتے تھے، اس پر سلطان نور الدین ایک ہزار آدمی لیکر مدینہ طیبہ پہنچا تھا، اور اس نے ان دو نصرانیوں کو معلوم کر لیا تھا، اور ان دونوں کو جلا دیا تھا، پھر حجرہ شریف کے گرد خندق کھود کر اس میں پگھلا ہوا سکہ ڈالا گیا تھا، ہم نے اس کی تفصیل مسجد نبوی کے فضائل میں بیان کر دی ہے۔ تمام مؤرخین مدینہ نے مثلاً جمال الدین مطری و مجد الدین فیروزآبادی وغیرہ علماء نے اس قصہ کا ذکر کیا ہے، اور اسے صحیح قرار دیا ہے، امام عبداللہ یافعی نے سلطان نور الدین کے حالات میں لکھا ہے، کہ بعض عارفین کا کہنا ہے، کہ سلطان نور الدین کا شمار اولیاء اربعین (ابدال) میں ہوتا ہے، اور اس کے نائب صلاح الدین کا شمار تین سو (اوتاد) میں۔

ابن اثیر کہتے ہیں کہ میں نے اسلام سے پہلے کے اور بعد کے بادشاہوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا اور میں نے خلفائے راشدین اور عمر بن عبدالعزیز کو چھوڑ کر کسی بادشاہ کو نور الدین سے بہتر سیرت والا نہیں پایا تعجب ہوتا ہے کہ ابن اثیر نے اس مشہور واقعہ کا ذکر نور الدین کے حالات میں نہیں کیا۔ (واللہ اعلم)

قونوی نے اسباب میں تردد کرنے کے بعد کہ انبیاء قبروں میں موجود ہیں لکھا ہے، کہ یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے، کہ انبیاء کی توجہ قبروں کی طرف سے منقطع ہو چکی ہے، اور ان کا تعلق اٹھ چکا ہے، بلکہ ان کے اور ان کی قبروں کے درمیان ایک خاص دائمی اور منقطع نہ ہونے والا تعلق ثابت ہے، جو دوسری جگہوں کے ساتھ نہیں ہو سکتا، اسیطرح تمام مومنین کی ارواح اور ان کی قبروں کے درمیان ایک دائمی تعلق قائم ہے جس سے میت زیارت کنندہ کو پہچانتی اور اس کے سلام کا جواب دیتی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے لئے قبروں کی زیارت کو جانا مستحب قرار دیا گیا ہے، خواہ کسی وقت کیوں نہ ہو، قونوی نے اس کے بعد اس کے متعلق بہت سی احادیث بیان کی ہیں جن سے معلوم ہے کہ اموات کو ادراک اور سماع کی قوت حاصل ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں، کہ سمع کے لئے زندگی کا ہونا ضروری ہے، لہذا سب زندہ ہیں، مگر ان کی زندگی بمقابلہ شہداء کی زندگی کے ادنیٰ درجہ کی ہے، اور انبیاء کی زندگی شہداء کی زندگی کے مقابلہ میں زیادہ کامل ہے، اس سلسلہ میں تحقیقی بات جسے جمہور علماء نے اختیار کیا ہے، یہی ہے جسے اس نے تاج الدین سبکی سے نقل کیا ہے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال والیہ المرجع والمآل،

فصل

جب اس مقصد کی تحقیق میں ہم نے مفصل بحث کر دی، تو اب یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ ہم اس بارے میں کچھ اور بحثیں بھی تحریر کر دیں، ومن اللہ التوفیق،

بحث اول

الا رد اللہ علی روحی والی حدیث میں جیسا کہ عام مشہور ہے، اشکال پایا جاتا ہے، اشکال یہ ہے۔ کہ

"رَدَّ رُوحٖ" کے الفاظ اور جب کوئی امت میں سے سلام کرے تو اس کا بدن میں لوٹایا جانا تو اسبات پر دلالت کرتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دائمی نہیں، اس لئے کہ اگر زندگی دائمی ہوتی تو سلام کے وقت "رَدَّ رُوحٖ" کا کوئی مطلب نہ ہوتا، کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ سلام کے وقت رُوح از سرِ نو لوٹائی جاتی ہے، تاکہ آپ سلام کا جواب دے سکیں،

بزرگوں نے اس اشکال کا جواب کئی طرح سے دیا ہے۔

(۱) حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے رُوح لوٹا دی ہوئی ہوتی ہے تاکہ سلام کا جواب دے سکوں، مگر یہاں علم نحو کے طالب علم کو اعتراض ہے کیونکہ حال کا زمان فعل سے متصل ہونا ضروری ہے، جس صورت میں معنی یوں ہوں گے۔ رَدّ و اعادۂ رُوح کا وقت سلام کرنے کے وقت کے قریب ہوگا، اس سے پہلے نہ ہوگا۔ اس میں بھی بحث کی ضرورت ہے،

(۲) رَدِّ رُوح سے مراد حسی رَدّ مراد نہیں، کہ رُوح کا جسم میں لوٹایا جانا مراد لیا جائے، بلکہ مراد یہ ہے کہ رُوحِ اطہر واقدس بارگاہِ ربّ العزت میں ملأ اعلیٰ کے مشاہدہ میں مشغول و مستغرق ہے وہاں سے کچھ افاقہ ہوتا ہے، تو آپ اس دنیا کی طرف توجہ دیتے ہیں، تاکہ سلام کا جواب دے سکیں، بالفاظ دیگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دائرۂ بشریت کیطرف معنوی توجہ اور روحانی نزول حاصل ہوتا ہے، تاکہ آپ اپنی امت کے سلام کا جواب دے سکیں،

بعض کہتے ہیں، کہ یہاں ظاہر پرست لوگوں کے فہم کے مطابق خطاب ہوا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک رُوح کے لوٹائے جانے کے بغیر مُردے نہ سمجھ سکتے ہیں، نہ پہچان سکتے ہیں، اس کا ماحصل یہ ہے، کہ یہاں کنایۃً مکمل طور پر سماع و جواب مراد لیا گیا ہے،

اس کے باوجود اگر رَدِّ رُوح کے ظاہری معنی ہی مراد لئے جائیں تو اس سے بھی رُوح شریف کا جسم میں ہمیشہ کے لئے ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ جب پہلے شخص کے سلام کرنے سے آپ کی رُوح مبارک جسم اقدس میں لوٹ آئی تو پھر بغیر دلیل کے یہ اعتقاد رکھ لینا کہ روح قبض ہوئی ہو معقول بات نہیں، ورنہ لازم آئیگا کہ لاتعداد اور ان گنت موتیں آپ پر متواتر وارد ہوتی رہیں، حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں، اور نہ ہی کوئی عقلمند یہ سمجھ سکتا ہے، کیونکہ اس میں تو ایک قسم کا عذاب پایا جاتا ہے، نیز یہ کہ کوئی ساعت ایسی نہیں، کہ امت میں سے کوئی نہ کوئی آپؐ پر سلام نہ کہہ رہا ہو، لہٰذا لازم آیا، کہ آپ دائمی طور پر زندہ ہیں اور دائمی طور پر سلام کا جواب دیتے رہتے ہیں،

شیخ مجد الدین شیرازی فرماتے ہیں، کہ حدیث میں "علیّ" کا لفظ لانا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ آپؐ کی ہویت اور انانیت ثابت ہے، اور آپؐ پر واردات کا نزول ہوتا رہتا ہے لہٰذا رَدِّ روح سے مراد اصل حیات کا وجود ثابت ہوتے ہوئے ایک خاص وضع اور حالت کا تجدد ہے، البتہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے رَدَّ رُوحِيْ فِيْ اَوْ فِيْ جَسَدِيْ تو مفہوم الٹ ہو جاتا، فلیفہم،

بحث ثانی

سوال پیدا ہوتا ہے، کہ موسیٰ علیہ السّلام کا قبر میں نماز پڑھنا، اسی طرح انبیاء کا معراج کی رات نماز پڑھنا، موسیٰ علیہ السلام کا حج کے لئے آنا اور تلبیہ کہنا، چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے، کہ گویا میں موسیٰ علیہ السّلام کو تلبیہ گریاں گھاٹی سے نیچے اترتے

دیکھ رہا ہوں، اسی طرح فرمایا۔ میں گویا یونس علیہ السلام کو تلبیہ کہتے ہوئے دیکھ رہا ہوں وغیرہ کا کیا مطلب، حالانکہ نماز اور دیگر عبادات دنیا میں سے ہیں، اور دنیا دار تکلیف و امتحان و کشش ہے، اور آخرت میں نہ تکلیف ہے نہ امر و نہی،

اس سوال کا جواب بھی کئی طرح پر دیا گیا ہے۔

پہلے یہ کہ صلوٰۃ سے مراد دعا ہے، اور دعا اعمال آخرت میں سے ہے۔

دوسرے یہ کہ انبیاء شہداء سے افضل ہیں، اور شہداء اللہ کے نزدیک زندہ ہیں، لہٰذا اگر وہ حج کریں اور نماز پڑھیں تو کوئی بعید بات نہ ہوگی۔

تیسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وہ حالت دکھائی گئی ہے، جو دنیا میں تھی، اسی لئے تو آپ نے فرمایا

وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى مُوسَىٰ ! وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى يُونُسَ ،

بعض کہتے ہیں کہ برزخ پر بھی احکام دنیاوی جاری ہو سکتے ہیں، اور یہ اعمال اور اجر میں زیادتی کے منافی نہیں، آخرت میں کہیں جا کر اعمال منقطع ہوں گے، مزید برآں آخرت میں بھی وہ اعمال منقطع ہوں گے جو بطور امتحان اور تکلیف کے ہوں گے، اور اگر تکلیف کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے لذت حاصل کرنے اور خشوع کے لئے اعمال کئے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے وقت سجدہ کریں گے، اور عبادت اور عمل کے سوا سجدہ کا کیا مطلب ہو سکتا ہے، یہاں سے سمجھ لیں کہ آنحضرت کا فرمان "كَأَنِّي أَنْظُرُ" میں تشبیہ سے کیا مراد ہوگی،

بعض کہتے ہیں کہ یہ خواب کی بات ہے، جو آنحضرت نے ذکر فرمائی، چنانچہ ابن عمر کی روایت میں ہے، کہ آنحضرت نے فرمایا۔ ایک مرتبہ میں سویا ہوا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا ہوں، اور خواب کی دیکھی ہوئی چیز کا بھی وہی حکم ہے، جو آنکھوں دیکھی اشیاء کا،

بعض کہتے ہیں کہ ان احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کے ان احوال کی اطلاع دی ہے، جو بذریعہ وحی آپ کو بتائے گئے تھے، آنحضرت نے کمال یقین کے سبب انہیں ایسا خیال کیا۔ جیسا کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، لہٰذا اسے "رویت" سے تعبیر کیا ہو۔

شیخ علاء الدین قونوی فرماتے ہیں۔ کہ بعید نہیں کہ انبیاء کی ارواح جسم سے جدا ہونے کے بعد ملائکہ کی طرح ہوں، بلکہ ان سے بھی افضل چنانچہ جس طرح فرشتے مختلف صورت اختیار کر لیتے ہیں، اسی طرح انبیاء کی ارواح مختلف صورتیں اختیار کر سکتی ہیں، یہ ممکن ہے، کہ اس قسم کا تصرف اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو زندگی ہی میں عطا کر رکھا ہو، اور ایک ہی روح اپنے معہود جسم کے علاوہ متعدد بدنوں میں تصرف کرتی ہو، چنانچہ بعض محققین نے ابدال کی وجہ تسمیہ میں ذکر کیا ہے، کہ ابدال کسی جگہ چلے جاتے ہیں، اور پہلی جگہ اپنی مثال اپنے عوض چھوڑ جاتے ہیں، اور بڑے بڑے صوفیہ نے عالم اجساد اور عالم ارواح کے درمیان ایک اور عالم ثابت کیا ہے، جسے عالم مثال کہتے ہیں، یہ عالم عالم اجساد کے مقابلہ میں زیادہ لطیف اور عالم ارواح کے مقابلہ میں زیادہ کثیف ہوتا ہے، انہوں نے مختلف صورتوں میں ارواح کے ظاہر ہونے کی بنیاد اسی پر رکھی ہے،

جبرائیل علیہ السلام کا دحیہ کلبی کی صورت میں ظاہر ہونا۔ اور جبرئیل کا مریم علیہا السلام کے سامنے "سَوِیَّ الْخَلْقِ" انسان کی صورت میں آنا اسی عالم میں سے خیال کیا گیا ہے، اس بناء پر ہو سکتا ہے، کہ موسیٰ علیہ السلام باوجود اس کے کہ چھٹے آسمان پر ہیں اپنے مثالی جسم کے ساتھ قبر میں ہوں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان دونوں جگہوں پر دیکھا ہو، عالم مثال ثابت ہو جانے کے بعد بہت سے مسائل کا جواب نکل آتا ہے، اور بہت سے اشکالات حل ہو جاتے ہیں، مثلاً جنت و دوزخ کی وسعت کا بیان، اور ان کا دیوار کی پہنائی میں دیکھنا، یہاں پر شیخ قونوی کا بیان ختم ہوتا ہے

در حقیقت حیاتِ انبیاء کے مسئلہ کی تحقیق اسی عالم کے جاننے پر موقوف ہے، اور موسیٰ علیہ السلام اور یونس علیہ السلام کے دیکھنے کی تحقیق کا دارومدار اسبات کے جاننے پر ہے، کہ روحانیات کا زمان و مکان کیا ہے اور جسمانیات کے زمان و مکان سے انکا کسطرح امتیاز ہو سکتا ہے جیسا کہ صوفیہ نے کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس عالم میں زمانہ کی تقسیم باعتبار ماضی حال اور مستقبل کے نہیں، اور مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام کی حالت اور موسیٰ علیہ السلام کا دریائے نیل کو عبور کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی حالت ایک جیسی ہے، لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں حج کے لئے آتے ہوئے اور تلبیہ کہتے ہوئے دیکھنا درحقیقت وہی حالت ہے جو در اصل ان کی زندگی میں حج کرنے اور تلبیہ کہنے کے وقت تھی، اس حالت کی حقیقت کو سمجھنا بہت بلند و اعلیٰ ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ ہم یہ کہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مثالی صورت میں دیکھا تھا،

چونکہ ان بحثوں کو طول دینا ہمیں اصل مقصد سے دور لے جائیگا، لہذا ہم اسیقدر پر اکتفا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم

حیاتُ الانبیاء

صَلَوَاتُ اللہ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن

لِلامام الحافظ الحجۃ ابی بکر احمد بن الحسین البیہقی المتوفی سنۃ ۴۵۸ھ رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اخبرنا الشیخ الامام زین الاسلام ابو نصر عبد الرحیم بن عبد الکریم ابن ہوازن القشیری رضی اللہ عنہ فی کتابہ الینا من نیسابور

قال اخبرنا الشیخ الامام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ قراءۃ علیہ و انا اسمع فی ربیع الآخر من سنۃ خمس واربعین و اربعمائۃ

واخبرنا الشیخ الامام الحافظ ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن حبیب العامری أیدہ اللہ قال أنبانا شیخ القضاۃ ابو علی اسمٰعیل بن احمد بن الحسین البیہقی فیما قرأت علیہ أنبأ الامام والدی شیخ السنۃ رحمہ اللہ قال: الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین وصلاتہ علی سیدنا محمد و آلہ اجمعین، ذکر ما روی فی حیاۃ الانبیاء صلوات اللہ علیہم بعد وفاتہم

اخبرنا ابو سعید احمد بن محمد بن الخلیل الصوفی رحمہ اللہ قال: أنبأنا ابو احمد عبد اللہ بن عدی الحافظ قال ثنا قسطنطین بن عبد اللہ الرومی قال ثنا الحسین بن عرفۃ قال حدثنی الحسن بن قتیبۃ المدائنی ثنا المستلم بن سعید الثقفی عن الحجاج بن الاسود عن ثابت البنانی عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون،

ھذا حدیث یعد فی افراد الحسن بن قتیبۃ المدائنی، وقد روی عن یحیی بن ابی بکر عن المستلم بن سعید، وھو فیما اخبرنا الثقۃ من اھل العلم قال أنبأنا ابو عمرو بن حمدان قال أنبأ ابو یعلی الموصلی ثنا ابو الجہم الازرق بن علی ثنا یحیی بن ابی بکر ثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

الانبیاء أحیاءٌ فی قبورہم یصلون

وقد روی من وجہ آخر عن انس بن مالک مرفوعاً : اخبرنا ابو عثمان الامام رحمۃ اللہ أنبأ زاھر بن احمد أنبأ ابو جعفر محمد بن معاذ الماليني ثنا الحسين بن الحسن ثنا مؤمل ثنا عبيد الله بن ابی حميد الهذلی عن ابی المليح عن انس بن مالك

الانبياء فی قبورهم احياء يصلون

وروی كما اخبرنا ابو عبد الله الحافظ ثنا ابو حامد احمد بن علی الحسنوی املاء ثنا ابو عبد الله محمد بن العباس الحمصی ثنا ابو الربيع الزهرانی ثنا اسمٰعيل بن طلحه بن يزيد عن محمد بن عبد الرحمن بن ابی ليلی عن ثابت عن انس عن النبی صلی الله عليه وسلم قال :-

ان الانبياء لا يتركون فی قبورهم بعد اربعين ليلة ولكنهم يصلون بين يدی الله عز جل حتی ينفخ فی الصور ،

وهذا ان صح بهذا اللفظ فالمراد به والله اعلم لا يتركون يصلون الا هذا المقدار ثم يكونون مصلين فيما بين يدی الله عز وجل كما روينا فی الحديث الاول ، وقد يحتمل ان يكون المراد به رفع اجسادهم مع ارواحهم ، فقد روی سفيان الثوری فی الجامع قال قال شيخ لنا عن سعيد بن المسيب قال :-

مامكث نبی فی قبره اكثر من اربعين ليلة حتی يرفع ،

فعلى هذا يصيرون كسائر الاحياء يكونون حيث ينزلهم الله عز وجل ، كما روينا فی حديث المعراج وغيره ان النبی صلی الله عليه وسلم رأی موسی عليه السلام قائماً يصلی فی قبره ثم رآه مع سائر الانبياء عليهم السلام فی بيت المقدس ثم رآهم فی السموات والله تبارك وتعالى فعال لما يريد ،

ولحياة الانبياء بعد موتهم صلوات الله عليهم شواهد من الاحاديث الصحيحة منها ما اخبرنا ابو الحسين علی بن محمد بن عبد الله بن البشران ببغداد أنبأ اسمٰعيل بن محمد الصفار ثنا محمد بن عبد الملك الدقيقی ، ثنا يزيد بن هرون ثنا سليمان التيمی عن انس بن مالك ان بعض اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم اخبره ان النبی صلی الله عليه وسلم ليلة اسری به مر علی موسی عليه السلام وهو يصلی فی قبره ،

واخبرنا ابو الحسين بن بشران أنبأ اسمٰعيل أنبأ احمد بن منصور بن سيار الرمادی ، ثنا يزيد بن ابی حكيم ثنا سفيان يعنی الثوری ثنا سليمان التيمی عن انس بن مالك قال قال رسول ..... الله صلی الله عليه وسلم ،

مررت علی موسی وهو قائم يصلی فی قبره

اخبرنا ابو عبد الله الحافظ ثنا ابو العباس محمد بن يعقوب ثنا محمد بن عبد الله بن المنادي
ثنا يونس بن محمد المؤدب ثنا حماد بن سلمة ثنا سليمان التيمي وثابت البناني عن انس بن
مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :

أتيت موسى ليلة اسري بي عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره

اخرجه ابو الحسين مسلم بن الحجاج النيسابوري رحمه الله من حديث حماد بن سلمة تحتهما
واخرجه من حديث الثوري وعيسى بن يونس وجرير بن عبد الحميد عن التيمي

اخبرنا احمد علي الحربي ثنا حاجب بن احمد ثنا محمد بن يحيى ثنا احمد بن خالد الوهبي
ثنا عبد العزيز بن ابي سلمة عن عبد الله بن الفضل الهاشمي عن ابي سلمة بن عبد الرحمن عن ابي هريرة قال
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :

ولقد رأيتني في الحجر وأنا اخبر قريشا عن مسراي فسألوني عن أشياء من
بيت المقدس لم أثبتها فكربت كربا ما كربت مثله قط فرفعه الله لي انظر
اليه ما يسئلوني عن شيء الا أنبأتهم به وقد رأيتني في جماعة من الانبياء فاذا
موسى قائم يصلي ، فاذا رجل ضرب جعد كانه من رجال شنوءة واذا عيسى
بن مريم قائم يصلي أقرب الناس به شبها عروة بن مسعود الثقفي واذا ابراهيم
قائم يصلي أشبه الناس به صاحبكم ، يعني نفسه - فحانت الصلوة فأممتهم فلما
فرغت من الصلوة قال لي قائل يا محمد هذا مالك صاحب النار فسلم عليه
فالتفت اليه فبدأني بالسلام ،

اخرجه مسلم في الصحيح من حديث عبد العزيز ، وفي حديث سعيد بن المسيب وغيره انه
لقيهم في مسجد بيت المقدس ، وفي حديث ابي ذر ومالك بن صعصعة في قصة المعراج انه
لقيهم في جماعة الانبياء في السموات وكلمهم وكلموه وكل ذلك صحيح لا يخالف بعضه بعضا
فقد يرى موسى عليه السلام قائما يصلي في قبره ثم يسرى بموسى وغيره الى بيت المقدس كما
اسرى بنبينا صلى الله عليه وسلم فيراهم فيه ، ثم يعرج بهم الى السموات كما عرج بنبينا
صلى الله عليه وسلم فيراهم فيها كما اخبر وصلاتهم في اوقات بمواضع مختلفات جائز في
العقل كما ورد بها خبر الصادق وفي كل ذلك دلالة على حياتهم ،

ومما يدل على ذلك ما اخبرنا محمد بن عبد الله الحافظ ثنا ابو العباس محمد بن يعقوب ، ثنا
ابو جعفر احمد بن عبد الحميد الحارثي ، ثنا الحسين بن علي الجعفي ثنا عبد الرحمن بن يزيد ابن جابر
عن ابي الاشعث الصنعاني عن أوس بن أوس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم -

افضل ایامکم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا
علی من الصلوٰۃ فیہ فان صلاتکم معروضۃ علیّ قالوا وکیف تعرض صلاتنا علیک و
قد ارمت ، یقولون بلیت ، فقال :- انّ اللہ قد حرّم علی الارض انّ تاکل اجساد
الانبیاء ، علیہم السلام

اخرجہ ابوداؤد السجستانی فی کتاب السنن ولہٗ شواھد ،

منہا ما اخبرنا ابوعبداللہ الحافظ ثنا ابوبکرابن اسحٰق الفقیہ ثنا احمد بن علی الدینار ثنا
احمد بن عبدالرحمن بن بکار الدمشقی ثنا الولید بن مسلم حدثنی ابن رافع عبد سعید المقبری
من ابی مسعود الانصاری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال :-

اکثروا الصلاۃ علیّ فی یوم الجمعۃ فانہ لیس احد یصلی علی یوم الجمعۃ الّا عرضت
علی صلاتہٗ ،

قال ابوعبداللہ رحمہ اللہ ابن رافع ھذا ھو اسمعیل بن رافع واخبرنا علی بن احمد عبدان
الکاتب ثنا احمد بن عبید الصفار ثنا الحسن بن سعید ثنا ابراہیم بن الحجاج ثنا حماد ابن سلمۃ
عن یزید بن سنان عن مکحول الشامی عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :-

اکثروا علیّ من الصلاۃ فی کل یوم الجمعۃ فان صلاۃ امتی تعرض علیّ فی کل یوم جمعۃ
فمن کان اکثرھم علیّ صلاۃ کان اقربہم منی منزلۃ ،

واخبرنا ابوالحسن علی بن محمد بن علی السقاء الاسفرائنی قال حدثنی والدی ابوعلی ثنا ابورافع اسامۃ
بن علی بن سعید الرازی بمصر ، ثنا محمد بن اسمٰعیل بن سالم الصائغ حدثنا حکامۃ بنت
عثمان بن دینار اخی مالک بن دینار قالت حدثنی ابی عثمان بن دینار عن اخیہ مالک بن دینار
عن انس بن مالک خادم النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ،

ان اقربکم منی یوم القیامۃ فی کل موطن اکثرکم علیّ صلاۃ فی الدنیا من صلیّ علیّ
فی یوم الجمعۃ قضی اللہ لہٗ مائۃ حاجۃ سبعین من حوائج الاخرۃ وثلاثین من
حوائج الدنیا یوکل اللہ بذلک ملکاً یدخلہ فی قبری کما یدخل علیکم الھدایا
یخبرنی من صلی علیّ باسمہ ونسبہ الی عشیرتہ فاثبتہ عندی فی صحیفۃ بیضاء ،

وفی ھذا المعنی الحدیث الذی اخبرنا ابوعلی الحسین بن محمد الرودباری (الروذباری؟)
انبأ ابوبکر بن داسۃ ثنا ابوداؤد ثنا احمد بن صالح قال قرأت علی عبداللہ بن نافع قال اخبرنی
ابن ابی ذئب عن سعید المقبری عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،-

لاتجعلوا بیوتکم قبوراً ولاتجعلوا قبری عیداً وصلّوا علیّ فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم ،

دفی هذا المعنی الحدیث الذی اخبرنا ابو محمد عبد اللہ بن یحیی بن عبد الجبار السکری
ببغداد ثنا اسمعیل بن محمد الصفار ثنا عباس بن عبد اللہ الترقفی ثنا ابو عبد الرحمن المقری ثنا حیوۃ
بن شریح عن ابی صخر عن یزید بن عبد اللہ بن قسیط عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال :- ما من احد یسلم علیّ الا ردّ اللہ الیّ روحی حتی اُرد علیہ السلام
وانما اراد واللہ اعلم وقد رد اللہ الیّ روحی حتی ارد علیہ السلام وفی هذا المعنی الحدیث الذی
اخبرنا ابو القاسم علی بن الحسن بن علی الطھمانی ثنا ابو الحسن محمد بن محمد الکارزی ثنا علی بن عبد العزیز
ثنا ابو نعیم ثنا سفیان عن عبد اللہ بن السائب عن زاذان عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم :-

انّ للہ عز وجل ملائکۃً سیاحین فی الارض یبلغونی عن اُمتی السلام ،

واخبرنا ابو الحسین بن بشران وابو القاسم عبد الرحمن بن عبید اللہ الحرفی قالا انبأ حمزۃ بن محمد
بن العباس ثنا احمد بن الولید ثنا ابو احمد الزبیری ثنا اسرائیل عن ابی یحیی عن مجاهد عن
ابن عباس قال :-

لیس احد من اُمّۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یصلی علیہ صلاۃ الا وهی تبلغه
یقول له الملک فلان یصلی علیک کذا وکذا صلاۃً ،

اخبرنا علی بن محمد بن بشران انبأ ابو جعفر الرازی ثنا عیسی بن عبد اللہ الطیالسی ثنا
العلاء بن عمرو الحنفی ثنا ابو عبد الرحمن عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی هریرۃ عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم قال :-

من صلی علیّ عند قبری سمعته ومن صلی علیّ نائیاً منه اُبلغته ،

ابو عبد الرحمن هذا هو محمد بن مروان السدی فیما اری وفیه نظر وقد مضی ما یؤکده
واخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ انبأ ابو عبد اللہ الصفار ثنا ابو بکر بن ابی الدنیا حدثنی سوید
بن سعید حدثنی ابن ابی الرجال عن سلیمان بن سحیم قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فی النوم فقلت : یا رسول اللہ ان هؤلاء الذین یأتونک فیسلمون علیک تفقه سلامهم قال
نعم وارد علیهم ومما یدل علی حیاتهم ما اخبرنا ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحافظ
اخبرنی ابو محمد المزنی ثنا علی بن محمد بن عیسی ثنا ابو الیمان انبأ شعیب عن الزهری قال
اخبرنی ابو سلمۃ ابن عبد الرحمن وسعید بن المسیب ان ابا هریرۃ قال استب رجل من
المسلمین ورجل من الیهود فقال المسلم والذی اصطفی محمداً علی العالمین ، فاقسم بقسم -
فقال الیهودی والذی اصطفی موسی علی العالمین فرفع المسلم عند ذلک یده فلطم الیهودی ،

فذهب الیهودی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ بالذی کان من امرہ وامر المسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

لا تخیرونی علی موسٰی فان الناس یصعقون فاکون اول من یفیق فاذا موسٰی باطش بجانب العرش فلا ادری اکان فیمن صعق فافاق قبلی او کان ممن استثنی اللہ عزوجل

رواہ البخاری فی الصحیح عن ابی الیمان ورواہ مسلم عن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن وغیرہ عن ابی الیمان وفی الحدیث الثابت عن الاعرج عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال :-

لا تفضلوا بین انبیاء اللہ تعالٰی فانہ ینفخ فی الصور لیصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من یشاء اللہ ثم نفخ فیہ اخری فاکون اول من بعث فاذا موسٰی آخذ بالعرش فلا ادری احوسب بصعقۃ یوم الطور ام بعث قبلی،

وھذا انما یصح علی ان اللہ جل ثناءہ رد علی الانبیاء علیہم السلام ارواحہم فہم احیاء عند ربہم کالشہداء فاذا نفخ فی النفخۃ الاولی صعقوا ثم لا یکون ذلک موتا فی جمیع معانیہ الا فی ذہاب الاستشعار، فان کان موسٰی ممن استثنی اللہ عزوجل بقولہ الا من شاء اللہ فانہ عزوجل لا یذہب باستشعارہ فی تلک الحالۃ ویحاسبہ بصعقۃ یوم الطور ویقال ان الشہداء من جملۃ ما استثنی اللہ عزوجل بقولہ الا ما شاء اللہ وروینا فیہ خبرا مرفوعا وھو مذکور مع سائر ما قیل فی کتاب البعث والنشور وباللہ التوفیق آخر کتاب حیاۃ الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم

ترجمہ حیاتُ الانبیاءؑ بیہقی

شیخ امام زین الاسلام ابو نصر عبد الرحیم بن عبد الکریم بن ہوازن قشیری رضی اللہ نے نیشاپور سے جو کتاب لکھ کر بھیجی تھی اس میں بتایا کہ ربیع الآخر ـــ میں کوئی شخص ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی کو حدیث پڑھ کر سنا رہا تھا اور میں سن رہا تھا،

نیز شیخ امام حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن حبیب العامری نے بتلایا کہ ہمیں شیخ القضاۃ ابو علی اسمٰعیل بن احمد بن الحسین نے ان احادیث جو جزء میں ہے انہیں پڑھ کر سنائیں خبر دی کہ امام والد بزرگوار شیخ السنۃ نے فرمایا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَصَلَاتُہٗ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ

احادیث کا بیان جو وفات کے بعد انبیاء صلوات اللہ علیہم کی حیات کے متعلق مروی ہیں،

حدیث[1] ثابت بنانی حضرت انسؓ سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"انبیاء زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں"

یہ حدیث حسن بن قتیبہ مدائنی کی افراد میں شمار ہوتی ہے،

اسی طرح یحییٰ بن ابی بکر کے طریق سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں،

اسی طرح ایک اور طریق سے بھی حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے، اور وہاں بھی یہی الفاظ ہیں،

بیہقی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"انبیاء کو چالیس راتوں کے بعد اپنی قبروں میں رہنے نہیں دیا جاتا، بلکہ وہ اللہ کے حضور میں نماز پڑھتے ہیں، تا آنکہ صور پھونکا جائے گا"

اگر ثابت ہو جائے کہ حدیث کے یہی الفاظ ہیں، تو مراد یہ ہے، کہ انبیاء چالیس دن تک تو قبروں میں نماز پڑھتے رہتے ہیں مگر بعد میں وہ بارگاہِ رب العزت میں نماز پڑھتے ہیں، جیسا کہ پہلی حدیث میں مروی ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ ان کے جسموں کو مع روحوں کے اٹھا لیا جاتا ہے، چنانچہ سفیان ثوری نے الجامع میں کہا ہے، کہ ان کے ایک استاد نے سعید بن المسیب سے روایت کی ہے، کہ کوئی نبی اپنی قبر میں چالیس راتوں سے زیادہ نہیں ٹھہرتا، تا آنکہ اسے اٹھا لیا جائے، اسی حدیث کی رو سے وہ باقی زندوں کی طرح ہو جاتے ہیں، اور جہاں اللہ چاہتا ہے، وہاں قیام کرتے ہیں، جیسا کہ معراج والی اور دیگر حدیثوں میں آیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا، پھر آسمانوں میں دیکھا، اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے،

صحیح احادیث میں موت کے بعد انبیاء کے زندہ ہونے کے شواہد پائے جاتے ہیں، ان میں سے ایک حضرت انسؓ کی روایت ہے، جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] میں نے ترجمہ میں اسناد کو ترک کر دیا۔ کیونکہ اصل عربی میں اسناد دے دی گئی ہیں،

موسیٰ علیہ السّلام کے پاس سے گزرے تو وہ کھڑے اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے،

اسی طرح ایک اور طریق سے حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو وہ کھڑے قبر میں نماز پڑھ رہے تھے،

ایک اور طریق سے حضرت انسؓ سے مروی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے معراج کرائی گئی اس رات میں سرخ ٹیلے کے پاس موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا، تو وہ قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

مسلم نے بھی اس حدیث کی روایت تیمی کے طریق سے کی ہے،

بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب میں قریش سے معراج کا واقعہ بیان کر رہا تھا۔ تو میں نے اپنے آپ کو حجر میں دیکھا، قریش نے مجھ سے چند ایسی اشیا کے متعلق دریافت کیا جن کا مجھے اچھی طرح علم نہ تھا مجھے اس کی وجہ سے اس قدر بے چینی ہوئی کہ کبھی پہلے نہ ہوئی تھی، اس پر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے لا کھڑا کیا۔ میں بیت اللہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ قریش مجھ سے جو کچھ دریافت کرتے میں بتا دیتا تھا، میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی ایک جماعت میں دیکھا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ موسیٰ علیہ السّلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، وہ ہلکے پتلے ہیں، ان کے بال گھنگھریلے ہیں، اور قبیلہ شنوءہ کے ایک فرد معلوم ہوتے ہیں، پھر دیکھا کہ عیسیٰ علیہ السّلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں عروہ بن مسعود ثقفی ان سے بہت ہی مشابہت رکھتے ہیں۔ نیز ابراہیم علیہ السّلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، ان کی سب سے زیادہ مشابہت مجھ سے پائی جاتی ہے، پھر نماز کا وقت آیا تو میں نے امامت کی جب نماز سے فارغ ہوا، تو کسی نے کہا! اے محمدؐ یہ دوزخ کا داروغہ مالک ہے۔ اسے سلام کریں، میں اس کی طرف متوجہ ہوا، تو اس نے سلام کہنے میں ابتداء کی

اس حدیث کی روایت مسلم نے عبد العزیز سے کی ہے سعید بن المسیب اور دیگر رواۃ کی حدیث میں ہے، کہ انبیاءؑ سے آنحضرتؐ کی ملاقات بیت المقدس کی مسجد میں ہوئی، معراج کے قصہ میں ابوذرؓ اور مالک بن صعصعہ کی حدیث میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے ملاقات انبیاء کی ایک جماعت میں آسمانوں میں ہوئی، اور آپؐ نے ان سے گفتگو کی، اور یہ سب درست ہے، اس میں ایک حدیث دوسری حدیث کے مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ آپؐ نے موسیٰ علیہ السّلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ پھر موسیٰؑ اور دیگر انبیاءؑ کو بیت المقدس لے جایا گیا، جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر لے جایا گیا، اسی طرح دیگر انبیاء علیہم الصلوٰات کو بھی، اسی لئے آپؐ نے ان کو وہاں دیکھا۔ جیسا کہ آپؐ نے خود بتلایا ہے، مختلف وقتوں میں مختلف مقامات پر انبیاءؑ کا نماز پڑھنا عقلاً جائز ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آیا ہے۔

ان تمام احادیث سے انبیاء علیہم الصلوٰات کی زندگی کا پتہ چلتا ہے:

جو احادیث انبیاء کی زندگی پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جسے اوس بن اوس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، کہ آپؐ نے فرمایا:-

جمعہ کا دن سب دنوں سے افضل ہے، اسی دن آدم علیہ السّلام پیدا ہوئے، اور اسی دن ان کی وفات ہوئی، اسی

دن صور پھونکا جائے گا، اور اسی روز غشی طاری ہوگی، لہٰذا اس دن کثرت سے مجھ پر درود بھیجا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوگا، صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہمارا درود کیسے آپؐ پر پیش ہوگا جبکہ آپؐ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے، اس پر آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔

اس حدیث کی روایت ابوداؤد سجستانی نے کتاب السنن میں کی ہے، اور اس کے شواہد بھی ہیں، ان شواہد میں سے ایک وُہ ہے جس کی روایت ابومسعود الانصاری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے، کہ آپؐ نے فرمایا:-

جمعہ کے دن کثرت سے مجھ پر درود بھیجا کرو کیونکہ اس دن جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے، تو وہ مجھے پیش کیا جاتا ہے، ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راویوں میں ابورافع سے مراد اسمٰعیل بن رافع ہے،

دوسری حدیث کی روایت ابوامامہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:-

قیامت کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، کیونکہ ہر جمعہ کے دن میری امت کا درود مجھے پیش کیا جاتا ہے، لہٰذا جو مجھ پر زیادہ درود بھیجے گا، اس کی منزلت مجھ سے بہت قریب ہوگی،

تیسری حدیث کی روایت انس بن مالک خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے، کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:- قیامت کے دن ہر مقام پر وہ شخص میرے قریب تر ہوگا، جو دنیا میں زیادہ درود بھیجتا ہوگا، جو جمعہ کے دن مجھ پر درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری کریگا۔ ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی، اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو اس پر مقرر فرمائیں گے، وہ اس درود کو میری قبر میں اسی طرح مجھ پر پیش کرے گا۔ جیسے تمہیں تحفے پیش کئے جاتے ہیں، وہ فرشتہ اس درود بھیجنے والے کا نام اس کا نسب مجھے بتلائے گا۔ میں اسے ایک سفید صحیفہ میں درج کر لوں گا،

چوتھی حدیث کی روایت ابوہریرہؓ نے کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، اور نہ میری قبر کو میلہ بناؤ مجھ پر درود بھیجا کرو، اس لئے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو، تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے،

اس کے ہم معنی وہ حدیث ہے جس کی روایت ابوہریرہ نے کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو شخص بھی مجھ پر سلام کہتا ہے، تو چونکہ اللہ نے میری روح مجھے لوٹا دی ہوتی ہے، اس لئے میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اَلَّا رَدَّ اللّٰہُ اِلَیَّ رُوْحِیْ سے مراد اِلَّا وَقَدْ رَدَّ اللّٰہُ اِلَیَّ رُوْحِیْ ہے،

اس کے ہم معنی وہ حدیث ہے جس کی روایت عبداللہ بن مسعود نے کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے بھی ہیں، جو دنیا میں سیاحت کرتے رہتے ہیں، اور وہ مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں،

مجاہد نے ابن عباس سے روایت کی ہے، کہ امت محمدیہ میں سے جو شخص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے وہ آپؐ کو پہنچتا ہے، فرشتہ آپؐ سے عرض کرتا ہے، کہ فلاں شخص نے آپ پر اتنا درود بھیجا ہے۔

ابوھریرہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، کہ آپؐ نے فرمایا:۔
جو شخص میری قبر پر مجھ پر درود بھیجتا ہے، وہ تو میں خود سنتا ہوں، اور جو دور سے بھیجے وہ مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے،
بیہقی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راویوں میں ابو عبدالرحمٰن سے مراد میرے نزدیک محمد بن مروان سدی ہے، ہے،
اور وہ محل نظر ہیں، مگر اس سے پہلے حدیث گذر چکی ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے،
سلیمان بن سحیم روایت کرتے ہیں، کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ!
یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں، کیا آپؐ ان کے سلام کو سمجھتے ہیں، فرمایا: ہاں! بلکہ جواب
بھی دیتا ہوں،
ایک اور حدیث جو انبیاء کے زندہ ہونے پر دلالت کرتی ہے، وہ ہے جس کی روایت ابوھریرہؓ سے کی گئی ہے
کہ ایک یہودی اور مسلمان آپس میں گالی گلوچ ہوئے، مسلمان نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کو تمام جہانوں میں سے منتخب کر لیا۔ پھر قسم کھائی، اس کے بعد یہودی نے کہا۔ قسم اس خدا کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام
جہانوں میں سے منتخب کیا۔ اس پر مسلمان نے یہودی کے منہ پر دھپڑ مارا، یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ کی خدمت میں
حاضر ہوا۔ اور سارا قصہ کہہ سنایا: اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مجھے موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح نہ دو، کیونکہ جب لوگوں پر غشی طاری ہوگی۔ تو میں پہلے ہوش میں آؤں گا۔ تو کیا دیکھونگا
کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کے ایک پہلو کو پکڑے کھڑے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا ان پر بھی غشی طاری ہوئی، اور مجھ سے پہلے
ہوش میں آگئے یا یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے
اس حدیث کی روایت بخاری نے اپنی صحیح میں ابوالیمان سے کی ہے، اور مسلم نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے، اور
دیگر محدثین نے ابوالیمان سے،
ایک اور حدیث میں ابوھریرہؓ سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
انبیاء میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت مت دو، کیونکہ جب صور پھونکا جائے گا۔ تو سوائے ان لوگوں کے
جنہیں اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے، تمام لوگوں پر خواہ دنیا کے ہوں خواہ آسمانوں کے غشی طاری ہوگی۔ پھر ایکبار پھر
صور پھونکا جائیگا۔ تو میں سب سے پہلے اٹھوں گا، تو کیا دیکھوں گا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے کھڑے ہیں، مجھے
معلوم نہیں، آیا وہ مجھ سے پہلے اٹھے ہوں گے، یا ان پر غشی طاری ہی نہ ہوئی ہوگی۔ اور طور پر کی غشی کو ہی شمار کر لیا گیا ہوگا۔
یہ اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے، جب یہ مان لیا جائے، کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی ارواح ان کو لوٹا دی ہیں، اور وہ
شہداء کی طرح اللہ کے ہاں زندہ ہیں، لہٰذا جب پہلی بار صور پھونکا جائیگا، تو سب پر غشی طاری ہو جائیگی، مگر یہ غشی اپنے تمام
معنوں میں موت نہ ہوگی۔ صرف شعور جاتا رہے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے فرمان اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کے مطابق موسیٰ علیہ السلام
کو ان لوگوں میں شمار کیا جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے، تو اس حالت میں ان کے حواس جاتے نہ رہیں
گے، اور طور کے دن کی غشی کو ہی شمار میں لے لیا جائے گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے (باقی ترجمہ صفحہ ۲۴۳ پر ملاحظہ فرمایئے)

اِنْبَاءُ الاَذْكِيَاء فِی حَيٰوةِ الاَنْبِيَاء

لِخَاتِمَةِ الحُفَّاظ جَلَالُ الدِّيْن السَّيُوطِي (متوفی) ۹۱۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال المؤلف رحمہ اللہ ونفع لنا ولسائر المسلمین آمین اللھم آمین۔

الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی، وقع السوال انہ قد اشتہر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیٌّ فی قبرہٖ، وورد انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ما من احدٍ یسلم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام فظاھرہ ان بمفارقۃ الروح لہ فی بعض الاوقات فکیف الجمع، وھو سوال حسن یحتاج الی النظر والتامل، فأقول: حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہٖ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علماً قطعیاً لما قام عندنا من الادلۃ فی ذٰلک وتواترت بہ الاخبار الدّ على ذٰلک وقد الّف الامام البیہقی رحمہ اللہ جزءاً فی حیاۃ الانبیاء علیہم السلام فی قبورہم،

فمن الاخبار الدالۃ علیٰ ذٰلک، ما اخرجہ مسلم عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسرٰی بہٖ مرّ بموسٰی علیہ السلام وھو یصلی فی قبرہٖ

واخرج ابو نعیم فی الحلیۃ عن ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرّ بقبر موسٰی علیہ السلام وھو قائمٌ یصلّی فیہ،

واخرج ابو یعلی فی مسندہٖ والبیہقی فی کتاب حیٰوۃ الانبیاء عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:-

اَلاَنْبِیَا اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ،

(بقیہ ترجمہ صفحہ ۲۴۲) کہ اِلَّا مَا شَآءَ اللہ میں شہدا بھی شامل ہیں، اور اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث بھی آئی ہے، اس کا ذکر دیگر روایات کے ہم کتاب البعث والنشور میں کیا گیا ہے، وباللہ التوفیق یہاں پر کتاب حیاۃ الانبیا ختم ہوتی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔

(اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِکَاتِبِهٖ وَلِوَالِدَیْهِ وَلِمَنْ سَعٰی فِیْهِ)

وَاخرج ابُو نُعَیم فی الحلیۃ عن یوسف بن عطیۃ قال سمعت ثابت البُنانی رحمۃ اللہ یقول لحمید الطویل، ھَلْ بَلَغَکَ اَنَّ اَحداً یُصَلِّی فی قبرہٖ اِلَّا الانبیاء قال: لا

واخرج ابُوداوُد والبیہقی عن اوس بن اوس الثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہُ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم انہ قال:۔

مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ الصَّلٰوۃَ فِیْہِ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللہِ وَکَیْفَ تُعْرَضُ عَلَیْکَ صَلَاتُنَا وَقَدْ اَرِمْتَ یعنی بلیت فقال: اِنَّ اللہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ،

وَاخرج البیہقی فی شعب الایمان والاصبھانی فی الترغیب عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سمعتہ، وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ غَائِباً بُلِّغْتُہٗ،

وَاخرج البخاریُّ فی تاریخہٖ عن عمار رضی اللہ عنہُ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلّم یقول:۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَلَکًا اَعْطَاہُ اَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ قَائِمٌ عَلٰی قَبْرِیْ فَمَا مِنْ اَحَدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ صَلَاۃً اِلَّا بَلَّغَنِیْہَا

واخرج البیہقی فی حیاۃ الانبیاء والاصبھانی فی الترغیب عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہُ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم،

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِائَۃً فِی الْجُمُعَۃِ وَلَیْلَۃِ الْجُمُعَۃِ قَضَی اللہُ لَہٗ مِائَۃَ حَاجَۃٍ سَبْعِیْنَ مِنْ حَوَائِجِ الْاٰخِرَۃِ وَثَلَاثِیْنَ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْیَا ثُمَّ وَکَّلَ اللہُ بِذٰلِکَ مَلَکًا یُدْخِلُہٗ فِیْ قَبْرِیْ کَمَا یُدْخَلُ عَلَیْکُمُ الْھَدَایَا، اِنَّ عِلْمِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَعِلْمِیْ فِی الْحَیَاۃِ۔

ولفظ البیہقی:۔ یُخْبِرُنِیْ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ بِاسْمِہٖ وَنَسَبِہٖ فَاُثْبِتُہٗ فِیْ صَحِیْفَۃٍ بَیْضَاءَ

واخرج البیہقی عن انس اَنَّ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم، قال:۔

اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَا یُتْرَکُوْنَ فِیْ قُبُوْرِھِمْ بَعْدَ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً وَلٰکِنَّھُمْ یُصَلُّوْنَ بَیْنَ یَدَیِ اللہِ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی حَتّٰی یُنْفَخَ فِی الصُّوْرِ،

روی السفیان الثوری فی الجامع قال قال شیخ لنا عن سعید بن المسیب،

قال:۔ مَامکث نبی فی قبرہٖ اکثر من اربعین لیلۃ حتّٰی یرفع،

قال البیہقی:۔ فعلٰی ھذا یصیرون کسائر الاحیاء یکونون حیث ینزلھم اللہ تعالیٰ

ثم قال البیہقی: والحیاۃ الانبیاء بعد موتہم شواھد فذکر قصۃ الاسراء فی لقیہ جماعۃ من الانبیاء علیہم السلام وکلمھم وکلمہٗ،

واخرج حدیث ابی ہریرۃ فی الاسراء وفیہ: وقد رأیتنی فی جماعۃ من الانبیاء فاذا موسیٰ قائم یصلی واذا رجل ضرب جعد کانہ من رجال شنوءۃ واذا ابن مریم قائم یصلی واذا ابراہیم قائم یصلی اشبہ الناس بہ صاحبکم یعنی نفسہ فحانت الصلوٰۃ فاممتہم

واخرج حدیث ان الناس یصعقون فاکون اول من یفیق وقال: ھذا یدل ایضا علی ان اللہ رد علی الانبیاء ارواحہم وھم احیاء عند ربہم کا لشہداء فاذا نفخ فی الصور النفخۃ الاولیٰ صعقوا فی من صعق ثم لا یکون ذلک موتا فی جمیع معانیہ الا فی ذہاب الاستشعار انتھی

واخرج ابو یعلیٰ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول :- والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسی بن مریم ثم لان قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ ،

واخرج ابو نعیم فی "دلائل النبوۃ" عن سعید بن المسیب قال لقد رأیتنی لیالی الحرۃ وما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیری وما یأتی وقت الصلوٰۃ الا وسمعت الاذان من القبر ،

واخرج الزبیر بن بکار فی اخبار المدینہ عن سعید بن المسیب قال لم ازل اسمع الاذان والاقامۃ فی قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام الحرۃ حتی عاد الناس ،

واخرج ابن سعد فی الطبقات عن سعید بن المسیب انہ کان یلازم المسجد ایام الحرۃ والناس یقتلون، قال :- فکنت اذا حانت الصلوٰۃ اسمع اذانا من قبل القبر الشریف

واخرج الدارمی فی مسندہ قال اخبرنا مروان بن محمد عن سعید بن عبد العزیز قال لما کان ایام الحرۃ لم یؤذن فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ولم یقم وان سعید بن المسیب لم یبرح مقیما فی المسجد وکان لا یعرف وقت الصلوٰۃ الا بھمھمۃ یسمعہا من قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ،

فھذہ الاخبار دالۃ علی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسائر الانبیاء - قد قال اللہ تعالیٰ فی الشہداء ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربہم یرزقون ط والانبیاء اولی بذلک فھم اجل واعظم وقل نبی الا وقد جمع مع النبوۃ وصف الشہادۃ فیدخلون فی عموم لفظ الآیۃ ،

واخرج احمد و ابو یعلی والطبرانی والحاکم فی المستدرک والبیہقی فی دلائل

المنثور عن ابن مسعود رضی الله عنه قال لان احلف تسعاً انّ رسول الله صلی الله علیہ وسلم قتل قتلاً احبّ الیّ من ان احلف واحداً انّه لم یُقتل وذلک انّ الله اتخذہ نبیاً واتخذہ شہیداً

واخرج البخاری والبیہقی عن عائشۃ رضی الله قالت کان النبی صلی الله علیہ وسلم یقول فی مرضہ الذی توفی فیہ لم ازل اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر فہذا اوان انقطاع ابہری من ذلک السّم ،

فثبت کونہ صلی الله علیہ وسلم حیاً فی قبرہ بنص القرآن امّا من عموم اللفظ واما من مفہوم الموافقۃ ، قال البیہقی فی کتاب الاعتقاد الانبیاء بعد ماقبضوا ردّت الیہم ارواحہم فہم احیاءٌ عند ربّہم کالشہداء ،

وقال القرطبی فی التذکرۃ فی حدیث الصعقۃ نقلاً عن شیخہ :- الموت لیس بعدم محض وانّما ہو انتقالٌ من حال الی حال ویدل علی ذلک انّ الشہداء بعد قتلہم وموتہم احیاءٌ عند ربہم یرزقون مستبشرین وہذہ صفۃ الاحیاء فی الدنیا واذا کان فی الشہداء فالانبیاء احق بذلک واولی ،

وقد صحّ انّ الارض لا تاکل اجساد الانبیاء وانہ صلی الله علیہ وسلم اجتمع بالانبیاء لیلۃ الاسراء فی بیت المقدس وفی السماء وقد رأی موسیٰ قائماً یصلی فی قبرہ واخبر صلی الله علیہ وسلم بانہ یردّ السلام علی کل من یسلّم علیہ ، الی غیر ذلک ممّا یحصل من جملتہ القطع بانّ موت الانبیاء انّما ہو راجع الی ان غیّبوا عنّا بحیث لا ندرکہم وان کانوا موجودین احیاء وذلک کالحال فی الملٰئکۃ فہم موجودون احیاءٌ ولا یراہم احدٌ من نوعنا الّا من خصّہ الله بکرامتہ من اولیاءہ انتہیٰ ،

سئل البارزی عن النبی صلی الله علیہ وسلم ہل ہو حیٌّ بعد وفاتہ فاجاب انّہ صلی الله علیہ وسلم حیٌّ ،

قال الاستاذ ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر البغدادی الفقیہ الاصولی شیخ .... الشافعیہ فی اجوبۃ مسائل الجازمیین قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبیّنا صلی الله علیہ وسلم حیٌّ بعد وفاتہ وانّہ یبشّر بطاعات امّتہ ویحزن بمعاصی العصاۃ منہم وانہ تبلغہ صلاۃ من یصلی علیہ من امّتہ وقال انّ الانبیاء لا یبلون ولا تاکل الارض منہم شیئاً وقد مات موسیٰ فی زمانہ واخبر نبیّنا صلی الله علیہ وآلہ وسلم انہ راٰہ فی قبرہ مصلیاً ، وذکر فی حدیث المعراج انہ راٰہ فی السماء الرابعۃ وانہ رای آدم فی السماء الدنیا ورأی ابراہیم وقال لہ مرحباً بالابن الصالح والنبی الصالح واذا صحّ لنا ہذا الاصل قلنا نبیّنا

عليه الصلوٰة والسلام قد صار حيًّا بعد وفاته وهو على نبوّته وهذا اٰخر كلام الاستاذ ،

وقال الحافظ شيخ السنّة ابوبكر البيہقی فی کتاب الاعتقاد : الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام بعد ما قبضوا ردّت اليهم ارواحهم فهم احياء عند ربهم كالشهداء ، وقد رأى صلى الله عليه وسلم جماعة منهم وامّهم فی صلوٰة واخبر وخبره صدق ان صلاتنا معروضة عليه وان سلامنا يبلغه وان الله تعالى حرّم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء ۔ قال وقد افردنا لاثبات حياتهم كتابًا ۔ قال وهو بعد ما قبض نبی الله ورسوله وصفيه وخيرته من خلقه صلى الله عليه وسلم اللّهم احينا على سنّته وامتنا على ملّته واجمع بيننا وبينه فی الدنيا والاخرة انك على كل شیء قدير ،

انتهى جواب البارزی

وقال الشيخ عفيف الدين اليافعی الاولياء يرد عليهم احوال يشاهدون فيها ملكوت السمٰوات والارض وينظرون الانبياء احياء غير اموات كما نظر النبی صلى الله عليه وسلم الى موسى عليه السلام فی قبره ، قال وقد تقرر ان ما جاز للانبياء معجزة جاز للاولياء كرامة بشرط عدم التحدی ، قال ولا ينكر ذلك الا جاهل ، ونصوص العلماء فی حياة الانبياء عليهم السلام كثيرة فليكتف بهذا القدر ،

فصل

واما الحديث الاخر فاخرجه احمد فی مسنده و ابو داؤد فی سننه والبيهقی فی شعب الايمان من طريق ابی عبد الرحمٰن المقری عن حيوة بن شريح عن ابی صخر عن يزيد بن عبد الله بن قسيط عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : ما من احد يسلم علیّ الا ردّ الله علیّ روحی حتى ارد عليه السلام ۔ ولا شك ان ظاهر هذا الحديث مفارقة الروح لبدنه الشريف فی بعض الاوقات وهو مخالف للاحاديث السابقة وقد تأمّلته ففتح علیّ فی الجواب عدة اجوبة ،

الاوّل :۔ وهو اضعفها ان الراوی وهم فی لفظة من الحديث حصل بسببها الاشكال وقد ادّعى ذلك العلماء فی احاديث كثيرة لكن الاصل خلاف ذلك فلا يعوّل على هذه الدعوى ،

الثانی :۔ وهو اقواها ولا يدركه الا ذوباع فی العربية ان قوله "ردّ الله" جملة حالية وقاعدة العربية ان جملة الحال اذا وقعت فعلًا ماضيًا قدّرت فيها "قد" كقوله تعالى جاؤكم حصرت صدورهم ، ای قد حصرت وكذا هنا تقدر ، والجملة ماضية سابقة على السلام

الواقع من كلّ أحد، "وحتّٰى" ليست للتعليل، بل هو مجرّد حرف عطف بمعنى الواو وفصلاً تقدير الحديث ما من أحد يسلّم عليّ إلّا قد ردّ الله عليّ روحي قبل ذلك وأردّ عليه، وإنّما جاء الإشكال من ظنّ أن جملة "ردّ الله" بمعنى الحال او الاستقبال وظنّ أن "حتّٰى" تعليلية وليس كذلك وبعد الذى حرّرناه ارتفع الاشكال من اصله وأيّده من حيث المعنى أنّ الردّ لو أخذ بمعنى الحال أو الاستقبال لزم تكراره عند تكرار المسلمين السلام وتكرار الردّ يستلزم تكرار المفارقة وتكرار المفارقة يلزم عليه محذوران

احدهما تألّم الجسد الشريف بتكرار خروج الروح منه اونوع ما يخالف التكريم إن لم يكن تأليم والاخر، يخالف شأن الشهداء وغيرهم فانّه لم يثبت لاحد منهم ان يتكرّر له مفارقة الروح وعودها في البرزخ والنبي صلّى الله عليه وسلّم اولى بالاستمرار الذى هو اعلى مراتبه

ومحذور ثالث :- هو مخالفة القرآن فانّه دلّ على انّه ليس الا موتتان وحياتان وهذا التكرار يستلزم موتات كثيرة وهو باطل،

ومحذور رابع :- وهو مخالفة الأحاديث المتواترة السابقة وما خالف القرآن والمتواتر من السنّة وجب تأويله وان لم يقبل التاويل كان باطلاً، فلهذا وجب حمل الحديث على ما ذكرناه،

الوجه الثالث أن يقال ان لفظ الردّ قد لا يدلّ على المفارقة بل كنّى به عن مطلق الصيرورة كما قيل في قوله تعالى حكاية عن شعيب عليه السلام قد افترينا على الله كذبا إن عدنا في ملّتكم، ان لفظ العود اريد به مطلق الصيرورة لا العود بعد الانتقال لانّ شعيبا عليه السلام لم يكن في ملّتهم قط وحسن استعمال هذا اللفظ في هذا الحديث مراعاة للمناسبة اللفظية بينه وبين قوله "حتّى أردّ عليه السلام" فجاء لفظ الردّ في صدر الحديث لمناسبة ذكره في آخر الحديث،

الوجه الرابع :- وهو قوي جدا انّه ليس المراد بردّ الروح عودها بعد مفارقة البدن وانّما النبي صلّى الله عليه وسلّم في البرزخ مشغول باحوال الملكوت مستغرق في مشاهدة ربّه كما كان في الدنيا في حالة الوحي وفي اوقات أخر فعبّر عن افاقته من تلك المشاهدة وذلك الاستغراق بردّ الروح ونظير هذا قول العلماء في اللفظة التي وقعت في بعض احاديث الاسراء وهي قوله فاستيقظت وإذا أنا بالمسجد الحرام "ليس المراد الاستيقاظ من نوم فانّ الاسراء لم يكن مناما انّما المراد الافاقة ممّا خامره من عجائب الملكوت وهذا الجواب الآن عندى اقوى ما يجاب به عن لفظة الردّ وقد كنت رجّحت الثاني ثمّ قوي عندي هذا

الوجه الخامس :- ان يقال انّ الردّ يستلزم الاستمرار لانّ الزمان لا يخلو من
مصلٍّ عليه في اقطار الارض فلا يخلو من كون الروح في بدنه،

الوجه السادس :- قد يقال انه اوحى اليه هذا الامر اولاً قبل ان يوحى اليه بانه
لا يزال حياً في قبره فاخبر به ثم اوحي اليه بعد ذلك فلا منافاة لتأخر الخبر الثاني عن
عن الخبر الاول هذا ما فتح الله تعالى من الاجوبة ولم ار شيئاً منها منقولاً لاحد ثم بعد
كتابتي لذلك راجعت كتاب "الفجر المنير فيما فضل به البشير النذير" للشيخ تاج الدين ابن
الفاكهاني المالكي فوجدته قال ما نصه رُوينا في الترمذي قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم :- ما من احد يسلّم عليّ الا ردّ الله عليّ روحي حتى اردّ عليه السلام
يؤخذ من هذا الحديث ان النبي صلى الله عليه وسلم حيّ على الدوام وذلك انه
محال عادةً ان يخلو الوجود كل زمانٍ من واحدٍ مسلّمٍ على النبي صلى الله عليه وسلم
ليلاً ونهاراً،

فان قلت قوله عليه السلام ردّ الله عليّ روحي لا يلتئم مع كونه حياً على الدوام
بل يلزم منه ان يتعدد حياته ومماته في اقل من ساعة اذ الوجود لا يخلو عن
مسلّم يسلّم عليه كما تقدم بل يتعدد السلام عليه في الساعة الواحدة كثيراً،
فالجواب، والله اعلم ان يقال المراد بالروح هنا النطق مجازاً فكانه قال عليه
الصلوة والسلام الا ردّ الله عليّ نطقي وهو حيّ على الدوام لكن لا يلزم من حياته
نطقه، والله سبحانه يردّ عليه النطق عند سلام كل مسلّم وعلاقة المجاز ان
النطق من لوازم وجود الروح كما ان الروح من لازمه وجود النطق بالفعل او
القوة فعبّر عليه السلام باحد المتلازمين عن الآخر،
وربما تحقق ذلك ان عود الروح لا يكون الا مرتين لقوله تعالى :- قالوا ربنا
امتّنا اثنتين واحييتنا اثنتين، هذا لفظ كلام الشيخ تاج الدين وهذا الذي
ذكره من الجواب ليس واحداً من الستة التي ذكرتها وهو ان سلّم فجواب سابع
وعندي فيه وقفة من حيث ان ظاهره ان النبي صلى الله عليه وسلم مع كونه حياً
في البرزخ يمنع عنه النطق في بعض الاوقات ويردّ عند سلام المسلّم عليه وهذا
بعيد جداً بل ممنوع فان العقل والنقل ليشهدان بخلافه، اما النقل فالاخبار
الواردة عن حاله صلى الله عليه وسلم وحال الانبياء عليهم السلام في البرزخ مصرّحة
بانهم ينطقون كيف شاؤا ولا يمنعون من شيء، بل وسائر المؤمنين، وكذلك

الشهداء وغيرهم ينطقون فى البرزخ بما شاؤا غير ممنوعين من شيء ولم يرو ان احدا يمنع من النطق فى البرزخ الا من مات من غير وصية ،

روى ابو الشيخ فى كتاب الوصايا عن قيس بن قبيصه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من لم يوص لم يؤذن له فى الكلام مع الموتى قيل يا رسول الله وهل يتكلم الموتى؟ قال نعم ، ويتزاورون ،

قال الشيخ تقى الدين السبكى حياة الانبياء والشهداء فى القبر كحياتهم فى الدنيا ويشهد له صلاة موسى فى قبره وان الصلوة تستدعى جسدا حيا وكذلك الصفات المذكورة فى الانبياء ليلة الاسراء كلها صفات الاجسام ولا يلزم من كونها حياة حقيقية ان تكون الابدان معها كما كانت فى الدنيا من الاحتياج الى الطعام والشراب واما الادراكات كالعلم والسماع فلا شك ان ذلك ثابت لهم ولسائر الموتى . انتهى ،

واما العقل فلان الحبس عن النطق فى بعض الاوقات نوع حصر وتعذيب ولهذا عذب به تارك الوصية والنبى صلى الله عليه وسلم منزه عن ذلك فلا يلحقه بعد وفاته حصر اصلا بوجه من الوجوه كما قال لفاطمة رضى الله تعالى عنها فى مرض موته لاكربة على ابيك بعد اليوم ،

واذا كان الشهداء وسائر المؤمنين من امته الا من استثنى من المعذبين لا يحصرون بالمنع من النطق فكيف به صلى الله عليه وسلم نعم يمكن ان ينزع من كلام الشيخ تاج الدين جواب اخر دقيق بطريق اخرى وهو ان يراد بالروح النطق وبالرد الاستمرار من غير مفارقة على ما قررته فى الوجه الثالث ويكون فى الحديث على هذا مجازان ، مجاز فى لفظ الرد ومجاز فى لفظ الروح فالاولى استعارة تبعية ، والثانى مجاز مرسل وعلى ما قررته فى الوجه الثالث يكون فيه مجاز واحد فى الرد فقط ،

ويتولد من هذا الجواب جواب اخر وهو ان يكون الروح كناية عن السمع ويكون المراد ان الله تعالى يرد عليه سمعه الخارق للعادة بحيث يسمع سلام المسلم وان بعد قطره ويرد عليه من غير احتياج الى واسطة مبلغ وليس المراد سمعه المعتاد وكان له صلى الله عليه وسلم فى الدنيا حالة يسمع فيها سمعا خارقا للعادة بحيث كان يسمع اطيط السماء كما بينت ذلك فى كتاب المعجزات وهذا قد ينفك فى بعض الاوقات ويعود ولا مانع منه وحاله صلى الله عليه واله وسلم فى البرزخ كحالته فى الدنيا سواء ،

وقد يخرج من هذا جواب اخر وهو ان المراد سمعه المعتاد ويكون المراد برده افاقته

من الاستغراق الملکوتی وما ھو فیہ من المشاھدۃ فیردہ اللہ تعالیٰ تلک الساعۃ الیٰ خطاب من یسلم علیہ فی الدنیا فاذا فرغ من الرد علیہ عاد الیٰ ما کان فیہ ،

ویخرج من ھذا جواب اٰخر، وھو ان المراد برد الروح التفرغ من الشغل وفراغ البال مما ھو بصددہ فی البرزخ من النظر فی اعمال امتہ والاستغفار لہم من السیئات والدعاء بکشف البلاء عنہم والتردد فی اقطار الارض لحلول البرکۃ فیہا وحضور جنازۃ من مات من صالحی امتہ فان ھذہ الامور من جملۃ اشغالہ فی البرزخ کما وردت بذلک الاحادیث والاٰثار فلما کان السلام علیہ من افضل الاعمال واجل القربات اختص المسلم علیہ بان یفرغ لہ من اشغالہ المہمۃ لحظۃ یرد علیہ فیہا تشریفاً ومجازاۃ ، فھذہ عشرۃ اجوبۃ کلہا من استنباطی وقد قال الجنید اذا نکح الفکر الحفظ ولد العجائب

ثم ظہر لی جواب حادی عشر ، وھو انہ لیس المراد بالروح روح الحیاۃ بل الارتیاح کما فی قولہ تعالیٰ ، فروح وریحان ؕ فانہ قرء بضم الراء ، والمراد انہ صلی اللہ علیہ و اٰلہ وسلم یحصل لہ بسلام المسلم علیہ ارتیاح وفرح وبشاشۃ لحبہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم لذلک فیحملہ ذلک علی ان یرد علیہ ؛

ثم ظہر لی جواب ثانی عشر وھو ان المراد بالروح الرحمۃ الحادثۃ من ثواب الصلاۃ وقال ابن الاثیر فی النہایۃ " تکرر ذکر الروح فی الحدیث کما تکرر فی القراٰن ووردت فیہما علی معان فالغالب منہا ، ان المراد بالروح الذی یقوم بہ الجسد وقد اطلق علی القراٰن والوحی والرحمۃ وعلی جبریل ، انتہیٰ

واخرج ابن المنذر ، فی تفسیرہ عن الحسن البصری رحمۃ اللہ علیہ انہ قرا علیہ قولہ تعالیٰ : "فروح وریحان" بالضم وقال : الروح الرحمۃ وتقدم عنہ صلی اللہ فی حدیث انس رضی اللہ عنہ ان الصلاۃ تدخل علیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ کما یبلغ لکم الھدایا والتراب والمواد ثواب الصلاۃ وذلک رحمۃ اللہ وانعاماتہ ،

ثم ظہر لی جواب اٰخر ثالث عشر ، وھو ان المراد بالروح الملک الذی وکل بقبرہ صلی اللہ علیہ وسلم یبلغہ السلام والروح یطلق علی جبریل ایضاً من الملئکۃ قال الراغب اشراف الملئکۃ تسمی روحاً ، انتہی ، ومعنی رد اللہ الی روحی ای بعث لی الملک الموکل یبلغنی السلام ھذا غایۃ ما ظہر لی واللہ اعلم انتہیٰ ؛

تنبیہ

وقع فی کلام الشیخ تاج الدین امران یحتاجان الیٰ التنبیہ علیہما احدہما انہ عزا الحدیث

إلى الترمذی وهو غلط فلم یخرجه من اصحاب الکتب[1] الستة الا ابوداؤد فقط، کما ذکره الحافظ جمال الدین المزی[2] فی الاطراف،

الثانی انه اورد الحدیث بلفظ ردّ الله علیّ وهو کذلک فی سنن ابی داؤد ولفظ روایة البیهقی رد الله الیّ وهو الطف و انسب فان بین تعدیتین فرقاً لطیفاً فان ردّ یعدّی بعلی فی الاهانة وبالی فی الاکرام قال فی الصحاح ردّ علیه الشیٔ اذا لم یقبله وکذا ردّ علیه اذا اخطأه ویقال ردّه الی منزله وردّ الیه جواباً ای رجع،

وقال الراغب:- من الاول قوله تعالیٰ یردوکم علی اعقابکم فردوها علیّ نردّ علی اعقابنا ومن الثانی فرددناه الی امه ولئن رددت الی ربی لاجدن خیراً منها منقلباً ثم تردون الی عالم الغیب والشهادة، ثم ردوا الی الله مولاهم الحق،

فصل

وقال الراغب: من معانی الردّ التفویض، یقال رددت الحکم فی کذا الی فلان ای فوضته الیه قال الله تعالیٰ:- فان تنازعتم فی شیٔ فردوه الی الله والرسول، و ردوه الی الرسول، والی اولی الامر منهم انتهی،

ویخرج من هذا جواب رابع عشر عن الحدیث وهو ان المراد فوض الله الی ردّ السلام علیه علی ان المراد بالروح الرحمة والصلاة من الله رحمة وکان المسلم بسلامه تعرض لطلب صلاة من الله تحقیقاً لقوله صلی الله علیه وسلم:- من صلی علیّ واحدة صلی الله علیه عشراً، والصلوٰة من الله رحمة فوض الله امر هذه الرحمة الی النبی صلی الله علیه وسلم لیدعو به للمسلم فیحصل ابتداءً وقطعاً فیکون الرحمة الحاصلة للمسلم انما هی برکة دعاء النبی صلی الله علیه واٰله وسلم وسلامه علیه وینزل ذلک منزلة الشفاعة فی قبول سلام المسلم والاثابة علیه وتکون الاضافة فی روحی لمجرد الملابسة ونظیره فی قوله فی حدیث الشفاعة فیردها هذا الی هذا وهذا الی هذا، حتی ینتهی الی محمد صلی الله علیه وسلم،

وفی حدیث ابن مسعود لقیت لیلة اسری بی ابراهیم وموسیٰ وعیسیٰ علیهم السلام فتذاکروا فی امر الساعة فردوا امرهم الی ابراهیم فقال لا علم لی بها فردوا امرهم الی موسیٰ فقال لا علم لی فردوا امرهم الی عیسیٰ،

[1] اصل کتاب میں کتب کی بجائے کتاب دیا ہے جو غلط ہے۔
[2] المتوفی سنة اثنتین واربعین وسبعمائه واختصره الحافظ شمس الدین بن محمد بن احمد الذهبی المتوفی سنه ۷۴۸ھ،

والحاصل انّ معنى الحديث على هذا الوجه الّا فوّض الله الىّ امر الرحمة الّتى تحصل للمسلم بسببى فاتولّى الدّعاء بها بنفسى بأن انطق بلفظ السّلام على وجه الرّد عليه فى مقابلة سلامه والدّعاء به،

ثمّ ظهر لى جواب خامس عشر وهو انّ المراد بالرّوح الرّحمة الّتى فى قلب النبىّ صلى الله عليه وسلم على امّته والرأفة الّتى جبل عليها وقد يغضب فى بعض الاحيان على من عظمت ذنوبه وانتهك محارم الله تعالىٰ والصّلاة على النّبىّ صلى الله عليه وسلم، سبب لمغفرة الذّنوب كما ورد فى الحديث، اذاً تكفى همّك ويغفر ذنبك، فاخبر صلى الله عليه وسلم، انّه ما من احد يسلّم عليه وان بلغت ذنوبه ما بلغت، الّا رجعت اليه الرّحمة الّتى جبل عليها حتّى يردّ عليه السّلام بنفسه ولا يمنع من الرّدّ عليه ما كان منه قبل ذلك من ذنب،

وهذه فائدة نفيسة وبشرى عظيمة وتكون هذه فائدة زيادة "من" الاستغراقية فى حدّ النّفى الّذى هو ظاهر فى الاستغراق فزيادتها نصّ فيه بعد زيادتها بحيث انتفى بسببها ان يكون العامّ المراد به الخصوص،

هذا اخر ما فتح الله به الى الآن من الاجوبة وان فتح بعد ذلك بزيادة الحقناها، والله الموفق ثمّ بعد ذلك رأيت الحديث المسئول عنه مخرجاً فى كتاب حياة الانبياء للبيهقى بلفظ "الّا وقد ردّ الله" على روحى، فصرّح فيه بلفظ "وقد" فحمدت الله كثيراً، وقوى انّ رواية اسقاطها محمولة على اضمارها، وان حذفها تصرّف الرّواة وهو الامر الّذى جنحت اليه فى الوجه الثّانى ومراد الحديث عليه الاخبار بأنّ الله تعالىٰ يردّ عليه روحه بعد الموت على الدّوام فيصير حيّاً على الدّوام حتّى لو سلّم عليه احد ردّ السّلام عليه لوجود الحياة فيه فصار الحديث موافقاً للاحاديث الواردة فى حياته فى قبره وواحداً من جملتها لا منافياً لها البتة بوجه من الوجوه ولله الحمد والمنّة،

وقد قال بعض الحفّاظ، لو لم نكتب الحديث من ستّين وجهاً لما عقلنا، وذلك لانّ الطّرق يزيد بعضها على بعض تارة فى الفاظ المتن وتارة فى الاسناد فيكشف من الطّريق المزيدة ما خفى فى الطّريق النّاقصة، والله اعلم،

وقد تمّ كتاب انباه الاذكيا فى حياة الانبياء والحمد لله وحده والصّلاة والسّلام على من لا نبى بعده سيّدنا ومولانا محمّد وعلى اٰله واصحابه واولاده وازواجه وذرّيّته واهل بيته رضوان الله تعالىٰ عليهم اجمعين والحمد لله ربّ العٰلمين،

ترجمہ

انباہ الاذکیاء

مؤلف کہتے ہیں، خدا ان پر رحم کرے، اور انہیں اور تمام مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچائے، آمین
اَللّٰھُمَّ اٰمِین،

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، کسی نے مجھ سے سوال کیا، کہ عام طور مشہور ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں، اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے، کہ جو کوئی بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے، جبکہ میری روح مجھے واپس دی جا چکی ہوتی ہے، تو میں اس کے سلام کا اسے جواب دیتا ہوں،

حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو یوں معلوم ہوتا ہے، کہ بعض اوقات آپؐ کی روح آپؐ سے جدا ہوتی ہے، لہٰذا اس حدیث میں اور پہلی حدیث میں جہاں کہا گیا ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں کیسے موافقت ہوگی

میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر میں زندہ ہونا اور اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کا زندہ ہونا ایسا امر ہے جس کا ہمیں قطعی طور پر علم ہے، اس لئے کہ یہ بات تو قطعی دلائل سے ثابت ہو چکی ہے، اور اس کے متعلق احادیث میں تواتر پایا جاتا ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ نے قبروں میں انبیاء کے زندہ ہونے کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھا ہے،

(۱) **پہلی حدیث** | ان احادیث میں جو انبیاءؑ کی حیات پر دلالت کرتی ہیں، ایک حدیث وہ ہے، جس کی روایت صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے کی گئی ہے، اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِہٖ مَرَّ بِمُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَھُوَ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ، معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوا، جبکہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے،

(۲) **دوسری حدیث** | ابو نعیم نے حلیہ میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَبْرِ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَھُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فِیْہِ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰؑ کی قبر کے پاس سے گذرے، تو وہ قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے،

(۳) **تیسری حدیث** | ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے کتاب حیاۃ الانبیاء میں انسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ، انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور نماز پڑھتے ہیں،

حمید الطویل کا قول | ابو نعیم نے حلیہ میں یوسف بن عطیہ سے روایت کی ہے، کہ انہوں نے ثابت بنانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے حمید طویل کو کہا کہ کیا تمہیں کوئی ایسی حدیث ملی ہے، جس میں بتایا گیا ہو کہ

کہ قبر میں انبیاء[۱] کے سوا کوئی اور بھی نماز پڑھتا ہے، حُمَید نے جواب دیا کہ نہیں (یعنی قبر میں نماز پڑھنے کی روایت حضرت انبیاء کے متعلق ہے)

(۴) **چوتھی حدیث** | ابُوداؤد اور بیہقی نے اوس بن اوس ثقفی سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جمعہ کا دن سب سے افضل دن ہے، لہٰذا اس دن تم مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھے پیش کیا جاتا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپؐ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ[۱] (اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء علیہ السلام کے اجسام کا کھانا حرام کر دیا ہے)

(۵) **پانچویں حدیث** | بیہقی نے شعب الایمان میں اور اصبہانی نے ترغیب میں ابُوہریرہؓ سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ غَائِبًا بُلِّغْتُهٗ[۲] جو شخص میری قبر پر آکر مجھ پر درود بھیجیگا، اسے میں خود سنوں گا، اور جو غائبانہ درود بھیجیگا، تو فرشتے اسے مجھ تک پہنچا دینگے،

(۶) **چھٹی حدیث** | بخاری نے اپنی تاریخ میں عمّار سے روایت کی ہے، کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا، اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى مَلَكًا اَعْطَاهُ اَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ قَائِمٌ عَلٰى قَبْرِيْ فَمَا مِنْ اَحَدٍ يُصَلِّيْ عَلَيَّ صَلَاةً اِلَّا بَلَّغَنِيْهَا[۳] اللہ کا ایک فرشتہ ایسا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات جتنی قوت شنوائی دے رکھی ہے، اور میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے، تاکہ جو شخص بھی (اور کہیں بھی) مجھ پر درود بھیجے تو وہ اُسے مجھ تک پہنچا دے،

ساتویں حدیث | بیہقی نے حیاۃ الانبیاء[۴] اور اصبہانی نے ترغیب میں حضرت انس سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِائَةً فِي الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةِ الْجُمُعَةِ قَضٰى لَهٗ مِائَةَ حَاجَةٍ سَبْعِيْنَ مِنْ حَوَائِجِ الْاٰخِرَةِ وَثَلٰثِيْنَ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا ثُمَّ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكًا يُدْخِلُهٗ عَلٰى قَبْرِيْ كَمَا يُدْخَلُ عَلَيْكُمُ الْهَدَايَا اِنَّ عِلْمِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ كَعِلْمِيْ فِي الْحَيَاةِ[۵]

جس نے جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات ایک سو بار مجھ پر درود بھیجا، خدا اس کی ایک سو حاجتیں روا کرے گا، ستّر اگلے جہان میں اور تیس اس دنیا میں، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو مقرر کر دیا ہے، جو اس درود کو قبر میں اس طرح مجھ پر پیش کرتا ہے، جیسے تمہیں تحفے پیش کئے جاتے ہیں، یاد رکھو وفات کے بعد بھی میرا علم ایسا

---

[۱] نیز ابونعیم دلائل النبوۃ ۔ ۵ الخصائص الکبریٰ ۵ میں سیوطی نے کہا ہے، اخرج ابن ماجہ و ابونعیم عن ... ابن اوس الثقفی، ملاحظہ ہو الخصائص الکبریٰ ج ۲: ۲۷۹ - ۲۸۰، نیز ملاحظہ ہو، شرح الصدور صفحہ ۲۱۲ جہاں اخرج ابوداؤد والحاکم ... درج کر دیا ہے، ج

ہے جیسا کہ زندگی میں تھا۔

بیہقی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں ۔۔۔۔۔۔ یخبرنی من صلّٰی علیّ باسمہٖ ونسبہٖ فاثبتہ عندی فی صحیفۃ بیضاء

(وہ فرشتہ) مجھے ان لوگوں کے متعلق اطلاع دیدیتا ہے، جو مجھ پر درود بھیجتے ہیں، مع ان کے نام اور نسب کے پھر میں اسے اپنے پاس ایک سفید صحیفہ میں لکھ کر رکھ لیتا ہوں

(۸) آٹھویں حدیث | بیہقی نے انسؓ سے روایت کی ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ انبیاء کو چالیس راتوں کے بعد ان کی قبروں میں نہیں رہنے دیا جاتا۔ بلکہ وہ اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں نماز پڑھتے ہیں، اور قیامت تک وہ اسی طرح کرتے رہیں گے،

سعید بن مسیب کا قول | سفیان ثوری نے الجامع میں روایت کی ہے، کہ ہمارے ایک استاد نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے۔ کہ کوئی نبی قبر میں چالیس راتوں سے زیادہ قیام نہیں کرتا، اور اُسے (وہاں سے) اٹھالیا جاتا ہے،

بیہقی کہتے ہیں کہ اس قول کے مطابق انبیاء دیگر زندہ لوگوں کی طرح ہو جاتے ہیں، اور جہاں اللہ تعالیٰ اُنہیں قیام کرنے کو فرماتے ہیں، وہ وہیں قیام کرتے ہیں،

اس کے بعد بیہقی کہتے ہیں، کہ وفات کے بعد انبیاء کے زندہ ہونے کے متعلق بہت سے شواہد موجود ہیں چنانچہ بیہقی نے معراج کے قصہ میں ذکر کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات انبیاء کی ایک جماعت سے ہوئی، اور آپؐ نے ان سے گفتگو کی، بیہقی نے ابوہریرہ سے معراج کی حدیث روایت کی ہے جس میں یہ الفاظ درج ہیں،

(۹) نویں حدیث | وقد رأیتنی فی جماعۃ من الانبیاء فاذا موسٰی قائم یصلّی فاذا رجل ضرب جعد، کانہ من رجال شنوءۃ واذا عیسی ابن مریم قائم یصلّی واذا ابراہیم قائم یصلّی اشبہ الناس بہٖ صاحبکم یعنی نفسہ فحانت الصلوٰۃ فأممتہم،

میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی ایک جماعت میں دیکھا، کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، تمہارے نبی، آپ کی مُراد خود اپنی ذات شریف سے تھی، کا حلیہ ان سے بہت ملتا جلتا ہے، پھر جب نماز کا وقت آگیا، تو میں نے ان کی امامت کی،

(۱۰) دسویں حدیث | بیہقی نے اس حدیث کو بھی روایت کی ہے، کہ

ان النّاس یصعقون فاکون اوّل من یفیق،

(لوگ بیہوش ہو جائیں گے، پھر سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا،

اس کے بعد بیہقی کہتے ہیں۔ کہ یہ اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے، جب (یہ مان لیا جائے) کہ اللہ نے

انبیاء کو اُن کی رُوحیں لوٹا دی ہوئی ہیں، اور وہ شہداء کی طرح اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، چنانچہ جب پہلی بار صُور پھونکا جائے گا۔ تو اوروں کی طرح یہ بھی بیہوش ہو جائیں گے، اس بیہوشی کو ہم کسی اعتبار سے بھی موت نہیں کہہ سکتے، صرف اتنا ہو گا، کہ ان کا احساس جاتا رہے گا۔ یہاں تک بیہقی کا بیان ہے،

(۱۱) گیارھویں حدیث | ابو یعلیٰ نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے، کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، کہ عیسیٰ بن مریم یقیناً اتریں گے۔ پھر وہ اگر میری قبر پر آ کر یا محمد کہکر پکاریں گے تو میں ضرور جواب دونگا۔

سعید بن مسیب کی شہادت | ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں سعید بن مسیب سے روایت کی ہے، کہ میں نے واقعہ حرۃ[عـه] کے دوران یں دیکھا جبکہ مسجد نبوی میں میرے سوا کوئی اور نہ تھا، کہ جب نماز کا وقت آتا مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں سے اذان کی آواز آتی، (الخصائص الکبریٰ : ۲ : ۲۸۰)

تیسری روایت | ابن سعد نے طبقات میں سعید بن المسیب سے روایت کی ہے، کہ ایام حرۃ میں وہ مسجد کے اندر ہی رہے، جبکہ لوگ قتل ہو رہے تھے، پھر فرماتے ہیں کہ جب نماز کا وقت آتا، تو میں قبر شریف میں سے اذان کی آواز سنتا،

چوتھی روایت | دارمی نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے، کہ مروان بن محمد نے سعید بن عبد العزیز سے روایت کی ہے کہ جن دنوں حرۃ کا واقعہ پیش آیا ان دنوں مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ اذان ہوئی نہ اقامت کہی گئی، ان دنوں سعید بن مسیب مسجد میں ہی رہے، قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جب بھنبھناہٹ کی آواز آتی تو یہ سمجھ جاتے کہ نماز کا وقت آ گیا ہے،

ان روایات سے پتہ چلتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی انبیاء زندہ ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کے متعلق فرمایا ہے،

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ،

تمام انبیاء کو شہادت کا رتبہ بھی ملا ہے | اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ مت سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں، اور اپنے رب کے ہاں کھاتے پیتے ہیں،

اور انبیاء تو زندہ ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لئے کہ شہداء کے مقابلہ میں زیادہ بزرگ و عالی مرتبت ہیں، ہر نبی میں شہادت اور نبوت کے دونوں اوصاف پائے جاتے ہیں، اس لئے بھی وہ اس آیت کے عام مفہوم کے اندر آ جاتے ہیں،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہوئے | ابو یعلیٰ[له]، طبرانی اور حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے دلائل النبوت میں ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ اگر میں نو بار بھی قسم کھا کر یہ کہوں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے تو میں اسے زیادہ

عـه : دلائل النبوۃ صفحہ ۲۹۶ کی پوری روایت یوں ہے، میں نے ایام حرۃ میں دیکھا جبکہ مسجد نبوی میں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ کہ جب نماز کا وقت آتا۔ تو میں قبر میں سے اذان کی آواز سنتا۔ پھر میں آگے بڑھ کر اقامت کہتا اور نماز پڑھتا۔ اہل شام یزید کی فوج، مسجد میں گروہ گروہ آتے اور کہتے اس بوڑھے پگلے کو دیکھو، کہ اقامت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے)

له سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں اصحاب سنن کا بھی نام لیا ہے۔ کہ انہوں نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو الخصائص الکبریٰ : ۲ : ۲۸۱

پسند کرونگا، بہ نسبت اس کے کہ ایکبار قسم کھاکر کہوں کہ آپؐ شہید نہیں ہوئے، اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آپکو نبی بھی بنایا اور شہید بھی قرار دیا۔

بخاری اور بیہقی کی روایت | بخاری اور بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض موت میں فرماتے تھے، میں اب تک بدستور اس کھانے کا درد محسوس کر رہا ہوں، جو میں نے خیبر میں کھایا تھا، اب جا کر اس کھانے نے میری شاہ رگ کو کاٹ ڈالا ہے۔ لہذا جب آپؐ شہید ٹھہرے تو نص قرآنی سے قبر میں آپکا زندہ ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ خواہ آیت کے عام الفاظ کر لیا جائے، خواہ اس سے آپؐ کی شہید سے موافقت پائی جاتی ہے،

ایک اور روایت | بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے، جان قبض ہو جانے کے بعد انبیاء کو انکی ارواح لوٹا دی جاتی ہیں، لہذا شہدا کی طرح وہ بھی اپنے رب کے پاس زندہ ہیں،

قرطبی کا بیان | قرطبی نے تذکرہ میں بے ہوش ہونے کے ذکر والی حدیث کے متعلق اپنے شیخ سے نقل کر کے کہا ہے، کہ موت عدم محض نہیں ہے، موت تو ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے کا نام ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ شہدا قتل ہونے اور مر جانے کے بعد زندہ ہوتے ہیں، رزق دیئے جاتے ہیں، اور خوش و خرم ہوتے ہیں، اور یہ تمام امور دنیا میں زندوں کے صفات میں سے ہیں، جب یہ حال شہدا کا ٹھیرا تو پھر انبیاء تو زندہ ہونے کے زیادہ مستحق ہیں، اور یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے، کہ انبیاء کے اجسام کو زمین نہیں کھاتی، نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات معراج کی رات بیت المقدس میں اور آسمان میں انبیاء سے ہوئی اور آپؐ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتلایا ہے، کہ آپؐ سلام کرنیوالے کے سلام کا جواب دیتے ہیں، وغیرہ وغیرہ جن سے یہ قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ انبیاء کی موت سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب ہو گئے ہیں۔ اہم اب انکو پا نہیں سکتے اگرچہ وہ زندہ موجود ہیں اور ان اولیاء کے سوا جنہیں اللہ تعالی نے اپنی عنایات سے نوازا ہو، ہماری نوع کا کوئی فرد انہیں دیکھ نہیں سکتا، یہاں پر قرطبی کا بیان ختم ہوتا ہے،

بارزی کا بیان | بارزیؒ سے کسی نے دریافت کیا۔ کیا آنحضرت صلی علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں تو فرمایا:۔ ہاں آنحضرت صلی علیہ وسلم زندہ ہیں،

عبدالقاہر البغدادی کا بیان | استاذ ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر بغدادی فقیہ اور اصولی جو شافعیہ کے استاد مانے جاتے تھے، "مسائل الجاز جیلی" کے جوابات میں لکھتے ہیں،

"ہماری جماعت کے محقق متکلمین کہتے ہیں، کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں، اور آپؐ اپنی امت کی عبادتگزاری پر خوش ہوتے ہیں، اور آپکو اپنی امت کے معصیت کاروں سے افسوس ہوتا ہے، نیز یہ کہ آپؐ کی امت میں سے جو کوئی درود بھیجتا ہے، وہ آپؐ تک پہنچتا ہے"،

عبدالقاہر کہتے ہیں، :۔

عہ بارزی سے مراد قاضی شرف الدین بارزی ہیں،

انبیاء کے اجسام نہ بوسیدہ ہوتے ہیں، اور نہ ہی زمین ان کے کسی حصہ کو کھا سکتی ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السّلام تو اپنے زمانہ میں فوت ہوئے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا ہے، پھر معراج والی حدیث میں بھی آپؐ نے فرمایا۔ کہ آپ نے انہیں چوتھے آسمان پر دیکھا۔ اور آدم علیہ السّلام کو سب سے نچلے آسمان پر دیکھا ہے، نیز ابراہیم علیہ السّلام کو دیکھا تو انہوں نے مرحبا کہا، لہٰذا جب ہمارا اصول صحیح ثابت ہو گیا، تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہو گئے، اور وہ اب بھی نبی ہیں

یہاں پر استاد عبد القاھر کا بیان ختم ہو جاتا ہے،

بیہقی کا بیان | شیخ السنہ، حافظ ابوبکر بیہقی کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں:-

"جان قبض ہو جانے کے بعد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی روحیں انہیں لوٹا دی جاتی ہیں، چنانچہ وہ اپنے رب کے پاس شہداء کی طرح زندہ ہیں، یہ بھی تحقیق شدہ امر ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کی ایک جماعت کو دیکھا اور نماز میں آپؐ ان کے امام بنے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ بھی بتایا، اور آپؐ کا بیان سچا ہے، کہ ہمارا درود آپؐ کو پیش کیا جاتا ہے، اور ہمارا اسلام بھی آپؐ کو پہنچتا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کے جسموں کا کھانا ممنوع قرار دیا ہے، پھر کہتے ہیں کہ میں نے ان کی زندگی کو ثابت کرنے کی غرض سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، اور کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جان قبض ہو جانے کے بعد بھی اللہ کے نبی، رسول صفی اور بہترین مخلوق ہیں"۔

"خدایا ہمیں آپ کی سنت پر زندہ رکھ، آپکی ملت پر موت دے، اور دنیا اور آخرت میں ہمیں آپؐ کی ملاقات نصیب کر، خدایا تو ہر بات پر قادر ہے، بارزی کا بیان یہاں پر ختم ہوتا ہے۔

یافعی کا بیان، | شیخ عفیف الدین[1] یافعی فرماتے ہیں،

اولیاء اللہ پر ایسے احوال وارد ہوتے ہیں جن میں وہ آسمانوں اور دنیا کی ملکوت کا مشاہدہ کر لیتے ہیں، اور وہ انبیاء[2] کو مُردہ نہیں بلکہ زندہ دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موسیٰ علیہ السّلام کو قبر میں دیکھا، یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے، کہ جو چیزیں انبیاء کو بطور معجزہ عطا ہوئیں، وہی باتیں اولیاء اللہ کو بطور کرامت کے عطا ہو سکتی ہیں، بشرطیکہ وہ کسی چیلنج نہ کریں، پھر کہتے ہیں، کہ ان باتوں کا انکار وہی کرے گا۔ جو جاہل ہو گا۔ انبیاء کے زندہ ہونے کے متعلق علماء کے بہت سے صریح بیان موجود ہیں، ہم یہاں اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں،

---

[1] عفیف الدین عبد اللہ بن اسعد یافعی یمنی نزیل الحرمین الشریفین از کبار مشائخ بودہ عالم بودہ بعلوم ظاہری و باطنی ویرا تصانیف است از انجملہ تاریخ مرآۃ الجنان، و عبرۃ الیقظان فی معرفۃ حوادث الزمان و کتاب روض الریاحین فی حکایات الصالحین و کتاب الدر النظیم فی فضائل القرآن العظیم وغیر آں مات بعد ۷۵۰ھ (نفحات الانس)

[2] بارزی سے مراد قاضی شرف الدین بارزی ہیں، ✦

فصل

حدیث ..... اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ رُوْحِیْ .... پر بحث

اب رہی ایک اور حدیث جس کی روایت احمد نے اپنی مسند میں، ابوداؤد نے سنن میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس طریق پر روایت کی ہے کہ محمد عبدالرحمٰن المقری عن حیوۃ بن شریح عن ابی صخر عن یزید بن عبداللہ بن قسیط عن ابی ھریرۃ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اُرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَام

جو شخص بھی مجھے سلام بھیجتا ہے، تو چونکہ اللہ نے میرے لئے میری روح مجھے واپس دے دی ہوتی ہے، اس لئے میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں،

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس کے ظاہری الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے، کہ بعض اوقات آپکی روح مبارک آپکے جسد اطہر سے جدا ہوتی ہے، حالانکہ یہ مذکورہ بالا احادیث کے خلاف ہے۔

میں نے اس حدیث پر غور کیا ہے، مجھے مندرجہ ذیل جوابات سوجھے ہیں۔

پہلا جواب اور یہ جواب بہت قوی جواب ہے، کہ راوی کو حدیث کے کسی لفظ میں غلطی لگی ہے جس کیوجہ سے یہ اشکال پیدا ہوا ہے، علماء نے اس قسم کی غلطی کا ذکر کئی ایک احادیث کے سلسلہ میں کیا ہے، مگر چونکہ ایک حقیقی بات نہیں ہے، اس لئے اس دعویٰ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا،

دوسرا جواب یہ جواب بہت قوی جواب ہے، اور اسے وہی سمجھ سکتا ہے، جسے عربی زبان میں دسترس ہو، جواب یہ ہے کہ ردّ اللّٰه جملہ حالیہ ہے، اور قانون عربی کے مطابق جب حال جملہ ہو، اور فعل ماضی ہو تو وہاں "قَدْ" مقدر آتا ہے، جیسے اس آیت میں اَوْ جَآءُوْکُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ (اسی طرح اس آیت میں حَتّٰی اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا یعنی قَدْ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا) اسی طرح یہاں بھی چونکہ جملہ حالیہ فعل ماضی واقعہ ہوا ہے، اس لئے "قَدْ" کا لفظ مقدر مانا جائیگا، اور جملہ پر سلام کرنے والے کی سلام سے پہلے سمجھا جائیگا۔

نیز یہ کہ حتّٰی یہاں پر تعلیل کے لئے نہیں ہے، بلکہ محض حرف عطف ہے۔ جو واو کے معنی دے رہا ہے، اب حدیث کا مفہوم یوں ہوا، کہ

جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل ہی میری روح مجھے لوٹا دی ہوتی ہے، تو میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں،

اشکال صرف اس صورت میں پیدا ہوتا ہے، کہ ہم جملہ رَدَّ اللّٰهُ کو بمعنی حال اور مستقبل کے لیں اور حتّٰی کو تعلیلیہ مانیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس تقریر سے اشکال قطعی طور پر دور ہوجاتا ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی اس کی یوں تائید ہوتی ہے، کہ اگر اسے حال اور مستقبل کے معنی میں لیا جائے، تو سلام کرنیوالوں کی تکرار کے ساتھ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح کا بار بار لوٹایا جانا لازم آتا ہے۔ اور رُوح کے بار بار لوٹانے سے یہ لازم آتا ہے، کہ رُوح بار بار جُدا ہو اور رُوح کے جسم سے بار بار جدا ہونے سے مندرجہ ذیل قباحتیں لازم آتی ہیں،

الف:- بار بار رُوح کے نکلنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو تکلیف ہوگی، اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ تکلیف نہ ہوگی، تو کم از کم ایسی بات تو ضرور ہوگی، جو آپکی بزرگی کے منافی ہے۔

ب:- یہ شہداء وغیرہ کی شان کے خلاف ہے، کیونکہ ان کے متعلق کہیں بھی یہ بات نہیں آئی کہ برزخ میں ان کی رُوح بار بار جدا ہوتی ہے۔ اور پھر بار بار واپس آتی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو زیادہ حقدار ہیں، کہ آپ کی رُوح ہمیشہ کے لئے آپ کے جسم کے ساتھ رہے، اور یہی اعلیٰ مرتبہ ہے،

ج:- بار بار رُوح کا جدا ہونا، اور پھر بار بار جسم میں داخل ہونا، نص قرآنی کے خلاف ہے، اس لئے کہ قرآن میں فرمایا ہے، کہ انسان کے لئے دو بار مرنا اور دو بار جینا ہے، (نہ کہ بار بار) اور اس بار بار کے آنے اور جانے سے تو لازم آتا ہے، کہ کئی بار مرنا (اور کئی بار جینا) اور یہ باطل ہے،

د:- یہ مذکورہ بالا متواتر احادیث کے منافی ہے، اور جو حدیث قرآن اور متواتر احادیث کے خلاف ہو، ہمیں لازمی طور پر اس کی تاویل کرنا پڑے گی، اور اگر اس میں تاویل ممکن نہ ہو تو اسے باطل قرار دیا جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس حدیث کے وہی معنی مراد لئے جائیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے،

تیسرا جواب ضروری نہیں کہ یہاں پر "رَدّ" کے معنی رُوح کے جدا ہونے کے لئے جائیں بلکہ اس سے مطلق صیرورت مراد ہے، جیسا کہ شعیب علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ۔

(اگر ہم تمہاری ملت میں آجائیں تو پھر ہم نے اللہ پر افترا باندھ دیا)

چنانچہ عُوْد کے لفظ سے یہاں مطلق صیرورت مراد ہے، نہ کہ یہ کہ پہلے اُن کی ملت سے نکل گئے تھے، اور اب وُہ واپس آجائیں گے، اس لئے کہ شعیب علیہ السلام تو کبھی بھی ان کی ملت میں نہ تھے، اور یہاں تو اس لفظ کے استعمال میں ایک خوبی پائی جاتی ہے، اور وہ یہ ہے، کہ اسے لفظی مناسبت کے خیال سے لایا گیا ہے، کیونکہ بعد میں حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فرمایا ہے، لہٰذا ابتداء حدیث میں رَدَّ کا لفظ اس لئے لایا گیا ہے، کہ حدیث کے آخر میں جو "اَرُدَّ" کا لفظ آیا ہے، اس سے مطابقت ہو جائے (اور یہ قرآن مجید میں بہت کثرت سے پایا جاتا ہے مثلاً، اَللّٰهُ يَسْتَهْزِءُ بِهِمْ اور وَاِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا وغیرہ)

چوتھا جواب اور یہ بہت قوی جواب ہے، کہ رُوح کے لوٹانے سے مراد نہیں، کہ یہ بدن سے جدا ہو کر پھر واپس آتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو برزخ میں ملکوت کے احوال میں مشغول اور مشاہدہ الٰہی میں بعینہٖ اسی طرح مستغرق ہیں، جس طرح کے دنیا میں وبحالت وحی اور دیگر اوقات میں ہوتے تھے، لہٰذا اس مشاہدہ اور استغراق کی حالت سے افاقہ کو "ردّ رُوح" سے تعبیر کیا ہے بعض احادیث میں جو الفاظ اسرار کے طور پر آئے ہیں، ان کے

متعلق علماء کا یہی قول ہے، مثلاً (معراج کی حدیث میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ

فَاسْتَيْقَظْتُ وَ إِذَا أَنَا بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

(میں ہوش میں آیا تو اپنے آپ کو مسجد حرام میں دیکھا)

یہاں پر خواب سے بیدار ہونا مراد نہیں ہے، کیونکہ معراج خواب میں نہیں ہوئی (بلکہ بیداری میں ہوئی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد عجائب ملکوت کے مشاہدہ سے افاقہ ہے،

(سیوطی فرماتے ہیں کہ) کہ لفظ "رَدَّ" کی تاویل میں میرے نزدیک یہ سب سے قوی جواب ہے، پہلے میں دوسرے جواب کو ترجیح دے چکا ہوں۔ مگر اب یہی جواب میرے نزدیک زیادہ قوی ہے،

پانچواں جواب | اس "رَدَّ" سے بھی یہی لازم آتا ہے کہ آپ کی رُوح ہمیشہ کے لئے آپؐ کے پاس رہے، کیونکہ کوئی وقت ایسا نہ ہوگا، جبکہ دنیا میں کوئی نہ کوئی شخص آپؐ پر درود و سلام نہ بھیجتا ہوں، لہذا آپؐ کی رُوح کا بدن میں ہر وقت ہونا ضروری ہے،

چھٹا جواب | ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے بطور وحی کے بتایا گیا ہو، مگر بعد میں وحی کی گئی، کہ آپؐ قبر میں ہمیشہ زندہ رہیں گے، لہذا دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں پائی جاتی اس لئے کہ دونوں خبروں میں تقدم و تاخر ہے،

فاکہانی کا جواب | یہ وہ جوابات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سوجھا دئے۔ مجھ سے پہلے یہ جوابات کسی سے نقل نہیں کئے گئے، ان جوابات کے لکھنے کے بعد میں نے "تاج الدین فاکہانی مالکی کی کتاب الفجر المنیر فیما فضل بہ البشیر النذیر" کا مطالعہ کیا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں،

ترمذی میں روایت کی گئی ہے، کہ جب کوئی بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے، تو اللہ تعالیٰ میری رُوح کو مجھ پر لوٹا دیتے ہیں تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں،

اس حدیث سے یہ مفہوم نکلتا ہے، کہ آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں، اس لئے کہ یہ محال ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا وقت ہو، کہ آپؐ پر کوئی بھی درود و سلام نہ بھیج رہا ہو، خواہ دن ہو خواہ رات،

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ رَدَّ اللّٰهُ إِلَىَّ رُوحِي اور آنحضرت کا ہمیشہ کے لئے زندہ ہونا آپس میں مطابقت نہیں رکھتا اس سے تو یہ لازم آتا ہے، کہ ایک لحظہ کے اندر آپؐ کئی بار زندہ ہوں، اور کئی بار وفات پائیں اس لئے کہ کائنات میں کوئی لمحہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ کوئی بھی سلام نہ بھیجتا ہو، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، بلکہ ایک ہی لمحہ کے اندر متعدد لوگ سلام بھیج رہے ہوتے ہیں،

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مجاز کے طور پر رُوح سے نطق مراد لی گئی ہے، گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے، إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ إِلَىَّ نُطْقِي مگر آنحضرت دائمی طور پر زندہ ہیں، اور آپؐ کے زندہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ آپ گویا بھی ہوں، اللہ تعالیٰ ہر سلام کرنیوالے کے سلام کیوقت قوت نطق آپؐ کو عطا کر دیتے ہیں

یہاں پر رُوح کا مجازاً بمعنی نطق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نطق کا دارو مدار رُوح پر ہے، جیسا کہ نطق کے ہونے سے رُوح کا ہونا لازم آتا ہے، خواہ یہ نطق بالفعل ہو، یا بالقوۃ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لازم و ملزوم میں سے ایک کا ذکر کیا، اور مراد لیا دوسرا، اور یہ بات تحقیق شدہ امر ہے، کہ رُوح دوبارہ سے زیادہ لوٹ کر نہیں آئیگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ، خدایا تو نے دوبار ہمیں موت دی اور دوبار زندہ کیا،

شیخ تاج الدین کے بیان کے یہی الفاظ ہیں، ان کا یہ جواب میرے بیان کردہ جوابات سے مختلف ہے، لہٰذا یہ ساتواں جواب ہوا، مگر جواب میرے نزدیک درست نہیں ہے، کیونکہ اس کی ظاہر عبارت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں زندہ ہونے کے باوجود بعض اوقات نہیں بول سکتے، اور یہ نطق اس وقت انہیں عطا کیا جاتا ہے، جب کوئی سلام کرنے والا انہیں سلام کرتا ہے، اور یہ قید لگانا بہت قبیح بلکہ ممنوع ہے، اس لئے کہ عقل اور نقل دونوں اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں، نقل اس کے خلاف اس لئے کہ جو روایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کے برزخ میں حالات کے متعلق وارد ہوئی ہیں، وہ اس بات کی تصریح کرتی ہیں، کہ انبیاء برزخ میں، جیسا چاہیں بولتے ہیں، اور انہیں کسی بات سے روکا نہیں جاتا، کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ کسی کو برزخ میں بولنے سے منع کیا جاتا ہے، سوائے اس شخص کے جو بغیر وصیّت کے مرے، چنانچہ ابوالشیخ بن خباز نے کتاب الوصایا میں قیس بن قبیصہ سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وصیّت نہیں کرے گا، اسے مردوں سے بات کرنے کی اجازت نہیں دی جائیگی،

کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا مُردے بھی بولتے ہیں؟

فرمایا: ہاں بلکہ ایک دوسرے کی زیارت کے لئے بھی آتے جاتے ہیں،

تقی الدین سبکی کا بیان شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں، انبیاء اور شہداء قبروں میں اسی طرح زندہ ہیں جس طرح وہ دنیا میں تھے، موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے، اس لئے کہ نماز کے لئے زندہ جسم کا ہونا ضروری ہے (ورنہ نماز کیسی؟) اسی طرح معراج کی رات میں انبیاء کی جو صفات ذکر کی گئی ہیں، وہ سب کی سب اجسام کی صفات ہیں، ان کے حقیقی معنوں میں زندہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا، کہ جس طرح دنیا میں انہیں کھانے پینے کی ضرورت تھی اسی طرح وہاں بھی ہو، اب رہے ادراکات مثلاً علم اور قوت سمع وغیرہ تو اس میں کوئی شک نہیں، کہ یہ انہیں حاصل ہوں گی اور یہی حال باقی مُردوں کا بھی ہے انتہی،

عقلی طور پر اس طرح کہ بعض اوقات انہیں نطق سے روک دینا ایک قسم کی قید اور عذاب ہے، یہی وجہ ہے کہ تارک وصیّت کو یہ سزا دی جائیگی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی باتوں سے منزّہ ہیں، لہٰذا منع نطق آپ کے مناسب حال نہیں، اور نہ ہی وفات کے بعد آپ پر کسی قسم کی ممانعت کی جاسکتی ہے، جیسا کہ آپ نے اپنی مرض الموت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کہا، لاکَرْبَ عَلٰی اَبِيْكِ بَعْدَ الْيَوْمِ، آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی

جب شہداء اور عام مومنین باستثناء ان لوگوں کے جنہیں عذاب دیا جائیگا۔ نطق سے روکے نہیں جا سکتے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیونکر نطق سے روکا جا سکتا ہے،

۹۔ جواب ہاں تاج الدین کے بیان سے ایک اور جواب نکلتا ہے، جسے ہم دوسرے طرز میں بیان کرتے ہیں، اس طرح کہ روح سے مراد نطق ہے، اور ردّ سے مراد بدستور رہنا ہے، بغیر اس کے کہ کسی قسم کی جدائی ہو، جیسا کہ تیسری وجہ میں بیان کیا گیا، اس طرح اس حدیث میں دو مجاز پائے گئے، ایک مجاز "ردّ" کے لفظ میں اور دوسرا لفظ "روح" میں، پہلا استعارہ تبعیہ ہے، اور دوسرا مجاز مرسل، مگر جو کچھ میں تیسری وجہ میں بیان کر چکا ہوں، اس کے مطابق صرف لفظ ردّ میں صرف ایک مجاز ہوگا، اس جواب سے ایک اور جواب پیدا ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے، کہ روح سے کنایہ کے طور پر سمع مراد لی جائے اور مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ انہیں وہ خارق عادت قوت شنوائی عطا کر دیتے ہیں، کہ آپؐ سلام کہنے والے کی آواز کو خواہ وہ کتنا ہی دور کیوں نہ ہو، سن لیتے ہیں، اور کسی پہنچانے والے کے واسطہ کے بغیر اس کا جواب بھی دیتے ہیں، یہاں معتاد قوت سمع مراد نہیں، دنیا میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی حالت تھی کہ آپؐ خارق عادت باتیں سن لیتے تھے چنانچہ آپؐ آسمان کے چرچرانے کی آواز (اطیط السماء) سن لیتے تھے، جیسا کہ کتاب المعجزات میں ذکر کیا جائیگا، مگر بعض اوقات یہ حالت نہ رہتی (یعنی آپ ایسی آواز نہ سنتے تھے،) مگر پھر لوٹ آتی اور آپؐ کو اس سے کوئی چیز روک نہ سکتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برزخ میں بعینہٖ وہی حالت ہے، جو دنیا میں تھی،

۱۰۔ جواب اس سے ایک اور جواب بھی نکلتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ روح سے مراد معتاد قوت سمع ہے، اور ردّ سے مراد ملکوتی استغراق اور مشاہدہ حق سے افاقہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت ان لوگوں کی طرف مخاطب ہونے کیلئے مشاہدہ سے لوٹا دیتے ہیں، جو آپؐ پر سلام بھیجتے ہیں، لہٰذا جب آپؐ اس کا جواب دے دیتے ہیں، تو پھر اپنی حالت کیطرف لوٹ جاتے ہیں،

برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاغل اس سے پھر ایک اور جواب نکلتا ہے، اور وہ یہ کہ "ردّ روح" سے مراد یہ ہے کہ آپ برزخ میں جن اعمال میں مشغول ہیں، مثلاً امت کے اعمال میں نظر کرنا، سیئات سے ان کیلئے استغفار کرنا۔ ان سے مصائب دور کرنے کی دعا کرنا، اطراف زمین میں برکت کیلئے آمد و رفت رکھنا اور آپؐ کی امت میں سے جو صالحین مر جاتے ہیں، ان کے جنازہ پر حاضر ہونا وغیرہ، ان سے آپؐ کو فراغت حاصل ہو جانے، برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی امور میں جن کا ہم نے ذکر کیا مشغول رہتے ہیں، جیسا کہ حدیث اور آثار میں آیا ہے، اور چونکہ آپ پر سلام بھیجنا سب سے افضل عمل اور سب سے بڑا قربت کا سبب ہے، اس لئے آپؐ پر درود و سلام بھیجنے والے کیلئے یہ خاص عنایت ہوگی، کہ آپؐ اس کو شرف بخشنے اور جزاء دینے کیلئے اپنے اہم مشاغل سے فارغ ہو کر اسکی طرف توجہ دیں،

یہ کل دس جواب ہیں جنہیں میں نے خود استنباط کیا ہے، چنانچہ جاحظ کہتے ہیں۔ کہ جب علماء اور حفاظ آپس میں ملتے ہیں تو ان سے عجیب و غریب باتیں پیدا ہوتی ہیں،

گیارھواں جواب:۔ اس کے بعد مجھے گیارھواں جواب سمجھ میں آیا، کہ روح سے مراد روح حیات نہیں۔ بلکہ خوشی مراد ہے

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فَرُوْحٌ وَّرَيْحَانٌ" کیونکہ اس آیت میں رُوح کی راء پر ضمہ (پیش) پڑھی گئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام بھیجنے والے کے سلام سے خوشی و خرمی حاصل ہوتی ہے، اس لئے کہ آپؐ اسے پسند کرتے ہیں۔ اور یہ خوشی آپ کو اس کا جواب دینے پر آمادہ کرتی ہے۔

بارھواں جواب رُوح سے وہ رحمت مراد ہے، جو درود کے ثواب کے طور پر اس پر مترتب ہوتی ہے

ابن الاثیر نے نہایہ میں لکھا ہے۔ غالب خیال یہی ہے، کہ رُوح سے وہی رُوح مراد ہے جس سے جسم قائم ہوتا ہے، اور رُوح کا لفظ قرآن، وحی، رحمت اور جبرئیلؑ کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ انتہی۔

ابن المنذر کا بیان ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں حسن بصریؒ سے روایت کی ہے، کہ انہوں نے فَرُوْحٌ وَّرَيْحَانٌ میں رُوح کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، اور لکھا ہے کہ رُوح سے مراد رحمت ہے۔

اس سے پہلے حضرت انسؓ کی روایت سے، بیان کیا جا چکا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درود اس طرح پہنچتا ہے، جس طرح تحفے اور ثواب تمہیں پہنچتے ہیں، اور یہاں ثواب سے مراد درود کا ثواب ہے، جو اللہ کی رحمت اور انعامات کی صورت میں پہنچتا ہے،

تیرھواں جواب اس کے بعد مجھے ایک اور تیرھواں جواب ذہن میں آیا، کہ "رُوح" سے مراد وہ فرشتہ ہے جو آپ کی قبر پر مقرر کیا گیا ہے، اور جو امت کا سلام آپؐ تک پہنچاتا ہے، اور رُوح کا لفظ جبرئیل کے علاوہ دیگر ملائکہ کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے،

راغب کہتے ہیں کہ اشراف ملائکہ کو بھی رُوح کہا جاتا ہے، انتہی

لہٰذا رَدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ رُوْحِیْ کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس فرشتے کو جو میری قبر پر متعین ہے، میری طرف بھیج دیتے ہیں: تاکہ وہ مجھے سلام پہنچادے،

یہ وہ جوابات ہیں۔ جو میری سمجھ میں آئے انتہیٰ۔

تنبیہ:۔ شیخ تاج الدین کے بیان میں دو ایسی باتیں ہیں جن پر تنبیہ کرنا ضروری ہے، اوّل یہ کہ انہوں نے اس حدیث کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ یہ غلط ہے۔ صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے صرف ابوداؤد نے اس کی روایت کی ہے، جیسا کہ حافظ جمال الدین مزی نے اطراف میں ذکر کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ انہوں نے اس حدیث کو رَدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ، کے الفاظ سے روایت کیا ہے، اور یہ روایت زیادہ لطیف اور زیادہ مناسب ہے، اس لئے کہ دونوں صلوں (اِلٰی اور عَلٰی) میں لطیف فرق پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ جب رَدَّ کا صلہ عَلٰی آئے۔ تو یہ ذلیل و حقیر سمجھ کر لوٹا دینے کے معنوں میں آتا ہے، اور اگر اِلٰی ملا ہے تو با عزت طور پر لوٹانے کے معنوں میں آتا ہے، چنانچہ صحاح میں ہے۔ کہ رَدَّ عَلَيْهِ الشَّيْءَ اِذَا لَمْ يَقْبَلْهُ، رَدَّ عَلَيْهِ الشَّيْءُ اس وقت بولتے ہیں، جب اسے کوئی قبول نہ کرے اور رَدّ کرد۔ اور اسی طرح کہتے ہیں رَدَّ عَلَيْهِ اِذَا اَخْطَأَهُ جب کسی کی بات کو غلط قرار دیں تو رَدَّ عَلَيْهِ بولتے ہیں اور کہتے

ہیں رَدَّہٗ اِلٰی مَنْزِلِہٖ وَرَدَّ اِلَیْہِ جَوَابًا اَیْ رَجَعَ ، راغب کہتے ہیں ، یہ آیات پہلے معنی میں آئی ہیں۔
(۱) یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ (۲) رُدُّوْھَا عَلَیَّ (۳) نُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا اور دوسرے معنوں میں یہ آیات ہیں ،
(۱) فَرَدَدْنٰہُ اِلٰٓی اُمِّہٖ (۲) وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْھَا مُنْقَلَبًا ،
(۳) ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ (۴) ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰھُمُ الْحَقِّ ط

فصل

راغب کہتے ہیں ، کہ رَدَّ کے ایک معنی سپرد کر لے کے ہیں ، چنانچہ کہتے ہیں رَدَدْتُ الْحُکْمَ فِیْ کَذَا اِلٰی فُلَانٍ اَیْ فَوَّضْتُہٗ ، میں نے فیصلہ فلاں کے سپرد کر دیا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ، فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ ، اگر وہ اسے رسول اور اُولی الامر پر چھوڑ دیں

چوتھا جواب (یہاں) ، اس حدیث کا چوتھا جواب نکل آتا ہے ، کہ رَدَّ اللّٰہُ اِلَیَّ رُوْحِیْ سے مراد یہ ہے ، کہ اللہ تعالیٰ سلام کرنیوالے کے سلام کا جواب دینا آنحضرت پر چھوڑ دیتے ہیں ۔ اور رُوْحِیْ سے مراد رحمت ہے اور اللہ کی طرف سے صلاۃ کے معنی رحمت کے ہیں ، گویا کہ جو سلام بھیج رہا ہے ، وہ اللہ کی رحمت کا طلبگار ہو رہا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی تحقیق ہو جائے کہ جو شخص ایکبار مجھ پر درود بھیجے گا ۔ اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائیگا ۔ اور اللہ کی طرف سے صلاۃ کے معنی رحمت کے ہیں ، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس رحمت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چھوڑ رہا ہے ، تاکہ آپؐ سلام بھیجنے والے کے لئے دعا کریں ، اور آپ کی دعا قطعی طور پر مستجاب ہوگی ۔ اور اس طرح کہ رحمت سلام بھیجنے والے کو حاصل ہوگی ۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا اور سلام کی برکت کیوجہ سے ہوگی ۔ اور یہ ایک لحاظ سے سلام بھیجنے والے کے سلام کو قبول کرتے اور اس کو جواب دینے کی سفارش ہوگی ، اس طرح رُوحی میں جو اضافت ہے " اضافت با دنیٰ ملابست " ہوگی ، یہ اسی طرح ہے جس طرح شفاعت والی حدیث میں آیا ہے (کہ انبیاء) شفاعت کے معاملہ کو ایک دوسرے پر چھوڑیں گے ۔ یہاں تک کہ بات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ جائے گی ۔

معراج والی حدیث میں ہے ، کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی ، تو مجھے ابراہیم وموسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام ملے ، اور انہوں نے قیامت کا ذکر چھیڑ دیا بالآخر انہوں نے بات ابراہیم علیہ السلام پر چھوڑ دی اور انہوں نے جواب دیا : مجھے اس کا کوئی علم نہیں ، پھر موسیٰ علیہ السلام پر چھوڑا ۔ انہوں نے بھی یہی کہا ۔ کہ مجھے کوئی پتہ نہیں ۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چھوڑا ۔

مختصر یہ کہ اس صورت میں حدیث کے معنی یہ ہیں ۔ کہ اللہ تعالیٰ رحمت کا معاملہ جو میری وجہ سے سلام بھیجنے والے کو حاصل ہوگی مجھ پر چھوڑ دیتے ہیں ، تو میں خود یہ لفظ پکارتا ہوں ۔ اس طرح کہ میں اس سلام اور دعا کے مقابلہ میں

اس کے جواب میں سلام کا لفظ بولتا ہوں

پندرھواں جواب اس کے بعد مجھے پندرھواں جواب فہم میں آیا۔ کہ روح سے مراد وہ رحمت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں امت کیلئے پائی جاتی ہے، نیز وہ رحمت جو آپ کی جبلت میں شامل ہے، بعض اوقات آپ اُن لوگوں پر ناراض ہوتے ہیں جن کے گناہ زیادہ ہو جائیں، اور وہ محرمات کے مرتکب ہوں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا گناہوں کی مغفرت کا سبب ہوتا ہے، جیسا کہ آپؐ نے فرمایا۔

إِذاً تُكْفَىٰ هَمَّكَ وَ يُغْفَرُ ذَنْبُكَ ،

(اس طرح تمہیں غم سے محفوظ رکھا جائیگا اور تمہارے گناہ معاف کئے جائینگے)

لہذا آپؐ نے یہ بتایا ہے، کہ جو کوئی بھی آپؐ پر سلام بھیجتا ہے، خواہ اس کے گناہ کس قدر زیادہ کیوں نہ ہوں، آپؐ کی فطری رحمت آپؐ کے پاس لوٹ آتی ہے، اور آپؐ بنفس نفیس اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اور اس کے پہلے گناہ آپؐ کو اس کے سلام کا جواب دینے سے روک نہیں سکتے،

یہ عمدہ فائدہ ہے اور بہت بڑی بشارت ہے۔ اور یہ فائدہ نفی کے موقعہ پر مِنْ استغراقیہ کے لانے سے حاصل ہوتا ہے۔ لہذا اس مِنْ کے زائد لانے سے اس بات کی بھی نفی ہو گئی، کہ یہاں عام کا ذکر ہے، اور خاص مراد ہے، (بلکہ مِنْ کے آنے سے عام ہی مراد ہے)

یہ وہ تمام جوابات ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالے۔ اور اگر اس کے بعد کوئی اور جواب سمجھ میں آیا تو وہ بھی اس کے ساتھ شامل کر لیا جائے گا۔

اس کے بعد میں نے اس حدیث کو بیہقی کی کتاب حیوٰۃ الانبیاء میں ان الفاظ میں مروی پایا وَقَدْ رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوحِي انہوں نے قَدْ کا لفظ صراحتہً ذکر کر دیا ہے۔ اس پر میں نے خدا کا بہت شکریہ ادا کیا۔ اور یہ بات پختہ ہو گئی، کہ جس روایت میں قَدْ کا لفظ نہیں آیا۔ وہاں قَدْ کو محذوف مانا جائے گا۔ اور یہ مانا جائیگا، کہ راویوں کے تصرف سے قَدْ کا لفظ محذوف ہو گیا۔ میں نے دوسرے جواب میں اسی جواب کو پسند کیا ہے، اور اب تو اس روایت کی وجہ سے وجہ ترجیح بھی معلوم ہو گئی۔ لہذا یہی جواب سب سے قوی ہے۔ اس بنا پر اس حدیث سے مراد یہ ہے، کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ آپؐ کی روح ہمیشہ کے لئے لوٹا دیتے ہیں، اور آپؐ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی آپؐ کو سلام بھیجے تو چونکہ آپؐ زندہ ہیں، اس لئے آپؐ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، لہذا یہ حدیث ان احادیث کے مطابق ہو گئی جن میں بتایا ہے، کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں، اور یہ کہ یہ حدیث من جملہ ان احادیث کے ہے، اور کسی طرح بھی ان کے مخالف نہیں ہے،

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ

چنانچہ حافظین حدیث فرماتے ہیں، اگر ہم حدیث کو ساٹھ طریقوں سے نہ لکھیں تو ہم اسے سمجھ ہی نہ سکیں، اس لئے کہ مختلف طرق میں ایک دوسرے کی روایت پر کچھ نہ کچھ زیادتی پائی جاتی ہے، کبھی متن کے الفاظ میں اور کبھی اسناد میں اس طرح جو باتیں ناقص طرق سے واضح نہیں ہوتیں۔ وہ اس طرق سے واضح ہو جاتی ہیں جن میں زیادتی پائی

جاتی ہو۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ، یہاں پر کتاب اِنباءُ الاذکیا ، فی حیاۃ الانبیاء ختم ہو جاتی ہے۔
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ سَیِّدِنَا وَ
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَوْلَادِہٖ
وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ
رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اس کتاب کی کتابت تقریباً ہو چکی تھی، کہ گجرات میں ایک واقع رونما ہوا، جس کا ذکر مغربی پاکستان کے تمام اردو اخباروں نے کیا۔ چنانچہ روزنامہ "جنگ" کراچی مورخہ ۸ ر اکتوبر صفحہ ۶ کالم ۶ ر پر مندرجہ ذیل خبر شائع ہوئی۔

ساڑھے تین سو سال بعد بزرگوں کی لاشیں تر و تازہ حالت میں

گجرات ۶ ر اکتوبر تھانہ جلال پور میں وہاں کے ایک گاؤں ماہی وال میں دو بزرگوں کے مزار عوام کی توجہ کے مرکز بنے ہوئے ہیں، معلوم ہوا ہے کہ حالیہ بارش سے دریائے چناب کا پانی اس گاؤں میں آگیا۔ اور دو بزرگوں کی قبروں سے دو صندوق باہر آگئے، جن میں ان کو ۳ ½ سو برس پہلے دفن کیا گیا تھا، بزرگوں کے نام سید مافن شاہ اور سید معصوم شاہ صاحب ہیں، مافن شاہ صاحب عمر رسیدہ بزرگ تھے، اور سید معصوم شاہ صاحب ۱۴ برس کی عمر میں وفات پا گئے تھے، ان بزرگوں کی لاشوں کے صندوق کو کھولا گیا، تو لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے، کہ بزرگوں کے جسم تر و تازہ ہیں، سر، ڈاڑھی اور آنکھوں کے بال بھی سلامت ہیں، ان کو پھر سے غسل دیا گیا، اور کفنانے کے بعد نماز جنازہ ادا کی گئی اور نئے سرے سے دفن کر دیا گیا۔

مصادر

۱۔ اجتماع الجیوش الاسلامیہ علیٰ غزو المعطلۃ والجہمیہ لابن قیم، طبع ادارۃ الطباعۃ المنیریہ

۲۔ احکام القرآن، از محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن احمد المعروف بہ ابوبکر ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ طبع مصر

۳۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر العسقلانی مطبوعہ حیدرآباد دکن

۴۔ امداد الفتاویٰ ... از اشرف علی تھانویؒ

۵۔ انباہ الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ..... للسیوطی

۶۔ انفاس العارفین .... از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۵ھ،

۷۔ انوار التنزیل واسرار التاویل ...... از قاضی ناصر الدین ابوسعید عبد اللہ بن عمر البیضاوی متوفی ۶۸۵ھ۔

۸۔ بخاری، صحیح بخاری مع فتح الباری .... طبع مصر،

۹۔ البدایہ والنہایہ، لعماد الدین ابی الفداء اسمٰعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی متوفی ۷۷۴ھ، مطبعۃ السعادۃ مصر

۱۰۔ البدور السافرہ با مور الآخرہ از حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، مطبعہ محمدی لاہور ۱۸۹۳ء ۱۳۱۱ھ

۱۲۔ تحفۃ الاحوذی علیٰ جامع ترمذی از عبد الرحمٰن مبارکپوری۔ مطبعہ جید برقی پریس دہلی،

۱۳۔ ترجمان السنہ از مولوی بدر عالم میرٹھی، طبع ندوۃ المصنفین دہلی،

۱۴۔ تفسیر خازن طبع مصر،

۱۵۔ تفسیر ابن کثیر از ابوالفداء ابن کثیر القرشی متوفی ۷۷۲ھ

۱۶۔ تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۱۴۳ھ تا ۱۲۲۵ھ) مطبعہ ندوۃ المصنفین دہلی ومجلس اشاعت العلوم حیدرآباد، دکن،

۱۷۔ تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی متوفی ۸۵۲ھ مطبوعہ حیدرآباد،

۱۸۔ جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب از شیخ عبد الحق دہلوی، ۱۰۵۲ھ مطبوعہ قدوسی ۱۲۷۳ھ،

۱۹۔ الجواب الفسیح لما لفقہ عبد المسیح از ابوالبرکات خیر الدین آفندی الآلوسی فرزند صاحب روح المعانی مطبعہ اسلامیہ لاہور

۲۰۔ حیاۃ الانبیاء از بیہقی

۲۱۔ حیات الموات فی بیان سماع الاموات، از مولانا احمد رضا خان بریلوی مطبوعہ مطبع اہل سنت وجماعت دہلی بار دوم

۲۲۔ خزینۃ المعارف، اردو ترجمہ ابریز از ڈاکٹر پیر محمد حسن، طبع لاہور،

۲۳۔ الخصائص الکبریٰ للسیوطی طبع حیدرآباد،

۲۴۔ الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ) {طبع ہندوستان الیکٹرک پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۱۷۲ھ}

۲۵ - رسالہ قشیریہ از حافظ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری متوفی ۴۶۵ھ مطبع مصطفیٰ بابی ،
۲۶ - روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ
۲۷ - الروض الأنف از ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی متوفی ۵۸۱ھ ، مطبع جمالیہ مصر ۱۳۳۲ھ ، ۱۹۱۴ء
۲۸ - زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ، لابن قیم الجوزیہ (۶۹۱ھ تا ۷۵۱ھ) ، مطبع محمد علی صبیح سیدان الازہر ۱۹۳۷ھ ،
۲۹ - زرقانی شرح مواہب اللدنیہ از محمد بن عبدالباقی مالکی متوفی ۱۱۲۲ھ ، طبع مصر ،
۳۰ - سبل السلام شرح بلوغ المرام از محمد بن اسمٰعیل الامیر الیمنی الصنعانی متوفی ۱۱۸۲ھ ، طبع مصر
۳۱ - سیرۃ ابن ہشام ، طبع مصر ،
۳۲ - شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ والقبور ، از حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ مطبع محمدی ، لاہور ،
۳۳ - شرح ترمذی ، از قاضی ابوبکر ابن العربی ، طبع مصر ،
۳۴ - شرح التعرف لمذہب التصوف ، از ابو ابراہیم بن اسمٰعیل بن محمد بن عبداللہ المستملی بخاری متوفی ۴۳۴ھ طبع نولکشور ۱۳۲۸ھ ،
۳۵ - شرح مشکوٰۃ فارسی ، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبع مصطفائی ۱۲۸۳ھ ،
۳۶ - صحیح مسلم مع نووی ، طبع مصر ،
۳۷ - طبقات ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ ، اردو ترجمہ از عبداللہ العمادی ، طبع حیدرآباد ، دکن ۔
۳۸ - فتاویٰ دار العلوم دیوبند ،
۳۹ - الفتاویٰ الحدیثیہ لخاتمۃ الفقہاء والمحدثین شہاب الدین ابن حجر المکی الہیثمی (۹۰۹ھ تا ۹۷۴ھ) مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی
۴۰ - فتح الباری شرح بخاری ، از حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ، طبع مصر ،
۴۱ - فتح القدیر ، تفسیر از محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی ثم الصنعانی متوفی ۱۲۵۰ھ ،
۴۲ - الفتح المبین ، از سید ظہیر الدین قادری ، طبع مصر ،
۴۳ - فتوحات مکیہ ، از شیخ اکبر محی الدین ابن عربی ، طبع مصر
۴۴ - فیض الباری از سید انور شاہ کشمیری ، عربی ترجمہ از مولوی بدر عالم میرٹھی ،
۴۵ - الکامل فی التاریخ ، لابی الحسن علی بن ابی المکرم محمد بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی المعروف
بابن الاثیر الجزری ، متوفی ۶۳۰ھ ، مطبع الاستقامہ ۔ مصر ۔
۴۶ - کتاب الروح ، از شیخ الاسلام شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن القیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ ، طبع حیدرآباد ، دکن ۱۳۵۷ھ
۴۷ - کتاب جامع کرامات اولیاء ، از یوسف بن اسمٰعیل نبہانی ، طبع مصر ۔
۴۸ - لواقح الانوار فی طبقات الاخیار للشعرانی ، طبع مصر ۔
۴۹ - مؤطا امام مالک مع شرح تنویر الحوالک از سیوطی مطبعہ مصطفیٰ محمد ، مصر ۔
۵۰ - مبدأ و معاد ، از شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴ھ ، مطبع مجددی امرتسر ۱۳۳۰ھ ،

۵۱ . مدارج النبوۃ ، از شیخ عبد الحق دہلوی ، مطبع نولکشور ،
۵۲ . مشارق الانوار فی فوز اہل الاعتبار ، از شیخ حسن العدوی الحمزاوی ، مطبع الشرق ، مصر
۵۳ . معالم التنزیل بغوی برحاشیہ خازن ، طبع مصر ،
۵۴ . مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ، اردو ترجمہ از حافظ محمد عبد الکریم ،
۵۵ . المنتظم لابی الفرج عبد الرحمٰن ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ ، طبع حیدر آباد ، دکن ،
۵۶ . نسیم الریاض شرح شفاء عیاض ، از شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ ، طبع مصر ،
۵۷ . نقش حیات ، یعنی خود نوشت سوانح حسین احمد مدنی ،
۵۸ . نووی شرح مسلم از محی الدین یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۳۱ھ طبع مصر ،
۵۹ . وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ از سید نور الدین علی بن جمال الدین ابو المحاسن المعروف بہ سید سمہودی متوفی ۱۰۱۱ھ ، طبع مصر ۱۳۲۶ھ ،

۶۰ . دلائل النبوۃ ، از ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصفہانی متوفی ۴۳۰ھ . طبع ثانیہ ، حیدر آباد ، ۱۳۶۹ھ ، ۱۹۵۰ء

امام احمد بن محمد قسطلانی ، مصنف المواہب اللدنیہ متوفی ۹۲۲ھ

اسماء الاعلام

ا

خ

د

ذ

ر

ز

س

ش

ص

ض

ط

ع

غ

ف

ق

اَسْمَاءُ الکُتُب

ا

ب

ت

ج

ح

خ

د

ر

ز

س

ش

ص

ط

ع

غ

ف

ق

ک

اَمکِنَہ وَ قَبائِل

ش

ط

ع

غ

ف

ق

ک

م

ن

و

ی

affect his admission to the Medical College. All of us therefore got worried. My sister Aisha says that the same night she dreamt that we all brothers and sisters were sitting and discussing the case of Naeem. Najeeb was also with us. He smiled and said that this problem would not be solved in this way. You would have to do this for it. Aisha says that she said to Najeeb "I have not understood what you have said". Thereupon Najeeb took a paper and started writing an application on it. When Aisha tried to read what was written on the paper she woke up and faintly remembered that Najeeb had written an application to the GHQ. Accordingly we made an application to the GHQ from where orders were received that the lectures of Naeem be completed and the certificate of NCC be issued to him. Later Naeem was admitted to the King Edward Medical College, Lahore.

Without going into the nature of the dream phenomenon or its interpretation, or what connection dreams have with our life, or how far the information conveyed through a dream is factual, I would only repeat the saying of the Holy Prophet (peace be upon him) that dream is the 46th part of Prophethood which means that dreams do have some substance. The discussion about dreams is intended to unravel the connection between body and soul. During sleep our senses lose contact with the phenomenal world but even so we do all things in sleep- meeting and talking to people and exchanging things with them. Sleep is the sister of death. Just as soul is freed after death, so does it escape the shackles of senses during sleep[1] or meditation and goes on tour during which it meets those souls to whom it is related. On the contrary those souls who are related to us meet our finery body. This is the reason that I being twenty thousand kilometers away from Pakistan, meet Najeeb whenever I wish. Najeeb also frequently meets me. It is really surprising that we do meet each other. Najeeb met me not only in Pakistan but at every place in London, Glassgow, Cairo, New York and Washington. Whenever I go to a park, river or seashore Najeeb meets me, talks to me and gives information. These are the spiritual experiences which were unravelled to me or I traced them out after the death of my brother Najeeb.

God knows best

Islamics International USA Inc.
1377 K Street NW 132
Washington DC 20005 USA

Dr. Naveed Ahmad Qureshi

1. Allah receiveth (men's) souls at the time of their death, and that (soul) which dieth not (yet) in its sleep. He keepth that (soul) for which he hath ordained death and dismisseth the rest till an appointed term. Lo! herein verily are portents for people who take thought". (The Quran 39:42).

Najeeb came to me. He was wearing white clothes. He smiled and consoled me "Nothing will go wrong with Daddy. Whatever was to happen I have taken over to myself. I am very happy here" (These were the exact words spoken by him). I suddenly startled up. My body was very heavy. I felt my legs benumbed. I at once stood up. I had hardly gone a few steps when I felt as if Najeeb passed by me and disappeared in the flowers across the lake. My heart was fully satisfied that nothing would go wrong with Daddy. Almighty had informed me through Najeeb. The disturbed state of mind in which I was before this was gone. I felt a strange sort of joy. I thanked Almighty whose decrees are incomprehensible to us. I returned to the hospital at 9 o'clock. Doctor Bryn Williams informed me that the operation had been a complete success. Simultaneously he also told me that it was rather a complicated operation. The impression on his face intrigued to show how hard he had to struggle to save the life of my father. When there are equal chances of life and death it is only and only Almighty who is in control of everything and his power is absolute.

It was on 25th March 1988 that Najeeb met me in Washington in my apartment. I did not at all realise that he was not among us. I asked him "Najeeb, when have you come" He replied that he was there for the past two months. He was fed up with Pakistan. He then joyfully told me that he had been issued a driving licence also. I asked him as to how he got it. He said he had got it anyway. I told him that if you want to stay here don't do anything illegal. Then we found ourselves in my room and both of us lay down and went to sleep covering ourselves with a red sheet. But in reality I woke up. It was 5 o'clock in the morning. The surprising thing was that I too had arrived in Washington two months back. I had passed the eye-sight and driving tests. A few days after I was issued driving licence. I too had determined that I would never do any illegal act. I also had got fed up with Pakistan and gone over to America.

Najeeb died on 7th October 1986. Those were terrible days. My father was seriously ill. According to Angiography report he was suffering from tripple vessel coronary artery disease involving left mainstem. The doctors advised him to hurry with his by-pass operation abroad. Even the lightest shock could prove fatal for him. And then there was another bolt from the blue - a calamity stunning and terrible, which for us at least meant the end of the world. During the perilous condition in which he was, he first brought his injured son in an ambulance from Jhelum to the hospital at Lahore and then brought his dead-body from the hospital to his house. It was an ordeal-nerve raking terrible catastrophic. The whole of the family was all worry all the time for him. During this while, my mother dreamt that it was night time and she was going from the bed-room to the kitchen. The veranda was dark. In order to put on the light she stepped forward towards the switch-board but tottered and was about to fall. Najeeb, who as usual was sitting on the dinning table in the veranda, hastily stood up and caught, smilingly, his mother in his arms. Thereafter she awoke and was convinced that as a result of Najeeb's support, nothing would happen to his father who would survive. Mother says that even now whenever she thinks of the said dream, she feels the touch of the hands of Najeeb on her wrists.

During the days when Najeeb died, my younger brother Naeem was a student of F.Sc. in the Government College, Lahore. One day he told the family that his lectures for NCC had run short. He therefore would not be able to join the passing out parade nor would he be issued a certificate of NCC. This was likely to adversely

of brain haemorrhage. I was surprised at this episode because Najeeb had told me all about it a few days back and it had come about exactly as he had foretold.

It happened in November 1986. We were digging a new the foundations of the grave of Najeeb for its solid construction. As we had to dig deeper, we removed the slab from the grave of Najeeb and saw that although his deadbody was still wrapped in the coffin but it was visibly as fresh as ever and the whole grave was full of fragrance. At that moment my brother Nadeem, my cousin Taukeer and my uncle Zafar Iqbal Qureshi were also present. The mason pointedly said that he had built many graves but had never seen such a sight. Normally, a few days after the burial the grave begins to stink. But in this case the deadbody is fresh and the grave fragrant even after a month and a half. I was reminded of the verse of the Holy Quran where Almighty has made a mention of the Prophets, the truthful, the martyrs and the righteous ones.[1] I was sure of the Prophets and the martyrs being alive after death and that the earth does not consume their dead bodies. Now I had witnessed this phenomenon about the truthful and the righteous. Najeeb was my younger brother. Every moment of his life, from birth to death, is before my eyes. We had lived in the same house rather in the same room and I can say with utmost certainty that he always spoke the truth (*Siddique*) and always shunned evil (*Salih*). The whole of his life was unblemished by falsehood and commission of sins. On seeing the condition of his dead body in the grave I stood already convinced that he was a martyr. Barring Prophethood, he had in the light of the above, attained to the noble stations of the truthful (*Siddique*) martyr (*Shaheed*) and the righteous (*Salih*). And this is the acme of humanity.

I well remember that I was in London where my father had gone for by-pass operation of the heart. This was a very complicated case as he was suffering from severe tripple vessel coronary occlusive disease. I was greatly disturbed at the opinion of the doctors. The risk of by-pass operation was taken because there was no other course open. It was at this stage that it was discovered that the martyrdom of Najeeb was in fact a sacrifice which I had already offered. I mean to say that I had already prayed to Almighty to transfer the cruel disease from my father to me so that my father could have a new lease of life and my mother, brothers and sisters may be saved from any further shock of life. Perhaps Najeeb had offered greater sacrifice than me saying "O Lord take my life and grant life to my father". Before Almighty he really enjoyed that position where Almighty himself asks his servant "What dost thou want", and the divine decree is changed according to the wish of his humble servant. In this connection Najeeb met me in Regent Park London at 8'o clock on 9th July 1987 when I was returning after leaving my father in the operation theater to the loving care of Almighty. I had reached Regent Park from the hospital via Harley and Baker Streets. The park lake was in front of me and beds of flowers were around me. The scenic beauty and neatness of the spot had drawn me thither. I had not had full sleep for many nights. I was in a state of giddiness and meditation. I was lost in fears and apprehensions and was sitting with my head hanging down tossing between hope and despair. My imagination was fixed at the door-step of the Holy Prophet (peace be upon him) because I had always requested for and had been granted everything therefrom. In this state

1. Whoso obeyeth Allah and the messenger, they are with those unto whom Allah hath shown favour, of the Prophets and the truthful and the martyrs and the righteous. The best of company are they!" (The Quran 4:69).

AN AUTHORITATIVE BOOK ON THE SOUL, THE LIFE AFTER DEATH AND THE ETERNAL LIFE OF THE PROPHETS

ETERNAL LIFE

Dr. Pir Mohammad Hassan

Islamic Book Foundation